File D:\W-Lock\Akhbar\Amirul Hind\Jamiat-L.bmp not found.

کا

# امیرالھند نمبر

مارچ ۲۰۱۱ء —— ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ

بیادگار

امیرالہند حضرت مولانا **مرغوب الرحمٰن** صاحب قدس سرہٗ العزیز

مہتمم دارالعلوم دیوبند

المتوفی ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

ترتیب و پیشکش

**محمد سالم جامعی**

خادم ادارۂ تحریر ہفت روزہ الجمعیۃ، نئی دہلی

شائع کردہ

ہفت روزہ **الجمعیۃ** مدنی ہال، ۱-بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی-۲

قیمت :-/100 روپے

# امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ—ایک نظر میں

مولانا محمد سلمان بجنوری، استاذ دار العلوم دیو بند

| | |
|---|---|
| **نام** | : (مولانا) مرغوب الرحمٰن |
| **والد محترم** | : حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ ورکن شوریٰ دار العلوم دیو بند |
| **وطن** | : محلّہ قاضی باڑہ، بجنور |
| **ولادت** | : ۱۳۳۲ھ (غالباً ماہ صفر) |
| **ابتدائی تعلیم اور متوسط تعلیم** | : مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بجنور |
| **اعلیٰ تعلیم** | : دار العلوم دیو بند |
| **دار العلوم میں داخلہ** | : شوال ۱۳۴۹ھ |
| **فراغت** | : شعبان ۱۹۵۲ء |
| **نمایاں اساتذۂ کرام** | : شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی قدس اللہ اسرارہم۔ اس کے علاوہ والد محترم کی دوستی اور قریبی خانگی تعلقات کی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی صحبت وخدمت اور ان کو بعض کتابوں کا امتحان دینے کی سعادت بھی میسر ہوئی۔ |
| **نمایاں احباب و رفقاء** | : حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم کتب خانہ دار العلوم دیو بند، حضرت مولانا منّت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق امیر شریعت بہار واڑیسہ واوّلین جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ورکن شوریٰ دار العلوم دیو بند، حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نواسہ مولانا محمود گل صاحب نگینویؒ ناظم تنظیم وترقی دار العلوم دیو بند، حضرت مولانا محمد اکرام صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اصلح الحسینی صاحب مدظلہم مقیم حال کراچی۔ |
| **رکنیت شوریٰ** | : ۱۳۸۲ھ |
| **مددگار مہتمم** | : ۱۴۰۱ھ |
| **مہتمم دار العلوم دیوبند** | : ۱۴۰۲ھ تا محرم ۱۴۳۲ھ |
| **دیگر ذمہ داریاں** | : رکن شوریٰ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، رکن شوریٰ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (از ۱۳۹۵ھ) ورکن عاملہ جمعیۃ علماء ہند، امیر الہند امارتِ شرعیہ ہند (۲۰۰۶ء میں امیر الہند مولانا سیّد اسعد صاحب مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے ''امیر الہند ثالث'' بنایا گیا) |
| **وفات** | : یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء، بروز بدھ، صبح ساڑھے دس بجے، بجنور |
| **تدفین** | : قبرستانِ قاسمی دیو بند (دیو بند میں نمازِ جنازہ صاحبزادۂ محترم نے پڑھائی) |
| **پسماندگان** | : اہلیہ محترمہ، صاحبزادۂ محترم جناب مولانا انوار الرحمٰن قاسمی زید مجدہم اور ایک صاحبزادی |

❑❑

# فہرست مضامین

## خطباتِ امیرالھند قدس سرہ'

قائد جمعیۃ مولانا سیّد محمود اسعد مدنی ایم پی، ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کا

**افتتاحیہ**

محمد سالم جامعی

# ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

# امیرالھند نمبر

امیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کے غم آگیں سانحہ کے بعد ادارہ ہفت روزہ الجمعیۃ کے خدام نے حضرتؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل جس خصوصی اشاعت کا اعلان کیا تھا وہ الحمدللہ ''امیر الہند نمبر'' کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اور نہ ہی یہ خاص اشاعت اس مقصد کی تکمیل کرسکتی ہے۔ اس اشاعت کا اصل مقصد تو صرف اتنا ہے کہ حضرتؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد ملت اسلامیہ کے قلوب جس غم واندوہ میں ڈوب کر پژمردہ نظر آنے لگے ہیں وہ حضرتؒ کے دینی، علمی وانتظامی کارناموں سے روشنی حاصل کرکے کچھ سکون محسوس کرسکیں۔

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو ان کے پروردگار نے بڑی خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم وعمل کی خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قومی وملّی خدمت ان کے رگ وپے میں سرایت کرچکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں خاموشی کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی شخصیت کے اس پہلو کے اعتراف پر ہر شخص کو مجبور کردیا ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں وہ ہمت وحوصلہ نہیں ہارتے تھے۔ ۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی مسند اہتمام سنبھالی اُس وقت دارالعلوم دیوبند اختلاف وانتشار اور شکست وریخت کے صبر آزما مراحل سے گزر رہا تھا۔ مولانا مرحوم نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جس طرح ان حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی شبانہ روز جدوجہد کے ذریعہ دارالعلوم کو اس کی اصلی ڈگر پر لا کھڑا کیا یہ صرف آپ کے حسن تدبر اور حسن انتظام کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کا اپنا تیس سالہ سفر جس طرح بڑی کامیابی کے ساتھ پورا کیا وہ اپنے آپ میں ایک مکمل تاریخ ہے جس کا ایک ایک لفظ حسن تدبر، حسن انتظام اور حسن اخلاق کا خوبصورت عنوان ہے۔

مولانا مرحوم کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے جو بے مثال ترقی کی دارالعلوم کی پہلی ایک سوسالہ تاریخ بھی اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ ۱۹۸۲ء میں جب آپ نے کارِ اہتمام سنبھالا اُس وقت دارالعلوم دیوبند کا سالانہ میزانیہ ایک کروڑ کے لگ بھگ ہوا کرتا تھا جو آج تیس سال بعد دس کروڑ کے میزانیہ سے تجاوز کرچکا ہے۔ آپ کے مبارک ومسعود دورِ اہتمام میں طالبانِ علومِ نبوت کی تعداد میں زبردست اضافہ کے ساتھ دارالعلوم کی طرف سے انھیں ملنے والی سہولیات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آپ کے دور میں متعدد شعبہ جات قائم ہوئے۔ شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ صحافت، شعبۂ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ رابطہ مدارسِ اسلامیہ وغیرہ آپ کے دورِ اہتمام کے وہ عظیم کارنامے ہیں جن پر ابنائے دارالعلوم کو فخر کرنا چاہیے۔

تعمیری اعتبار سے بھی آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم نے بھرپور ترقی کی۔ اپنی رعنائی وزیبائی کے لیے عالمی شہرت کی حامل مسجد رشید کی تعمیر آپ ہی کے مبارک دور کی یادگار ہے۔ اسلاف واکابر دیوبند بالخصوص شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسمائے گرامی کی طرف منسوب لاجواب عمارتیں ہوں، کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والی آٹھ منزلہ لائبریری کی تعمیر کا آغاز ہویا

دار الطلباء جدید کی تعمیر نو کا کام یہ سب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے شاہانہ فکر وعمل کی ہی دین ہیں۔

تعلیمی اعتبار سے بھی مولانا مرحوم کا دور نہایت تابناک رہا۔ نصابِ تعلیم کو نئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نصاب میں عصری علوم بالخصوص تاریخ و ریاضی اور انگلش کو جگہ دی گئی۔ نئے نئے تعلیمی شعبے قائم ہوئے۔ تعلیمی نظام میں استحکام اور بہتری لانے کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے۔ امتحانات کے نظام میں شفافیت آپ کے دور انتظام کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس نے دار العلوم کے نظامِ تعلیم کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

حضرت مرحوم آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا مشن اور ان کے اہداف ہمارے سامنے ہیں جنھیں پورا کر کے ہم حضرتؒ کی روح کو تسکین پہنچا سکتے ہیں اور یہ ہی ہماری طرف سے حضرتؒ کے لیے سب سے بڑا اخراجِ عقیدت ہے۔

ہم یہاں حضرتؒ کی زندگی پر کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ اس خصوصی اشاعت کے مضمون نگار حضرات نے جو کچھ لکھا وہ زیرِ نظر نمبر میں موجود ہے۔ اس نمبر میں بتوفیق خداوندی اتنے واقعات اور حالات آ گئے ہیں جن کا ہمیں گمان بھی نہیں تھا اور جن کو اگر پھیلا دیا جائے تو ضخیم ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ مضامین میں گہرائی اور گیرائی کے علاوہ تنوع بھی بڑی حد تک موجود ہے۔ اس خصوصی اشاعت کے مضمون نگاروں کی اکثریت ان حضرات پر مشتمل ہے جنھوں نے کسی نہ کسی طرح حضرتؒ کے فیوض و برکات کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے اور یا پھر آپ کے فیض کرم سے انھیں اکتساب کا موقع ملا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مضامین میں تنوع کے باوجود یہ بات بطور قدر مشترک موجود ہے کہ ہر مضمون کی ہر سطر اور ہر سطر کا ہر لفظ خلوص و محبت اور عقیدت و وارفتگی کے جذبہ سے بھرا ہوا ہے۔

ہمیں احساس ہے اور شرمندگی بھی کہ اس خصوصی اشاعت کو حضرتؒ کے چاہنے والوں تک پہنچانے میں کافی تاخیر ہو گئی ہے۔ حضرتؒ کے ساتھ عوام و خواص کو جو عقیدت و محبت تھی وہ آپ کے وصال کے بعد سیلاب بن کر اُمڈ پڑی اور نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام تک پھیل گئی۔ عالم اسلام نے آپ کی رحلت کو ملتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا المیہ سمجھا اور یکبارگی سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اس کا تقاضہ تھا کہ ہم جلد سے جلد اس خصوصی اشاعت کے اعلان کو عملی جامہ پہنا کر حضرتؒ کے متوسلین منتسبین اور ملت اسلامیہ کی اشکبار آنکھوں کے لیے سامانِ تسکین مہیا کرتے مگر **کل امر مرھون باوقاتھا** کے مصداق چونکہ اس کے لیے یہ ہی وقت مقدر تھا اس لیے ہم اس تاخیر کے لیے صرف معذرت ہی کر سکتے ہیں اور اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی یہ ہی مشیت تھی

امیر الہند نمبر کی یہ اشاعت ہمارے خوابوں کی مکمل تعبیر نہیں ہے ہم اپنی اس کارکردگی پر مطمئن اور مسرور بھی نہیں ہیں مگر امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی ذات گرامی سے منسوب اس خصوصی اشاعت کو ہم ہفت روزہ الجمعیۃ اور اپنی زندگی کا ایک اہم باب ضرور تصور کرتے ہیں اور اس کے لیے ہم اپنے پروردگار کے بے پایاں شکر گزار ہیں۔

بہر حال امیر الہند نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے ہم اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے مگر ہم بطور تحدیث نعمت اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس خصوصی اشاعت کی ترتیب میں ہم نے اپنے خدا کی عطا کی ہوئی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس اشاعت کو مفید سے مفید تر بنانے کی ضرور کوشش کی ہے۔

آخر میں ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ تاخیر کے لیے وہ ہماری معذرت قبول فرمائیں اور جن جن حضرات نے اس ضخیم اشاعت میں کسی بھی طرح کا کوئی تعاون دیا ہے انھیں اپنی پُر خلوص اور مستجاب دعاؤں میں یاد رکھیں راقم الحروف بھی ان تمام حضرات کا بیحد شکر گزار ہے جنھوں نے اس خصوصی اشاعت میں تعاون کیا اور کسی نہ کسی حیثیت سے نمبر کی تیاری میں حصّہ لیا ہے۔

خدائے بزرگ و برتر ان کے خلوص اور سعی کو قبول فرمائے اور دین و دنیا میں اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

❑❑

# امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حادثۂ وفات پر

# ملک کی اہم شخصیات کا خراجِ عقیدت

**امیر الهند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مهتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر ملک و بیرونِ ملک میں خراجِ عقیدت کا سلسلہ جاری ہے جن میں چند اہم حضرات کے تاثرات ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔**

## ملت کا عظیم خسارہ

**حضرت مولانا سیّد محمد رابع صاحب حسنی ندوی**

حضرت مولانا سیّد محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ عالم اسلام کے ایک عظیم ادارے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ جو عرصۂ دراز سے دارالعلوم کی سرپرستی اور انتظام کو بہت خیر وخوبی کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور ادارہ ان کی سرپرستی میں ترقی کررہا تھا، اپنے وطن بجنور (اُتر پردیش) میں اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف منتقل ہوگئے۔ وہ کچھ عرصہ سے ضعف پیری کی حالت میں تھے، اس کے باوجود اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے رہے تھے۔ ادارہ ان کی وفات سے اپنے مخلص اور نہایت کارگزار سرپرست سے محروم ہوگیا اور مسلمانوں کی اعلیٰ شخصیتوں میں سے ایک اہم شخصیت کا خسارہ پیش آ گیا۔ مولانا کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی اور ان کے وجود سے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے نظم وانتظام میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ مولانا غیر معمولی انتظامی صلاحیت کے مالک تھے اور تدبر وتحمل اور حکمت کے ساتھ دارالعلوم کے نظم ونسق چلا رہے تھے۔ بعض مشکل حالات میں اپنی حکمت عملی اور اعتدال وتدبر سے مسائل کو سلجھانے میں انھوں نے مدد کی تھی۔ وہ سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے اور ان کی حیثیت ملت اسلامیہ ہند کے لیے ایک سرپرست کی تھی۔ حضرت مولانا ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا ان کو بہترین صلہ اور ادارہ کو اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

## ناقابلِ تلافی نقصان

**حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی**

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب نے امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال کو دیوبندی برادری کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ میں حضرت مہتمم صاحب کا جو کردار رہا ہے اور جس طریقہ پر بحرانی صورتِ حالی سے دارالعلوم کو انھوں نے نکالا، اس میں ان کے تدبر، فراست، معاملہ فہمی، اعلیٰ ہمتی اور ان کے اخلاص و للّٰہیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ دارالعلوم کو اس مقام تک پہنچانے میں جو کردار انھوں نے ادا کیا ہے وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ مولانا مدنی نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات کو بلند کرے اور پسماندگان کی نگہبانی فرمائے۔ ان کو ترقیات سے نوازے اور شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔ دارالعلوم دیوبند جو اکابر کی امانت ہے اس کی بھی حفاظت فرمائے اور بہتر سے بہتر رجال کار اور مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

# منفرد کمالات کے حامل تھے مہتمم صاحب

**حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری** صدر جمعیۃ علماء ہند

جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری نے حضرت امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیو بند کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک وملت کا عظیم خسارہ قرار دیا ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے جس ذمہ داری، خلوص اور للّٰہ فی اللہ دارالعلوم دیو بند کے اہتمام کے فریضہ کو انجام دیا وہ خدمت کی تاریخ کا روشن باب ہے، ان کی بصیرت وفہم کے سبھی معترف تھے، ۳۰ سال سے زائد عالمگیر شہرت کے حامل از ہرِ ہند دارالعلوم دیو بند جیسے عظیم الشان تعلیمی ادارے کے اہتمام کی ذمہ داری بہ حسن وخوبی انجام دی۔

آپ نے اہتمام کی ذمہ داری ایسے وقت میں لی تھی، جب دارالعلوم دیو بند بہت مشکل حالات سے گزر رہا تھا، وہ دارالعلوم دیو بند کے قدیم ترین فضلا میں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی مجلس شوریٰ کے طویل عرصے سے موقر رکن بھی تھے، وہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے اور فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد فروری ۲۰۰۶ء میں امیر الہند کے منصب پر بھی فائز رہے۔ حضرت مہتمم صاحب کے سانحہ ارتحال سے ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے، جس کا پر ہونا مشکل ہے، ایسی شخصیت بڑی مشکل سے خدا کی عنایت سے ہی کسی بھی قوم کو ملتی ہے، حضرت مرحوم ایسی گوناگوں خوبیوں اور منفرد کمالات کے حامل تھے، جن سے بہت کم لوگ متصف ہوتے ہیں، ان کا ہم سے ایسے وقت جدا ہونا جبکہ ان کی شدید ضرورت تھی، دارالعلوم دیو بند اور جمعیۃ علماء ہند سے تاحیات گہرا تعلق رہا، صدر محترم جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مہتمم صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کو ذاتی اور جماعتی خسارہ قرار دیتے ہوئے بارگاہ ربّ العزت میں بلندی درجات کی دُعا کی اور تمام لوگوں، خصوصاً دینی تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں اور جمعیتی احباب ورفقاء سے اپیل کی کہ وہ حضرت مہتممؒ کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کریں۔

# حضرت مہتمم صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال عظیم ملّی وتعلیمی نقصان

**حضرت مولانا سیّد محمود مدنی ایم پی،** ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

قائد جمعیۃ علماء ہند مولانا محمود مدنی ایم پی نے امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیو بند کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے اپنا ذاتی اور بھاری ملی تعلیمی نقصان قرار دیا ہے، وہ سو سال سے زائد کے تھے، ان کی دارالعلوم دیو بند اور جمعیۃ علماء ہند سے گہری وابستگی تھی، وہ جہاں دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، وہیں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے اور حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد فروری ۲۰۰۶ء میں امیر الہند کے منصب پر بھی فائز رہے وہ تین دہائی تک دارالعلوم دیو بند کے اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے اور جن مشکل حالات میں انھوں نے اہتمام کا کام شروع کر کے دارالعلوم دیو بند کو ترقی وشہرت اور بلندی تک پہنچا دیا وہ ایک ریکارڈ اور تاریخ ہے، دارالعلوم سے محبت اور مخلصانہ تعلق ان کی رگ رگ میں سما گیا تھا، انھوں نے جس طرح کوئی معاوضہ، الاؤنس لیے بغیر دارالعلوم کے اہتمام کا فریضہ انجام دیا وہ اس کی تاریخ کا سنہری باب اور انتہائی روشن نمونہ ہے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کے سانحہ ارتحال سے اس حوالے سے ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کا پورا ہونا آسان نہیں ہوگا، دارالعلوم دیو بند، جمعیۃ علماء ہند سے ایام طفلی سے تاحیات تعلق کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی والہانہ وابستگی تھی اور تاحیات مدنی خانوادے سے تعلق رہا اور ہم سب سے خاندانی رشتہ ونسبت بھی تھی، ان کی جدائی سے ہم گھر کے بزرگ کی سرپرستی اور رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں، اللہ رب العزت دارالعلوم دیو بند، جمعیۃ علماء ہند اور ہم سب کے لیے نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

## بہترین صلاحیت کے حامل تھے مہتمم صاحبؒ

**مولانا سالم قاسمی**

دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم و آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ۱۹۸۱ء میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور میں مولانا مرغوب الرحمٰن کا بحثیت معاون مہتمم ان کا انتخاب عمل میں آیا، جس سے ان کے انتظامی صلاحیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان کا ہمیشہ خانوادۂ قاسمی سے تعلق رہا، ان کے انتقال سے دلی رنج پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

## مہتمم صاحبؒ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا

**کے رحمان خان**

راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئرمین کے رحمٰن خان نے مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال کو ملت کے لیے ایک عظیم خسارہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا نے تقریباً تیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں مہتمم کے عہدے پر رہ کر ملک و ملت کی فلاح و بہبود سے متعلق جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام کو سنبھالا اور بڑی بصیرت اور امانت کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھوں نے مولانا مرحوم کے لیے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کے لیے خدائے ربّ العزت سے دعا کی۔

## قوم وملت کا عظیم خسارہ

**مولانا اسرار الحق قاسمی**

آل انڈیا تعلیمی وملیّ فاؤنڈیشن کے صدر مولانا اسرارالحق قاسمی (ایم پی) نے امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پرملال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے قوم و ملت، قاسمی برادری کا عظیم خسارہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ امیرالہند کی دارالعلوم کے تئیں بےلوث خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ دارالعلوم کو اس مقام تک پہنچانے میں جوکردار انھوں نے ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔

## دارالعلوم دیوبند ایک دیانتدار سرپرست سے محروم ہوگیا

**مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی**

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے صدر مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی نے اپنے گہرے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال سے دارالعلوم دیوبند ایک دیانت دار سرپرست سے اور ملت اسلامیہ ہند ایک ایسے عالم دین سے محروم ہوگئی ہے جو قدیم اور جدید کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتے تھے اور علماء کے لیے اکابر سابقین کا نمونہ تھے۔ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تنظیم کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر قاضی زین الساجدین قاسمی نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ ریلیز میں تنظیم کی شاخوں اور دینی مدارس سے ایصالِ ثواب کی اپیل کی گئی ہے۔

## علم دوست تھے مہتمم صاحبؒ

**مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی**

مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ مولانا نہایت متحمل مزاج، متواضع اور علم دوست تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

## ملت کا ناقابل تلافی نقصان

**سیّد شہاب الدین**

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر سیّد شہاب الدین نے مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اس سانحہ کو ملت اسلامیہ بالخصوص مسلمانانِ ہند کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

# اس خلا کا پُر ہونا مشکل ہے

**مولانا سیّد نظام الدین**

حضرت امیر شریعت مولانا سیّد نظام الدین نے کہا کہ مولانا بڑے صاحبِ فضل وکمال اور صاحبِ تقویٰ عالم دین تھے۔انھوں نے ۲۸ سالوں تک دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام کو سنبھالا اور بڑی بصیرت اور امانت کے ساتھ اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے۔نہ کسی کی مخالفت کرتے اور نہ کسی کی مذمت، اساتذہ سے کریمانہ تعلق رکھتے اور طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے۔انھوں نے کہا کہ مجھے ان کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔وہ صاحب الرائے تھے جس پر سبھوں کو اتفاق ہوتا تھا۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ متصل جانب باب الظاہر کی اراضی کو بڑی حکمت عملی کے ساتھ خریدا اور اس پر تعمیری منصوبہ بنایا۔انھوں نے کہا کہ بجنور فساد کے موقع پر امارت شرعیہ کی طرف سے جب میں ریلیف کے لیے وہاں پہنچا تو حضرت مہتمم صاحب نے میری بڑی رہنمائی کی۔امارتِ شرعیہ کی خدمات کی تحسین کرتے رہے۔بلاشبہ ایسے صاحب کردار عالم دین کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا بڑا خلا ہے۔اللہ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کا نعم البدل۔

# ایک اور خلا پیدا ہوا

**حضرت مولانا سیّد اشھد رشیدی صاحب**

مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد

گذشتہ ہفتہ لکھنؤ اور بارہ بنکی کے سفر کے دوران یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کے سربراہِ اعلیٰ حضرت مہتمم صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔فی الفور حضرت مولانا مرحوم کا سراپا نظروں میں گھوم گیا۔باوقار چہرہ، کشادہ پیشانی، چھریرا بدن، قدرے نکلتا ہوا قد اور تواضع سے بھرپور وجود میرے تصور میں آ کھڑا ہوا۔دارالعلوم دیوبند میں چار سالہ دورِ طالب علمی میں ان کو حلم وبردباری کا پیکر ہی پایا۔آج سے تیس سال قبل جو مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کا نظم وانتظام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو دیا تھا، اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم کی عظیم شخصیت کے بعد زمامِ اہتمام کو سنبھالنے والے ایک گمنام شخص سابقہ تمام ریکارڈ وحدود کو پھلانگتے اور توڑتے ہوئے دارالعلوم کو ترقی کے اس بامِ عروج پر لے جائیں گے کہ ماضی میں جس کی مثال ناپید ہوگی۔تعلیم وتربیت کا میدان ہو یا نظم وانتظام اور تعمیرات کا مرحلہ ہو، طلبہ عزیز کی تعداد ہو یا نئے تعلیمی شعبہ جات کا آغاز ہو، ہر میدان میں وہ نمایاں ترقیات وقوع پذیر ہوئی ہیں کہ جن کا مشاہدہ ہر کس وناکس کھلی آنکھوں کر سکتا ہے۔

# ہم نے ایک مشفق انسان کو کھو دیا

**مولانا احمد خضر شاہ**

جامعہ امام محمد انور شاہ کے مہتمم و دارالعلوم دیوبند وقف کے استاذ حدیث مولانا احمد خضر شاہ نے مولانا مرحوم کو ایک تاریخ ساز شخصیت قرار دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے تاریخ کے انتہائی نازک مقام پر دارالعلوم دیوبند کی باگ ڈور سنبھالی جب دارالعلوم کو ایسے ہی شخصیت کی ضرورت تھی۔انھوں نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اور ان کے خانوادے سے ہمارا تعلق ایک صدی پر مشتمل ہے اور یہ تعلق ماضی سے تاحال بدستور قائم ہے۔ان کی صورت میں ہم نے ایک اچھے مربی اور مشفق انسان کو کھو دیا ہے۔اس نقصان کو میں اپنا ذاتی نقصان تصور کرتا ہوں۔

# ایک عظیم مجاہد کا سانحۂ ارتحال

**مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی**

شاہی امام ومجلس احرار اسلام ہند کے قومی صدر مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے حضرت مہتمم صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب اسلام کے جرنیل تھے۔آپ کے انتقال سے ایک عظیم مجاہد سے قوم محروم ہوگئی ہے۔قوم کو ایسے وقت میں ان کی شدید ضرورت تھی۔مجھے یاد ہے کہ جب میں گزشتہ سال حضرت مہتمم صاحب سے ان کے گھر بجنور میں ملا تو حضرت نے مجھے نصیحت فرمائی کہ آپ مجلس احرارِ اسلام کے حریت پسندانہ موقف کو اپنے اکابرین کی طرح قائم رکھیں۔

## آپ کی بے لوث خدمت ہمیشہ یادرکھی جائے گی

**سیّد احمد بخاری**

شاہی امام جامع مسجد دہلی مولانا سیّد احمد بخاری نے مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال پر شدید افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا نے جس خاموشی، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ دارالعلوم کی بے لوث خدمت کی ہے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ایک تعزیتی پیغام میں مولانا بخاری نے مولانا مرغوب الرحمٰن کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کی۔

## سادگی اور اخلاص کا نمونہ

**پروفیسر اخترالواسع**

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے سربراہ پروفیسر اختر الواسع نے اپنے بیان میں کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن کا انتقال ہماری دینی اور علمی زندگی کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جو تنازعات سے دور انتہائی سادگی، اخلاص اور بے لوثی کا پیکر تھی۔ ان کی قناعت پسندی اور استغنا کا عالم یہ تھا کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے کبھی کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

## اسلاف کی یادگار تھے حضرت مہتمم صاحبؒ

**عمران قدوائی**

آل انڈیا کانگریس کمیٹی اقلیتی شعبہ کے چیئرمین جناب عمران الرحمٰن قدوائی نے کہا ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال سے علم وادب کی دنیا ویران ہوگئی ہے۔

مولانا نے اپنی تمام عمر دین وادب کی خدمت میں صرف کی اور تقریباً تیس سال تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کے عہدے پر فائز رہ کر اسلاف کی اس یادگار کو روشن اور تابناک بنایا۔

انھوں نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے بے مثال ترقی کی اور یہ ادارہ کامیابی کی بلندیوں تک پہنچا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن ایک بے مثال رہنما اور مذہبی قائد تھے جنھوں نے اپنی دور بینی اور دور اندیشی سے ہر مشکل گھڑی میں قیادت کا فریضہ ادا کیا۔

ان کی بے مثال خدمات کو ملک میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور قوم ان کی بے لوث خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔

## مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اکابر کی یادگار تھے

**احمد پٹیل**

کانگریس صدر محترمہ سونیا گاندھی کے سیاسی مشیر احمد پٹیل نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک وملت کا عظیم خسارہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہاں جاری ایک تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ موصوف کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر ہونا مشکل ہے۔ مسٹر احمد پٹیل نے مزید کہا کہ علمائے دیوبند نے ملک کی آزادی اور سالمیت کے لیے بے مثال قربانیاں دی ہیں اور مولانا مرغوب الرحمٰن انھیں اکابرین کی یادگار تھے جنھوں نے اس ملک کے اتحاد، یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے ہمیشہ جدوجہد کی۔ مولانا نے اپنی تمام عمر دین وادب کی خدمت میں صرف کی اور تقریباً تیس برسوں تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کے عہدے پر فائز رہ کر اسلاف کی اس یادگار کو روشن اور تابناک بنایا۔ انھوں نے کہا کہ میں ذاتی طور پر ان کے پسماندگان اور تمام علمائے کرام سے تعزیت پیش کرتا ہوں اور مولانا مرحوم کی درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہوں۔

## مولانا کا سانحۂ ارتحال ملک وملت کا عظیم خسارہ: نسیم الدین صدیقی

اتر پردیش حکومت کے کابینہ وزیر نسیم الدین صدیقی نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند نے قوم وملک کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں ہندوستان کی تاریخ اس کو فراموش نہیں کرسکتی۔ انھوں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن کا سانحۂ ارتحال ملک وملت کے لیے ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ نسیم الدین صدیقی قبرستانِ قاسمی پہنچے، بعدازاں مہمان خانہ میں دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی، ناظم تعلیمات مولانا مجیب اللہ گونڈوی، مولانا مرغوب الرحمٰن کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن سے انھوں نے ملاقات کی اور وزیراعلیٰ اترپردیش مایاوتی کی جانب سے مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال پر اظہارِ تعزیت کیا۔ اس موقع پر انھوں نے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم میں رہ کر جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم علمی اور تعلیمی دُنیا کی بے مثال شخصیت تھے۔

## مولانا مرغوب الرحمٰنؒ جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں: اکھلیش یادو

سماجوادی پارٹی کے ریاستی صدر وایم پی اور یوپی کے سابق وزیراعلیٰ ملائم سنگھ یادو کے صاحبزادے اکھلیش یادو نے مولانا مرغوب الرحمٰن کی وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم میں رہ کر جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ ایسی مثالی شخصیت سوسال میں پیدا ہوتی ہے۔ مرحوم کے تعلقات ہمارے والد سے بڑے اچھے تھے۔ وہ اکثر دعائیں لینے کے لیے مولانا مرحوم کو فون کیا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ سماجوادی پارٹی کی کامیابی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اکھلیش یادو نے مولانا مرغوب الرحمٰن کی وفات کو دارالعلوم کے لیے ایک عظیم نقصان بتلاتے ہوئے کہا کہ اس حادثہ سے دارالعلوم کو سخت نقصان پہنچا ہے جس کی بھرپائی کے لیے ہم سب دعا گو ہیں۔ مسٹر اکھلیش یادو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کی تعزیت کے لیے صبح گیارہ بجے دیوبند پہنچے۔ وہ وقت متعینہ سے ایک گھنٹہ قبل یہاں آ گئے جس سے پارٹی کارکنان میں کھلبلی مچ گئی۔ سفید کرتا پائجامہ اور گول ٹوپی زیب تن کیے ہوئے اکھلیش یادو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سب سے پہلے مزارِ قاسمی میں حاضری دی جہاں مولانا مرغوب الرحمٰن ودیگر اکابرین دیوبند سپرد خاک ہیں۔ پھر وہاں سے مسجد رشید دیکھتے ہوئے مدنی گیٹ ہوکر دارالعلوم کے دارالحدیث پہنچے جہاں سینکڑوں طلبہ سے مصافحہ اور خوشگوار انداز میں گفتگو کی۔ اس کے بعد وہ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں تشریف لے گئے جہاں ان کا استقبال ادارہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی، مولانا عبدالخالق سنبھلی، مولانا مرغوب الرحمٰن کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن اور دیگر اساتذہ وکارکنان نے کیا۔

## تواضع وانکساری کا پیکر تھے مہتمم صاحبؒ: امر سنگھ

لوک منچ کے سربراہ ٹھاکر امر سنگھ نے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا بڑے صاحبِ فضل وکمال اور صاحبِ تقویٰ عالم دین تھے، تواضع وانکساری کے حامل تھے۔ مجھے ان کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ جن لوگوں کی ان سے ملاقات ہوئی وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان کے اندر بے نفسی غیر معمولی حد تک تھی۔ شرافت اور بزرگی کے مجسم پیکر تھے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے قوم کا ایک عظیم نقصان ہوا ہے۔ وہ نہ صرف مسلم جماعتوں میں کافی معتبر تھے بلکہ غیر مسلم میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

## مولانا ایک عبقری شخصیت کے حامل تھے

### ہریش راوت

مرکزی لیبر وزیر ہریش راوت دارالعلوم دیوبند پہنچے اور مہمان خانہ میں نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی اور مولانا مرغوب الرحمٰن کے صاحبزادے مولانا انوار الرحمٰن سے تعزیت پیش کی۔ دارالعلوم آنے سے قبل ہریش راوت قاسمی قبرستان گئے اور مرحوم کی قبر پر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر ہریش راوت نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا مرحوم کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے بے پناہ ترقی کی اور وہ ایک عبقری شخصیت تھے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم نے دارالعلوم کے وقار کا اس حد تک خیال رکھا کہ اگر حکومت کچھ دینا بھی چاہتی تھی تو انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال پر

# اُردو صحافت کا خراجِ عقیدت

**امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے مختلف رسائل کے مدیران نے اداریئے تحریر کیے۔ رسائل کے شکریہ کے ساتھ پیش ہیں یہ ادارتی تحریریں۔**

## امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی شخصیت کے چند امتیازی پہلو

**اداریہ ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' نئی دہلی**

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہ العزیز اپنی ستر سالہ قومی، ملّی اور انسانی خدمات کا عظیم الشان ذخیرہ لے کر ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ اب ہمارے پاس سوائے آنسوؤں، کلماتِ خیر اور دعائے مغفرت و رفع درجات کے کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو ان کے پروردگار نے بڑی خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم و عمل کی خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قومی و ملّی خدمت ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں خاموشی کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ خاص طور پر ودیعت فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی شخصیت کے اس پہلو کے اعتراف پر ہر شخص کو مجبور کر دیا ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں وہ ہمت و حوصلہ نہیں ہارتے تھے۔ ۱۹۸۲ء میں جب دارالعلوم دیوبند کی مسند اہتمام سنبھالی اُس وقت دارالعلوم دیوبند اختلاف و انتشار اور شکست و ریخت کے صبر آزما مراحل سے گزر رہا تھا۔ مولانا مرحوم نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جس طرح ان حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی شبانہ روز جدوجہد کے ذریعہ دارالعلوم کو اس کی اصلی ڈگر پر لا کھڑا کیا یہ صرف آپ کے حسن تدبر اور حسن انتظام کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کا اپنا تیس سالہ سفر جس طرح بڑی کامیابی کے ساتھ پورا کیا وہ اپنے آپ میں ایک مکمل تاریخ ہے جس کا ایک ایک لفظ حسن تدبر، حسن انتظام اور حسن اخلاق کا خوبصورت عنوان ہے۔

مولانا مرحوم کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے جو بے مثال ترقی کی دارالعلوم کی پہلی ایک سو سالہ تاریخ بھی اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ ۱۹۸۲ء میں جب آپ نے کارِ اہتمام سنبھالا اُس وقت دارالعلوم دیوبند کا سالانہ میزانیہ ایک کروڑ کے لگ بھگ ہوا کرتا تھا جو آج تیس سال بعد دس کروڑ کے میزانیہ سے تجاوز کر چکا ہے۔ آپ کے مبارک و مسعود دورِ اہتمام میں طالبانِ علوم نبوت کی تعداد میں زبردست اضافہ کے ساتھ دارالعلوم کی طرف سے انھیں ملنے والی سہولیات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آپ کے دور میں متعدد شعبہ جات قائم ہوئے۔ شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ صحافت، شعبۂ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ رابطہ مدارسِ اسلامیہ وغیرہ آپ کے دورِ اہتمام کے وہ عظیم کارنامے ہیں جن پر ابنائے دارالعلوم کو فخر کرنا چاہیے۔

تعمیری اعتبار سے بھی آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم نے بھرپور ترقی کی۔ اپنی رعنائی و زیبائی کے لیے عالمی شہرت کی حامل مسجد رشید کی تعمیر آپ ہی کے مبارک دور کی یادگار ہے۔ اسلاف و اکابر دیوبند بالخصوص شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اسمائے گرامی کی طرف منسوب لاجواب عمارتیں ہوں، کروڑوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والی آٹھ منزلہ لائبریری کی تعمیر کا آغاز ہو یا دارالطلباء جدید کی تعمیر نو کا کام یہ سب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے شاہانہ فکر و عمل کی ہی دین ہیں۔

تعلیمی اعتبار سے بھی مولانا مرحوم کا دور نہایت تابناک رہا۔ نصابِ تعلیم کو نئے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نصاب میں عصری علوم بالخصوص تاریخ و ریاضی اور انگلش کو جگہ دی گئی۔ نئے نئے تعلیمی شعبے قائم ہوئے۔ تعلیمی نظام میں استحکام اور بہتری لانے کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے۔ امتحانات کے نظام میں شفافیت آپ کے دورِ انتظام کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس نے دارالعلوم کے نظامِ تعلیم کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

مولانا مرحوم کے دورِ اہتمام کا ایک عظیم کارنامہ دہشت گردی مخالف کانفرنس کا انعقاد بھی ہے۔ قومی پریس اور میڈیا کے ذریعہ جس طرح دینی مدارس اوران کے حوالہ سے دارالعلوم پر دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا تھا حضرتؒ نے دہشت گردی مخالف کانفرنس میں اسلام کے حوالہ سے جس طرح دہشت گردی کی مذمت کی اس نے فرقہ پرستوں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنا کر رکھ دیا۔ آج یہ اسی کانفرنس کا ثمرہ ہے کہ بحمداللہ تعالیٰ دینی مدارس کے خلاف اس طرح کا جارحانہ پروپیگنڈہ اپنی موت آپ مرچکا ہے۔

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ انتہائی متقی، پرہیزگار اور کفایت شعار انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک متمول اور خوشحال گھرانے میں پیدا کیا تھا جن میں اسراف اور فضول خرچی نہ صرف معیوب نہیں سمجھی جاتی ہے بلکہ اسے باعثِ افتخار اور ذریعۂ نمائش سمجھا جاتا ہے، مگر باری عزہ اسمہٗ نے آپ کے زمیندارانہ گھرانہ کو ان صفاتِ رزیلہ سے محفوظ رکھا تھا۔ انھوں نے ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم کی خدمت محض عبادت سمجھ کر انجام دی۔ نہ اسے اپنے لیے ذریعۂ شہرت بنایا اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ حاصل کیا۔ آپ کا جب تک دارالعلوم میں بحیثیت مہتمم قیام رہا اپنے ذاتی اخراجات سمیت دارالعلوم کے مکان، اس میں استعمال ہونے والے بجلی اور پانی کا صرفہ بھی اپنی جیب خاص سے ادا فرماتے رہے جبکہ ہر سال اپنی جیب خاص ہی سے ایک خطیر رقم سے دارالعلوم کی امداد آپ کا مسلسل معمول تھا۔

مولانا مرحوم کو طلباءِ عزیز کے ساتھ غایت درجہ شفقت و محبت تھی۔ طلباء کی معمولی معمولی تکلیف سن کر رنجیدہ نظر آنے لگتے اور حتیٰ الوسع انھیں دور کرنے کی کوشش کرتے۔ طلباء بھی آپ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ طلباء اگر اپنی فکر وشعور کی ناپختگی کی وجہ سے کبھی کوئی نامناسب حرکت کردیتے تو معمولی تنبیہ کے ساتھ ان سے عفو ودرگذر کا معاملہ فرماتے جس سے طلباء متاثر ہوکر خود ہی شرمندہ ہوجاتے۔ یہ آپ کی محبت وشفقت کا ہی اثر تھا کہ آپ کے تیس سالہ دورِ اہتمام میں بعض استثنائی مواقع کو چھوڑ کر دارالعلوم میں کسی طرح کا کوئی معمولی سا خلفشار بھی سامنے نہیں آیا۔

یہ چند باتیں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر پیش کردی گئی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کی ستر سالہ علمی وعملی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے حالات اس کے لیے شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضرتؒ نے سرزمین ہند پر اپنی انتظامی صلاحیتوں سے حسن تدبر اور حسنِ اخلاق کے وہ نقوش ثبت کیے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔

حضرتؒ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ وہ اپنی عظیم دینی خدمات کا صلہ پانے کے لیے اپنے رب کے حضور جاچکے ہیں۔ اب ہم ان کی رحلت پر ہر طرح کے مبالغوں سے پاک وہی مبارک جملہ کہہ سکتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپؐ کے رفیق اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: طَابَ حَیّاً وَطَابَ مَیِّتاً۔ آپ کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور آپ نے موت بھی پاکیزہ پائی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ جس پاک شخصیت کے لیے کہا تھا وہ وہی پرنور شخصیت تھی جو اگر وجود میں نہ آتی تو یہ کائنات بھی اپنے وجود کے لیے شرمندۂ تعبیر نہ ہوتی۔ آج ہم یہ جملہ پندرہویں صدی کی اس اہم اور عظیم شخصیت کے لیے دہرا رہے ہیں جس نے نورِ نبوت سے جی بھر کر کسبِ فیض کیا تھا اور جو زندگی بھر اس نورانی عکس کی حفاظت کرتا رہا۔ بلاشبہ امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی زندگی بھی کامیاب و بامراد گزری اور آج جب وہ اپنے معبودِ حقیقی کے روبرو حاضر ہیں انشاءاللہ وہ آج بھی کامیاب و بامراد ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کے جونقوش چھوڑے ہیں وہ انشاءاللہ آنے والی نسلوں کے لیے نہ صرف مشعل راہ ثابت ہوں گے بلکہ تحریکوں، قوموں اور ملتوں کی برابر رہنمائی بھی کرتے رہیں گے۔

االلہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے، جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے نوازے اور پسماندگان کو جن میں صلبی عزیز واقارب کے علاوہ پوری ملت اسلامیہ شامل ہے، صبر جمیل عطا فرمائے، آمین! □□

# تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت

## ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کا اداریہ

تری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

ابھی دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین، کارگزار مہتمم، پاک نفس، نیک نیت عالم دین مولانا غلام رسول خاموش رحمہ اللہ کی مفارقت کا غم تازہ ہی تھا کہ فہم وفراست اور زندگی کے وسیع تجربات کے حامل، توازن واعتدال کی میزان، مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کے پیکر، امیری میں فقیری اداؤں کے علم بردار، دارالعلوم دیوبند کی مسند اہتمام کے صدرنشیں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن قدس سرہ بھی نہ جانے کتنوں کو سوگوار اور دلفگار چھوڑ کر اپنی آخری منزل اور آرام گاہ کو رحلت کر گئے۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمه واجعل قبره روضة من رياض الجنة. آمین

زندگی کا چراغ گل ہوتے ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی، اور اب تو ان کی عمر صد سال کو پہنچ گئی تھی اور عرصہ سے چراغ سحری ہو رہے تھے اور ہر وقت واقعہ کا دھڑکا لگا رہتا تھا جو بالآخر یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ یوم چہارشنبہ کو واقع ہوگیا، انا لله وانا اليه راجعون.

موت! زندوں اور مردوں کے درمیان ایسی دیوار کھڑی کر دیتی ہے جس سے ان کے مابین زندگی میں پائے جانے والے سارے روابط ٹوٹ جاتے ہیں، اس لئے اس دنیا میں جن شخصیتوں سے کسی بھی نوع کا رشتہ ورابطہ ہوتا ہے ان کے یہاں سے رخصت ہوجانے پر غم واندوہ اور اضطراب وقلق ایک طبعی وفطری امر ہے، جس کا اظہار آنسوؤں اور جانے والے کے محاسن وکمالات کی یادوں اور تذکروں سے ہوتا ہے، اس وقت اسی غم والم کے وہ آنسو ہیں جو قلم کی راہ سے صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوگئے ہیں ورنہ ان اوراق میں وہ وسعت کہاں ہے جو حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہ کے اوصاف وکمالات اور فضائل ومحامد کو اپنے اندر سمیٹ سکے۔

داماں نگہ تنگ گلِ حسن تو بسیار
گل چینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

جن حوصلہ شکن، صبر آزما اور اضطراب انگیز حالات میں دارالعلوم دیوبند کے اہتمام اور انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر رکھی گئیں، جنھوں نے اس وقت کی برپا رستاخیزیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں ہے، ان کے لئے اس کا مکمل ادراک دارالعلوم کی آج کی عافیت بدوش اور تابناک فضاؤں میں مشکل ہے۔

ایک طرف تقریباً دوڈھائی سو کا عملہ اور ایک ہزار سے اوپر عزیز طلبہ کی جماعت، دوسری طرف دارالعلوم کا نقدی سرمایہ بینکوں میں منجمد نیز دارالعلوم کے ایک عرصہ سے مقفل رہنے اور اس کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کے معطل ہوجانے کی وجہ سے اہل خیر کی مالی اعانت ونصرت بھی صفر کے درجہ میں پہنچی ہوئی تھی، اس تہی دامنی کے عالم میں کارکنان کے ضروری لوازمات کی ادائیگی تو دور کی بات ہے روزمرہ کے ضروری مصارف کا پورا ہونا بھی مشکل ہو رہا تھا، شاید یہ بات کم ہی لوگوں کے علم میں ہو کہ اس زمانہ میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ مطبخ میں خرچ کے لئے بھی کچھ نہیں تھا اور مجبوراً تیس ہزار روپئے قرض لے کر طلبہ وغیرہ کے کھانے کا بندوبست کرنا پڑا تھا، حالات کی سنگینی کا یہ صرف ایک پہلو ہے، جس سے بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین متین کا یہ قلعہ اور علم وعرفان کی یہ کشتی کس طرح ہر چہار سمت سے طوفانوں کے نرغہ میں تھی۔

پھر دنیا نے کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا کہ بادۂ مہر ووفا سے سرشار اس مرد درویش نے نہ صرف اس موجِ بلاخیز سے دارالعلوم کے سفینہ کو نکال کر بحفاظت تمام ساحل مراد پر لگادیا، بلکہ بتوفیق ایزدی اپنی دلسوزی، اولوالعزمی، حکمت تدبیر اور شبانہ روز کی انتھک وبےلوث جدوجہد سے اسے حیات تازہ اور نئی جولانیوں سے ہم کنار کر دیا۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی محوِ خوابِ ناز تھی

آج دارالعلوم دیوبند کے درودیوار بزبان حال شہادت دے رہے ہیں کہ اس بندۂ سراپا اخلاص کے دور اہتمام میں اکابر رحمہم اللہ کی اس یادگار نے جس برق رفتاری سے ارتقاء کی منزلیں طے کیں وہ دارالعلوم کی طویل تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

رب کریم علم وعلما کی اس پناہ گاہ اور اس کے فرزندوں کی جانب سے حضرت مہتمم صاحب قدس سرہ کو بہتر سے بہتر بھرپور جزا عطا فرمائے، جنھوں نے اس کی خاطر اپنے رئیسانہ آرام وراحت کو خیرباد کہہ کر فقیرانہ زندگی اختیار کرلی تھی۔ □□

# تین حادثے، تین صدمے

## ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کا ادارتی نوٹ

حال ہی میں ملتِ اسلامیہ کے تین عظیم خدمت گزار (حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا غلام رسول خاموش اور ڈاکٹر محمود احمد غازی) اپنا کام پورا کر کے منزل پہ پہنچ گئے اور اپنے بعد میں رہ جانے والوں کے کندھوں پر زبردست ذمے داریاں چھوڑ گئے، اللہ جانے والوں کا بہترین استقبال فرمائے اور ہم رہ جانے والوں کو ان کے خیر سے محروم نہ ہونے دے، اور ان ذمے داریوں کا بارگراں اٹھانے کے سلسلے میں بھرپور مدد فرمائے۔

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ

ان تینوں جانے والوں میں ایک ہمارے عظیم دینی مرکز دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور قافلہ سالار، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قاسمی ہیں، بڑی ہی محبوب اور دل آویز شخصیت پائی تھی ہمارے ممدوح نے، خندہ پیشانی، روشن اور منور چہرہ، سنجیدہ اور باوقار انداز، دور اندیشی اور معاملہ فہمی آنکھوں سے ہویدا، آہ سحر گاہی اور ذوق عبودیت سے جلا پائی ہوئی روح کی لطافت، باطن کی پاکیزگی ظاہری نفاست، طرزِ تبسم اور اندازِ گفتگو سے پوری طرح عیاں، نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا مصداق، نحیف و ناتواں جسم کے اندر ایک مضبوط بلکہ فولادی قوت ارادی اور ناقابلِ شکست قوت ارادی وقوتِ عملی چھپائے ہوئے، غرض کہ ظاہری و باطنی بے پناہ خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا اللہ نے اُن کو، اور ہمارے قدیم نظام تعلیم و تربیت اور اسلامی تہذیب و روایات کا ایک شاندار نمونہ تھے وہ۔ ایک زمانہ ایسا گزرا کہ دارالعلوم سے وابستہ حلقے میں ''حضرت مہتمم صاحب'' کے لفظ جس کے کانوں میں پڑتے تھے، اس کی آنکھوں کے سامنے ایک نہایت حسین، دل آویز اور محبوب چہرہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آجاتا تھا، اور بردباری، سنجیدگی، وضعداری، دور اندیشی، حسنِ اخلاق، عاجزی وانکساری کی ایک تصویر نظروں کے سامنے آجاتی تھی، اسے اللہ کا کرم ہی کہا جائے گا کہ ان کی جگہ پر اس نے اپنے جس بندے کو بٹھایا، وہ بھی ان ہی اوصاف کا حامل اور اپنے اسلاف کی خوبیوں کا وارث تھا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ عالی نسب بھی تھے اور عالی نسبت بھی، نسباً وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے اور علمی وروحانی نسبت انھیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ سے حاصل ہوئی، اور یہ اسی نسب اور نسبت کا فیضان اور مدرسہ خانقاہ کی تعلیم کا ثمرہ ہی تھا کہ اس نعمت کے تشکر میں اللہ نے ان کو مستغنی بھی بنایا اور جذبۂ قناعت بھی عطا کیا، انھوں نے دارالعلوم کی خدمت کے عوض کوئی مالی منفعت کبھی قبول نہیں کی، بلکہ آمد و رفت، قیام وطعام اور بجلی پانی تک کے مصارف خود اپنی جیب سے ادا کرتے تھے اور یہی نہیں بلکہ سعادت سمجھ کر دارالعلوم کی مالی خدمت بھی کرتے رہتے تھے۔

۱۹۶۲ء میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۴۸ سال تھی، اور یہ وہ دور تھا جب ملک کی ممتاز ترین دینی و علمی شخصیات مجلس شوریٰ میں تھیں، دارالعلوم دیوبند کے دوسرے امتیازات کی طرح وہاں کی مجلسِ شوریٰ بھی اب تک کی تاریخ کے اکثر دور میں انفرادی شان کی حامل رہی ہے۔ ایک دور دارالعلوم کا وہ تھا جبکہ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانوی جیسی ہمالیائی شخصیتیں سرپرست کی حیثیت رکھتی تھیں اور اکثر ارکان دورِ صدیقی اور فاروقی کی طرح اِن کی ہوشمندانہ اطاعت وانقیاد کے جذبے سے مسائل کو حل کرلیا کرتے تھے، پھر ایک دور وہ آیا جب شفاف شورائیت (اصلی جمہوریت) کا مزاج دارالعلوم کی شوریٰ پر چھایا رہا اس دور کے بارے میں بہتر یہ ہوگا کہ اپنے ممدوح مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ہی کی تعبیر نقل کردی جائے، جو انھوں نے اپنے اُس مختصر مگر نہایت اہم مضمون میں اختیار کی تھی جو انھوں نے اپنے بزرگ رفیق اور ہمارے والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے تذکرے پر مشتمل الفرقان کی خاص اشاعت (اپریل تا اگست ۱۹۵۸ء) کے لیے لکھا تھا:

''مجلس شوریٰ کے ارکان دو حصوں میں تقسیم تھے، ایک حزب اقتدار اور ایک حزبِ مخالف اور عام طور پر ممبران کی رائے میں اپنی جماعت کے رجحانات کی رعایت پائی جاتی تھی، لیکن مولانا نعمانی مرحوم کا ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ خصوصی تعلق نہیں تھا اُن کی رائے ہمیشہ

دارالعلوم کے مفاد کے تابع رہتی تھی۔''

راقم کو یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑی حد تک یہی مزاج رکھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب ۱۹۸۱ء میں اُن کا نام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) کے مددگار مہتمم کی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں پیش ہوا تو اُن کا انتخاب مکمل اتفاقِ رائے سے ہوگیا۔ اس واقعے کی روداد بھی صاحب واقعہ ہی کی زبانی سنئے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں لکھا تھا:

''مددگار مہتمم کی حیثیت سے راقم الحروف کے دوشِ ناتواں پر جو بارگراں رکھا گیا وہ بھی تنہا مولانا نعمانی مرحوم کی پیش کردہ تجویز کو قبول کرنے کی صورت میں عمل میں آیا۔ ہوا یہ کہ جب اجلاسِ صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں اختلاف کا آغاز ہوا تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ نے ایک مفصل تحریر پیش کی جس میں حضرت اقدس نے اپنی معذوریوں کو پیش کرتے ہوئے لکھا کہ میرے قویٰ میں اضمحلال آ گیا ہے، بصارت بھی کمزور ہوگئی ہے، ذہن بھی پوری طرح مسائل کو اخذ نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے اگر یہ صورت اختیار کرلی جائے کہ منصب اہتمام پر نام تو میرا ہی رہے اور کام کے لیے کسی دوسرے کا انتخاب کرلیا جائے تو دارالعلوم کے لیے بہتر رہے گا۔

ابھی ممبرانِ شوریٰ حضرتِ اقدس کی تحریر کے مضمرات پر غور ہی کر رہے تھے کہ مولانا نعمانی مرحوم نے کسی بھی طرح کا استفسار کئے بغیر میرا نام پیش کردیا۔ خدا گواہ کہ میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا کہ ایک ذرۂ بے مقدار دارالعلوم کی کیا خدمت کرے گا لیکن ہوا یہ کہ میرے علاوہ کسی بھی ممبر نے حضرت مولانا نعمانی مرحوم کی اس تجویز سے اختلاف نہیں کیا۔ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مرحوم تجویز لکھنے لگے تو میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا، مولانا نعمانی مرحوم نے بڑی خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اصرار کر کے مجھے سکوت پر مجبور کردیا اور فرمایا کہ تمھاری طرف سے طلب نہیں ہے، اس لیے اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ دارالعلوم کی خدمت کارِ آخرت سمجھ کر انجام دینا چاہیے اور گریز نہیں کرنا چاہیے۔'' (بانی الفرقان نمبر ص ۱۱۸-۱۱۷)

براہِ راست اور تفصیلی واقفیت رکھنے والے حضرات سے تواتر کے ساتھ جو کچھ سنا ہے اُس کی بنیاد پر غالباً یہ شہادت دینا اس ناچیز راقم کے لیے اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں ہوگا کہ اپنی دیرینہ واقفیت اور رفاقت کی بنیاد پر اُس منصب کے لیے نام تجویز کرنے والے بندۂ خدا نے جو اُمیدیں قائم کی تھیں اور جن توقعات کے ساتھ تمام ارکانِ شوریٰ نے اُس تجویز سے اتفاق کیا تھا وہ تمام اُمیدیں اللہ کی توفیق سے پوری ہوئیں۔ اور جب مولانا مرغوب صاحبؒ اپنے حصّے کا کام پورا کر کے اپنے وطنِ اصلی کو واپس لوٹے تو اپنے خلوص اور حسنِ انتظام کی بہترین یادیں چھوڑ کر گئے۔

دو طرفہ اعتماد و احترام پر مبنی جو تعلق ہمارے حضرت والد ماجد اور مولانا مرغوب صاحب رحمہما اللہ کے مابین تھا اُس کو لفظوں میں بیان کرنا میرے لیے مشکل ہے، اُس تعلق کی بہت سی یادیں میرے ذہن و دماغ میں محفوظ ہیں اور مجھ سے زیادہ میرے بڑوں (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب، جناب حفیظ نعمانی اور جناب مولانا زکریا سنبھلی) کے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ مقدر ہوا تو انشاء اللہ کچھ تفصیلی معروضات آئندہ پیش کی جائیں گی۔ بلا مبالغہ ہم سب کو ایسا محسوس ہوا کہ ہمارا خاندان ایک مرتبہ پھر اپنے ایک محبوب سرپرست سے محروم ہوگیا۔

راقم الحروف اپنی طرف سے اور اپنے پورے خاندان کی طرف سے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پورے کنبے کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بھرپور مغفرت فرما کر مقامِ قُرب عطا فرمائے، اُن کے خیر سے ہم کو محروم نہ فرمائے، اُن کے بعد ہم کو کسی آزمائش میں مبتلا نہ فرمائے اور دارالعلوم کو بلکہ پوری جماعت اور پوری ملت کو اُن کا صحیح جانشین عطا فرمائے۔ ☐☐

# اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

## دوماہی ''زمزم'' غازی پور کا اداریہ

ہجری سال نو ۱۴۳۲ھ کی پہلی تاریخ یکم محرم بھی، میں کچھ لکھ پڑھ رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی، موبائل ہاتھ میں لیا تو ایک عزیز یہ اطلاع دے رہے تھے کہ ابھی ابھی دیوبند سے ایک طالب علم کا فون آیا ہے کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ابھی ایک گھنٹہ قبل یعنی ساڑھے دس بجے دن میں ان کے وطن بجنور میں انتقال ہوگیا ہے، بلا اختیار زبان سے اس موقع کی دعا مسنون اناللہ وانا الیہ راجعون نکلی، پھر متعدد عزیزوں اور دوستوں کا اسی حادثہ فاجعہ کی اطلاع کا فون آتا رہا، دیوبند کے متعدد اساتذہ سے بھی رابطہ رہا، معلوم ہوا کہ حضرت مرحوم کا جنازہ دیوبند آئے گا اور مزار قاسمی میں عشاء کے بعد ان کی تدفین ہوگی، اسی روز رات میں دس بجے کے قریب دیوبند میں ان کا جنازہ آیا اور ایک بڑے مجمع کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ان کے صاحبزادہ محترم نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور گیارہ ساڑھے گیارہ بجے شب میں ان کی تدفین سے فراغت ہوئی، میں خیالات کے ہجوم میں بڑی دیر تک رہا، رات میں کب نیند آئی مجھے پتہ نہیں چلا، اب صبح ہوئی تو چند سطر کی تاثراتی تحریر کے لیے قلم ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوں۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ایک نزاع میں مبتلا ہوکر دارالعلوم کے منصب اہتمام سے الگ ہوگئے تو ہر ایک یہی سوچ رہا تھا کہ اب دارالعلوم کا اہتمام کون سنبھالے گا، اور حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر کون فٹ ہوسکے گا، دارالعلوم کی شوریٰ کے اکابر نے بڑے غور وفکر کے بعد حضرت قاری صاحب کی جگہ پر منصب اہتمام کے لیے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت دارالعلوم دیوبند جیسے باوقار اور بین الاقوامی شہرت کی مالک درسگاہ کے لیے بالکل فٹ تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، علم وفضل کی انتہائی بلندی پر تھے، تقریر کے بادشاہ تھے، تحریر کے ابن تیمیہ اور ابن رشد تھے، شکل وصورت ایسی کہ دیکھا کرے کوئی، لباس اتنا صاف ستھرا اور ایسا پاکیزہ کہ کسی کو بھی اس پر رشک آئے، خاندانی اعتبار سے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شریف خاندان کے تھے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور ان کے علوم کے وارث تھے۔ دارالعلوم دیوبند ہو یا ہندوستان کا کوئی خطہ، عربی ممالک میں ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں ایشیا کے کسی ملک میں ہوں کہ افریقہ کے کسی شہر میں، بادشاہوں کی مجلس میں ہوں کہ فقیروں کے جمگھٹوں میں ہوں، ہر جگہ آپ کا نمایاں رنگ تھا، اور بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابل میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم دارالعلوم کی شخصیت سب سے اونچی وممتاز اور سب سے باوقار ہوتی تھی، جیسا دارالعلوم ہے ویسا ہی اس کا مہتمم تھا۔

حضرت قاری صاحب کی جگہ پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مسند اہتمام پر تشریف لائے، جن کی شخصیت میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی کوئی بات نہیں تھی تو ہر شخص کو یہ فکر لاحق تھی کہ دارالعلوم کا اہتمام اب کیسا ہوگا، اور دارالعلوم کا اب کیا بنے گا، مگر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حسن تدبیر، اپنی تنظیمی صلاحیت و پختہ ارادے اور اپنے خلوص اور اپنی دیانت وامانت، اپنے تقویٰ اور پاک سیرت کے چھپے جوہر کے ساتھ جب دارالعلوم کے منصب اہتمام کو زینت بخشی تو انھوں نے بڑے کامیاب طریقہ پر دارالعلوم کی نیا کی کھیون ہاری کی، اور ہم سب نے دیکھا کہ ان کے عہد اہتمام میں دارالعلوم ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا، اور بڑی حد تک لوگ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کو بھول گئے اور دارالعلوم کے انتظامی امور میں کوئی کمی محسوس نہیں کی، بلکہ دارالعلوم ہر اعتبار سے ترقی کرتا رہا، طلبہ کی تعداد بڑھی، مختلف نئے نئے شعبے کھلے، تعمیرات میں بہت ترقی ہوئی، پرانی عمارتوں کی جگہ نئی عمارتوں کی تعمیر ہوئی، طلبہ کا وظیفہ بڑھا، اساتذہ کی تنخواہیں بڑھیں، دارالعلوم کا میزانیہ ہر سال بڑھتا رہا، اور انھیں کے عہد مبارک میں مسجد رشید کی تکمیل ہوئی، جو تعمیر کی فنکاری کا ایک عجیب شاہکار ہے، دارالعلوم کے احاطہ کی پرانی مسجد کی شکل و صورت بدل گئی، غرض دارالعلوم ہر اعتبار سے آگے ہی کی طرف بڑھتا رہا، اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی پشت پر تائید خداوندی کے علاوہ کوئی ایسی مدبر روحانی قوت ہے جس کے ہاتھ میں دارالعلوم کا سفینہ ہے، اور وہی روحانی مدبر اصلا اس سفینہ کا کھیون ہار ہے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک مسند اہتمام پر رہے، انھوں نے دارالعلوم سے تنخواہ کے نام پر ایک پیسہ نہیں لیا، حتیٰ کہ دارالعلوم سے وہ کھانا بھی نہیں لیتے تھے، اور اگر کبھی لیا تو وہ اس کی ادائیگی کرتے تھے، اساتذہ، طلبہ، ملازمین سب ان سے خوش تھے، اور سب ان سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، عمر اگرچہ ان کی نوے سے متجاوز ہوچکی تھی مگر ان کا دماغ چوکنا اور بیدار تھا، فیصلہ ان کا بہت سمجھ بوجھ کا ہوتا تھا، شنوائی ان کی کم ہوگئی تھی مگر دماغ پوری طرح حاضر تھا، اور کچھ مدت سے ضعف بھی بڑھتا جارہا تھا اور مختلف امراض کا آپ پر حملہ بھی تھا، بہرحال حضرت مہتمم صاحب اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکے تھے، اور بالآخر مذکورہ تاریخ اور دن میں جہاں سب کو جانا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔ □□

# آہ! مہتمم دارالعلوم دیوبند

## ماہنامہ ''المآثر'' مئو کا اداریہ

یکم محرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ردسمبر ۲۰۱۰ء صبح کے تقریباً سوا گیارہ بجے یہ اندوہناک خبر وصول ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ تھوڑی دیر پہلے تقریباً ساڑھے دس بجے سفرآخرت پر روانہ ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس جاں گداز خبر نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ پوری فضا یکلخت مغموم اور سوگوار ہوگئی ہو، یہ ایک ایسے شخص کا سانحۂ ارتحال تھا جس کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا ہے، یوں تو دنیا میں بہت سے لوگ آتے ہیں اور بہت سے لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں، آنے جانے والوں کا ایک ایسا سلسلہ ہے، جو نہ کبھی رُکا ہے اور نہ رہتی دنیا تک رُکے گا، لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کی وفات کا رنج وغم آدمی اپنے عزیزوں اور قرابت داروں سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کی وفات بھی ایک ایسی ہی شخصیت کی رحلت ہے، جس کا صدمہ پوری ملتِ اسلامیہ نے محسوس کیا ہے، اور ان کے نہ رہنے سے قوم وملت کی صف میں جو خلا واقع ہوا ہے، وہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پرہونا آسان نہیں ہے۔

حضرت مہتمم صاحب مغربی اترپردیش کے شہر بجنور کے ایک متمول مگر متدین گھرانے کے چشم و چراغ اور ناز و نعمت کے پروردہ تھے، کاتب تقدیر سے عمر بھی خوب لکھوا کر لائے تھے، ہجری تاریخ کے اعتبار سے تقریباً ایک صدی تک زندگی کی بہاریں دیکھیں اور عیسوی تاریخ کے حساب سے ۹۶ منزلیں طے کی تھیں کہ کاسۂ عمر لبریز ہوگیا، اور وہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے عالم آخرت کو سدھار گئے۔ مہتمم صاحب کی ولادت ۱۹۱۴ء میں بجنور میں ہوئی تھی، ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کرنے کے بعد دیوبند گئے، اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

مہتمم صاحب درس وتدریس کے ہنگاموں سے تو دُور رہے، لیکن اپنے حسن انتظام کا لوہا دنیا سے منوالیا، ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، اور پھر ارکان شوریٰ کی نگاہوں میں وہ اعتبار حاصل کیا، جس نے آگے چل کر ان کے منصب اہتمام تک پہنچنے کی راہ ہموار کردی، مہتمم صاحب اگرچہ درس وتدریس کے آدمی نہیں تھے، لیکن آپ کی شخصیت میں اتنا توازن اور اعتدال تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے نازک وقت میں ارکانِ شوریٰ نے آپ کی خداداد صلاحیت و استعداد کو دیکھتے ہوئے آپ کو منصب اہتمام پر فائز کیا۔ ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے جشن صدسالہ کے بعد پیدا ہونے والا اختلاف سرزمین ہند پر پیش آنے والے مسلمانوں کے قومی وملی حوادث میں سے ایک تھا، ایسے وقت میں قیادت کی باگ ڈور سنبھالنا ایسا چیلنج تھا، جس کو کسی معمولی دل ودماغ کا آدمی قبول نہیں کرسکتا۔ آپ نے اس رستاخیز کے بعد ۳۰ سال تک جس عزم وہمّت اور عالی حوصلگی کے ساتھ اہتمام کی خدمت انجام دی ہے، وہ آپ کی بیدار مغزی، روشن دماغی اور ثابت قدمی کی بیّن دلیل ہے۔ آپ کے دورِ اہتمام نے یہ ثابت کردیا کہ ارکانِ شوریٰ کا آپ کو منصبِ اہتمام پر متمکن کرنے کا فیصلہ صحیح و درست اور وقت کے تقاضے کے مطابق تھا۔

حضرت مہتمم صاحب کے عہد میں دارالعلوم دیوبند نے ہمہ جہت ترقی کی ہے۔ تعمیرات، تعلیمات، طلبہ کی کثرت تعداد، نئے نئے شعبوں کا قیام، قدیم نظام اور نصاب کو باقی رکھتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق جزوی تبدیلی وترمیم یا اضافہ کرنا مہتمم صاحب کے عہد کی نمایاں خصوصیات میں ہیں۔

مہتمم صاحب نہایت دلآویز شخصیت کے مالک تھے، بہت نرم دل، رقیق القلب اور حسن اخلاق کا پیکر تھے، سادگی اور شرافت آپ کی طبیعت میں گندھی ہوئی تھی، بہت خوش لباس اور خوش پوشاک تھا، چہرے پر وقار اور تمکنت کے آثار نمایاں رہتے تھے، شرافت اور سادگیٔ طبع کے باوجود عزم و حوصلہ کے پہاڑ اور صائب الرائے تھے، بروقت اور وقت ضرورت سخت اقدام کرنے والے تھے، قلب حرص وطمع سے پاک تھا، مشہور ہے کہ اپنے پورے دور اہتمام میں دارالعلوم سے کوئی تنخواہ نہیں لی، بلکہ اپنی ذات پر استعمال ہونے والی بجلی اور پانی وغیرہ کے اخراجات اپنی جیب خاص سے پورے کرتے تھے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد آپ بالاتفاق امیر الہند منتخب ہوئے تھے، آپ کی رحلت سے دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام کے ساتھ ساتھ امت کی صف قیادت میں بھی ایک غیر معمولی خلا واقع ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو پُر فرمائے، ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی حسنات کو قبول فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کی روح کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ ☐☐

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قاسمیؒ

## ماہنامہ ''سفیرِ حق'' کانپور کا اداریہ

موت عملی تسلسل کے خاتمہ کا خاموش اعلان ہے، کہ دارالعمل میں جس انسان کو صلاحیتوں کے آزادانہ استعمال کو کھلا موقع دیا گیا، تاکہ وہ آخرت کی نعمتوں کو پانے کے لیے اپنا استحقاق ثابت کر سکے۔ اب اس کی کارکردگی موقوف کی جاتی ہے، اور اس سے دیا ہوا موقع واپس لیا جاتا ہے، اور اب وہی موقع اس کے جیسے آخرت کے دوسرے اُمیدواروں کو دیا جائے گا، وہ آئیں اور اپنی قسمت آزمائی کریں۔ موت اس شخص کے لیے سوغات ہے، جس نے زندگی کے موقع اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو تعمیر میں لگایا اور ان کے استعمال میں اس ذات کے منشاء کو پوری طرح ملحوظ رکھا جس نے اسے مواقع اور صلاحیتیں عطا فرمائیں، اور اس شخص کے لیے مصیبت ہے جس نے اللہ کی دی ہوئی بہتر صلاحیتوں کو بدتر مقاصد میں استعمال کیا، تعمیر کی جگہ تخریب کو اپنی کارکردگی کا محور بنایا، اور مواقع کو استعمال کرتے ہوئے کبھی یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ ان کا دینے والا کون ہے اور دینے کا مقصد کیا ہے۔

اس لحاظ سے موت ذاتی طور پر ایک ایسی سواری ہے جو انسان کو عمل کی دنیا سے بدلے کی دُنیا میں منتقل کرنے کی خدمت انجام دیتی ہے، لیکن انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ جب اس کے کسی عزیز قریب کی موت کی خبر ملتی ہے تو وہ طبعاً غمگین ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی از خود رفتہ بھی۔ عقل حقائق کو جانتے ہوئے بھی طبیعت کو قابو رکھنے سے عاجز رہتی ہے۔ موت کی خبر اپنے وقت کے کتنے ہی سعادت مند انسان کی ہو اور اس کا سننے والا علم وعقل سے جتنا بھی وافر حصہ پانے والا شخص ہو طبیعت کا تاثر ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ چنانچہ سعید روحوں کے سرخیل جنھوں نے پوری مخلوق میں قدرت کی طرف سے ملے ہوئے وسائل اور مواقع کو امکانی حد تک خیر وخوبی کے ساتھ استعمال کیا اور اپنی ذمہ داریوں کو سب سے بہتر طور پر نبھایا۔ حتیٰ کہ ذمہ داری سونپنے والے کو یہ کہہ کر روکنا پڑا۔ (ولعلک باخع نفسک) ان کی موت کی خبر ان کے اصحاب میں علم وعقل کے اعتبار سے ممتاز شخص حضرت عمرؓ کو ملی۔ وہ بے قابو ہو گئے۔ خبر کی تصدیق کجا اسے سننے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور سنانے والوں کے لیے تلوار نیام سے کھینچ لی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے اعتماد سے فرمایا:

**من کان یعبد محمداً فان محمد قدمات من کان یعبد محمداً فان محمد قدمات و من کان یعبداللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت**، اس وقت فاروق اعظمؓ کی طبعی کیفیت تبدیل ہوئی اور احساس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ آیتیں ان کے سامنے اُتری تھیں۔ **کل نفس ذائقة الموت** ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور **افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم** محمدؐ کا اگر انتقال ہو گیا یا شہید ہو گئے تو کیا تم لوگ دین حق سے پھر جاؤ گے جس میں رسول اللہ کی امکانی موت کا کھلا اشارہ موجود تھا لیکن جب موت کا امکان واقعہ بن کر سامنے آیا تو محبت نے محبوب کی موت کے اعتراف سے روک دیا۔

یہ انسانی نفسیات ہے جو اسی طرح محبوب چیز کے جدا ہونے کے وقت اُبھر کر سامنے آتی ہے اور حقیقت واقعہ سے اعراض میں پناہ تلاش کرتی ہے مگر موت کو قرآن نے سچائی (حق) کہا ہے اور سچائی سے گریز ناممکن ہے، بالآخر لمحاتی اعراض کے بعد اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

ارمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو فون سے اطلاع ملی کہ صبح سویرے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مدظلہ اللہ کو پیارے ہو گئے، خبر سنتے ہوئے خیالات کا سلسلہ ٹھہر گیا، حواس تھم گئے، آنکھوں کے سامنے دارالاہتمام اور حضرت کا گہری فکر میں ڈوبا ہوا نورانی چہرہ گردش کرنے لگا، دل اور دماغ کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی، دماغ مرحوم کی وفات کے دلائل دیتا رہا مگر دل فرط محبت میں موت کی خبر کی تصدیق کرنے کے لیے دیر تک آمادہ نہ ہو سکا، بالآخر مختلف ذرائع سے اطلاع موصول ہونے کے بعد دل کو مجبوراً چپ ہونا پڑا، مگر دل کی اپنی رائے اب تک وہی ہے کہ خبر دینے والوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب ابھی حیات ہیں ذمہ داریوں کا بوجھ ڈھوتے ڈھوتے تھک گئے تھے زمین کے تہہ خانے میں ذرا دم لینے چلے گئے ہیں اگرچہ معلوم ہے کہ دل کی طفل تسلّیاں حقائق کو

تبدیل نہیں کرسکتیں۔ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے کے لیے آیا ہے۔ جو موجود ہے وہ فنا ہوگا۔ جو زندہ ہے اسے موت سے ہم آغوش ہونا ہے۔ قدرت کا قانون انسانی جذبات کا پابند نہیں، انسانی جذبات قانون قدرت کے سامنے مجبور و بے بس ہیں۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو کوئی جاندار موت کو قبول نہ کرتا اور اب تک یہ خدا کی وسیع و عریض دنیا انسانوں کی کثرت سے اتنی تنگ ہوگئی ہوتی کہ زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی۔ زمین سامانِ معاش سے یکسر خالی ہوجاتی، ہر طرف انسانوں کے سر نظر آتے، بھوک پیاس کا راج ہوتا اور انسان اپنا ابنائے جنس سے گوشت بھوک اور ان کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرتا۔

دنیا موتیوں بھرا سمندر ہے یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنا کمال کی بات نہیں با کمال وہ ہے جو اچھے اعمال کے موتیوں سے جس قدر جلد ممکن ہو اپنا دامن بھر کر واپس ہوجائے۔ گھونگوں اور ٹھیکروں سے اُلجھ کر اپنا وقت ذرائع نہ کرے۔ جتنی دیر زندگی رہے کسی آن اپنے مقصد سے غافل نہ ہو۔

اس لحاظ سے حضرت مولاناؒ انتہائی سعادت مند تھے کہ سن شعور سے وفات تک کی زندگی اعلیٰ مقاصد کے حصول میں صرف ہوئی۔ سن ۱۳۳۲ ہجری مطابق ۱۹۱۴ء عیسوی میں شہر بجنور کے ایک زمیندار صدیقی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ شرح وقایہ تک کی تعلیم مدرسہ رحیمیہ بجنور میں حاصل کی۔ ۱۵؍سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جیسے جلیل القدر علماء سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد علالت کی وجہ سے دو تین سال گھر رہنا ہوا۔ صحت یاب ہونے کے بعد دوبارہ داخلہ لیا اور افتاء کا نصاب مکمل کیا۔ پھر حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوگئے، اور بجنور جا کر زمینداری کے نظم و نسق میں مشغول ہوگئے۔ اکابر سے تعلق، عبادت و ریاضت، کتابوں کا مطالعہ حسبِ دستور جاری رہا بلکہ زمینداری کی وقتی مشغولیت کے بعد جو بھی وقت تھا دینی امور میں صرف ہوتا اور زمین کی آمد کا بیشتر حصہ دینی مدارس خصوصاً پشتینی تعلق کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند کے عمومی تعاون اور غریب طلباء کی خوراکی پر خاموشی کے ساتھ خرچ ہوتا۔ ۱۹۶۲ء عیسوی میں دارالعلوم کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے، اس طرح دارالعلوم کے مالی تعاون کے علاوہ فکری اور انتظامی تعاون کا موقع میسر ہوا جو اپنی اہمیت کی بنیاد پر پہلے تعاون سے بڑھ کر تھا۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے شوریٰ سے مددگار مہتمم کی درخواست کی شوریٰ نے اگست ۱۹۸۱ء میں آپ کو مددگار مہتمم متعین کیا اور دارالعلوم جب ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہوا تو نومبر ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم کی زمام اہتمام با قاعدہ آپ کو سونپ دی گئی۔ یہ زمانہ دارالعلوم کے انتہائی شوریدہ حالات کا تھا۔ پھر حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ جیسے جامع کمالات مہتمم کی جگہ بیٹھنا مستقل امتحان تھا لیکن ان کے خلوص، للّٰہیت، حسن انتظام، اصابت رائے، مردم شناسی اور کام لینے کی صلاحیت نے دارالعلوم کے کارواں کو کیمپ کے منجدھار سے نکال کر علمی، فکری، روحانی اور مادی ترقی کی وسیع شاہراہ پر ڈال دیا اور یہی بہ حیثیت مہتمم ان کا فرض تھا۔

۲۹ سالہ دورِ اہتمام میں پوری طرح اُصولِ ہشت گانہ پر عمل پیرا رہے۔ دارالعلوم کو اپنے اثر و رسوخ اور صلاحیتوں سے جو کچھ نفع پہنچا سکتے تھے پہنچایا مگر خود دارالعلوم کو اپنی ذات کے لیے استعمال نہیں کیا۔ نہ اس سے اپنی وسیع خدمات کا مالی معاوضہ لیا، نہ دارالعلوم کو ایوانِ حکومت تک پہنچنے کے لیے سیڑھی بنایا۔ تواضع، انکساری، دیانت، فرض شناسی، تلاوت قرآن سے شغف، ہمدردی، حساب کتاب میں صفائی ستھرائی ان کی زندگی کا روشن عنوان تھے۔ دارالعلوم کو انتہائی بدتر حالات میں لیا اور ہر لحاظ سے بہتر حالت میں چھوڑ کر راحل آخرت ہوئے۔ زندگی کے قیمتی لمحات امانت الٰہی سمجھ کر استعمال کئے۔ انھیں مفید اور صالح کاموں میں صرف کیا۔ یہی آخرت کے کسی مسافر کا بہترین زادِ راہ ہے جو وہاں اس کے کام آئے گا اور پسماندگان کے لیے یک گونہ اطمینان کا سامان بھی کہ جانے والا آخرت کی دنیا میں مفلس ہو کر نہیں گیا بلکہ ایمان اور اعمال حسنہ کا گراں بہا خزانہ لے کر گیا جو وہاں کی کرنسی ہے، اور لافانی نعمتوں کی قیمت۔ مرحوم سے تعلّق رکھنے والوں کے لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ انھوں نے بااصول زندگی کی جو پاکیزہ روایت چھوڑی ہے اسے اپنانے کی کوشش کریں اور خصوصاً مدارس کے ذمہ داران جن کی بڑی تعداد مالی تصرفات میں خود کو آزاد سمجھتی ہے حضرتؒ کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں۔ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ☐☐

# خدا رحمت کند

## ماہنامہ ''فکرونظر'' پونچھ، جموں و کشمیر کی ادارتی تحریر

گزشتہ دنوں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب طویل علالت کے بعد اپنے آبائی وطن بجنور میں انتقال کرگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ۱۹۱۴ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کے شاگرد تھے، اس لیے گھر کا ماحول علمی و دینی تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بجنور ہی کے ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ رحیمیہ'' میں ہوئی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دارالعلوم دیوبند ہی سے فراغت پائی۔ اساتذہ میں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ جیسے مشاہیر اکابر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن مقرر ہوئے اور ۱۹۸۰ء کی دہائی میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے فرمانے پر مجلس شوریٰ نے مولانا مرحوم کو مددگار مہتمم منتخب کیا۔ ۱۹۸۲ء میں انقلابِ دارالعلوم کے بعد مہتمم منتخب ہوئے اور تاوفات ۲۸ سال تک دارالعلوم دیوبند کے عہدۂ اہتمام پر فائز رہے۔ نہایت دیانتدار، خداترس اور مخلص عالم دین تھے۔ اس پورے عرصہ میں انھوں نے دارالعلوم دیوبند کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا۔ ذاتی جیب سے کھانا بھی کھایا اور دارالعلوم دیوبند کے جس کمرہ میں رہائش پذیر تھے اس کا بھی دارالعلوم دیوبند کو کرایہ ادا کرتے تھے۔ حساب کتاب میں صفائی ستھرائی اور شفافیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود بہ نفس نفیس ہر شعبہ کے مصارف اور حساب کی بڑی باریکی اور احتیاط کے ساتھ جانچ کرتے اور دارالعلوم کی بعض ضروریات کی تکمیل کے لیے درخواستوں پر دستخط کرنے اور منظوری دینے سے پہلے ان ضروریات کا جائزہ لیتے اور بعض مرتبہ اطمینان کلی کے لیے درخواستوں پر کارروائی موقوف کردی جاتی۔

دارالعلوم دیوبند کو اپنی خدمات، فعالیت اور رجال سازی میں اگر ایک سلطنت سے تشبیہ دی جائے تو شاید غلط نہ ہوگا، طلبہ کی اتنی بڑی تعداد، ان کی رہائش اور طعام کا نظم، بہتر اور معیاری تعلیم کا انتظام، تعلیمی ضروریات کے ساتھ تعمیری ضروریات کی تکمیل، بیک وقت اتنے سارے انتظامات کی فکر اور خوش اسلوبی کے ساتھ ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے اپنی منصبی ذمہ داریوں کو نہ صرف نبھایا بلکہ خوش اسلوبی، دیانت داری، حسن انتظام اور حسن تدبیر سے آنے والوں کے لیے ایک مثال ثابت ہوئے۔

یہ سب چیزیں مولانا مرحوم نے اپنے اکابر سے سیکھی تھیں، جو ہر میدان میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے ایک قابلِ تقلید مثال حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تھی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے نقوشِ قدم کو ہی سامنے رکھا اور دارالعلوم کی ترقی وتعمیر کے جوخاکے وہ اپنی زندگی میں تیار کرچکے تھے اور اپنی علمی مصروفیات، دعوتی اسفار اور گوناگوں ملیّ امور میں مشغولیت کی بنا پر ان میں رنگ نہیں بھر سکے تھے۔ مولانا مرحوم اُن ہی خاکوں میں رنگ بھرنے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رکن شوریٰ ہونے کی حیثیت سے بھی وہ حضرت حکیم الاسلام کے انتظامی طور طریقوں سے کافی حد تک واقف تھے اور ان کی دیانت وامانت اور ان بہت سی خوبیوں سے بھی آشنا ہوچکے تھے جو دارالعلوم دیوبند جیسی عالمی دانش گاہ کے ذمہ دار میں درکار تھیں۔ مزید برآں مددگار مہتمم ہونے کی حیثیت سے بھی حضرت حکیم الاسلامؒ کے تحت کام کرنے کا سنہری موقع ملا تھا، اس طرح مشاہدہ کے ساتھ تجربہ بھی مل گیا۔ آنے والے حضرات کو مرحوم اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی انتظامی خوبیوں کے اکتساب اور ان سے مستفید ہونے کی ضرورت ہے تاکہ دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام کی وہ شان قائم رہے جو ابنائے دارالعلوم دیوبند اور ملت اسلامیہ کے دل و دماغ میں نقش ہے۔ □□

# مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نہ رہے

## ماہنامہ ''ضیاء الاسلام'' شیخوپورہ، اعظم گڑھ کا اداریہ

آج یکم محرم ہے، ۱۴۳۲ھ کا سال شروع ہورہا ہے، انگریزی ۲۰۱۰ء اپنے آخری ایام کی گنتی پوری کررہا ہے، دسمبر کی آٹھ تاریخ ہے۔ دارالعلوم سے فون پر فون آرہے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، معمرترین بزرگ جو ایک عرصے سے ضعف وعلالت کی وجہ سے موت وحیات کی کیفیات سے گزر رہے تھے، آج ان کی روح قفسِ عنصری سے آزاد ہوگئی۔ وہ تو جوارِ رحمت اور آغوشِ مغفرت میں جا پہنچی، لیکن بعد والوں کو صدمۂ مفارقت دے گئی۔ اللہ تعالیٰ انھیں مغفرت و رحمت کے آبِ زلال سے نہلا دُھلا کر گلشنِ جنت میں پہنچائے، جس کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بہت بوڑھے اور ضعیف ہوچکے تھے، میں نے دوتین سال پہلے انھیں دیکھا تھا تو سکڑ اور سمٹ کر ایک چھوٹی سی گٹھری کے مانند نظر آئے تھے۔ وہ تقریباً تیس سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔ اس سے بہت عرصہ پہلے سے وہ دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔ بہت دیانت دار، محتاط، سادہ منش اور نیک طبیعت بزرگ تھے۔ ماشاء اللہ دنیاوی اعتبار سے خوش حال بھی تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات معروف تھی کہ وہ اپنی آمدورفت کا کبھی کوئی مالی بار دارالعلوم پر نہیں ڈالتے بلکہ اپنا ہی خرچ کرتے تھے۔

وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اس وقت بنائے گئے جب دارالعلوم اختلافات ونزاعات کی آندھیوں میں زیروزبر ہورہا تھا۔ دارالعلوم کو اجلاسِ صدسالہ کے بعد حاسدوں اور دشمنوں کی ایسی نظر لگی تھی کہ سنبھلنا دُشوار نظر آرہا تھا۔ انقلاب کے جھکڑ چل رہے تھے، مجلسِ شوریٰ کے اکابر پریشان تھے۔ ایسے وقت میں منصبِ اہتمام کے لیے شوریٰ کی نظرِ انتخاب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب پر پڑی، اور انھوں نے محض دارالعلوم کو فتنے اور آزمائش سے بچانے کے لیے کانٹوں بھرا یہ تاج پہننا قبول کرلیا اور اپنے کردار وعمل سے ثابت کردیا کہ اس عہدہ کے لیے یہ موزوں ترین انتخاب تھا۔ ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے تمام شعبہ جات میں غیرمعمولی ترقی کی۔ ان کا یہ تیس سالہ دورِ اہتمام بڑے امن وسکون کے ساتھ پورا ہوا۔

ان کی بزرگ شخصیت باہمی تنازعات سے بلند تھی۔ اختلافات کی لہریں بڑھتی ہوئی آتیں مگر اس مضبوط چٹان بلکہ آہنی حصار سے ٹکرا کر پسپا ہوجاتیں۔ انھوں نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کا مفاد سامنے رکھا، شخصی اور گروہی مفادات سے وہ بلند تھے۔ ان کے تدبر اور ان کی فراست نے دارالعلوم کو متعدد مواقع پر نزاعات کی کشمکش میں پڑنے سے محفوظ رکھا، وہ ایک خاموش اور پرسکون شخصیت کے حامل تھے، مگر حکمت وتدبر کا ان کے ہر طرزِ عمل سے ظہور ہوتا تھا، ان کا جسم ایک عرصہ سے نحیف ونزار تھا مگر دل ودماغ اور عزم وارادہ کی توانائی برقرار تھی۔

مولانا نے طویل عمر پائی۔ وہ حدیث شریف **من طال عمرہ و حسن عملہ** (ترمذی واحمد) کے مصداق تھے، کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ **ای الناس خیر**؟ کون شخص بہتر آدمی ہے؟ آپ نے فرمایا: **من طال عمرہ و حسن عملہ** جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اچھا رہا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ کو جاننے والا ہر فرد ان کے عمل کے اچھے ہونے کی گواہی دے گا، اور عمر تو ماشاء اللہ سو سال کے قریب ہوئی۔ اچھے اعمال کی بہتات نے انھیں خیر کے کس مرتبہ ومقام پر پہنچایا ہوگا یہ تو ان کا خالق ومالک ہی جانتا ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی عظمت و بلندی ان کے دورِ اہتمام کے روشن کارناموں سے ظاہر ہے۔ جن حالات میں انھوں نے دارالعلوم کا اہتمام سنبھالا تھا، معلوم ہے کہ اس وقت بزرگوں کی یہ امانت نزاع وشقاق کی پیچیدہ الجھنوں کی کشاکش میں مبتلا تھی، تعلیم وتعلّم کا نظام درہم برہم ہورہا تھا، لیکن دیر نہیں گزری کہ حالات معمول پر آنے لگے۔ اللہ نے مدد فرمائی، مجلسِ شوریٰ اور رفقاء ومعاونین کے تعاون سے اس ڈانواڈول کشتی کو طوفان کے بھنور سے نکال لیا۔ حق تعالیٰ کی خاص غیبی نصرت تھی، تھوڑے دنوں کے بحران کے بعد، کیا تعلیم اور کیا تعمیر ہر اعتبار سے دارالعلوم میں وسعت اور استحکام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اتنے بڑے اور پرانے ماحول میں حالات کا تناؤ کچھ عجیب نہیں، مگر مولانا کی فراست اور ان کے تحمل کے سامنے ہر بگولہ سرنگوں ہوکر بیٹھ گیا۔

آج مولانا نہیں ہیں تو دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے، اور ہندوستان میں کون مسلمان ہوگا جسے دارالعلوم سے تعلق نہ ہو، کا دل خلش سے لبریز ہے، ہر ایک یہی سوچ رہا ہے کہ بزرگوں کی اس امانت کا نگہبان و پاسبان اب کون ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند صرف ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش ہی نہیں، سارے عالم کی ملت اسلامیہ کی آبرو ہے۔ اس کی خدمات اور اس کے بکھرے ہوئے انوار وعلوم کا دائرہ تمام عالم کو محیط ہے۔ حق تعالیٰ نے اس درسگاہ سے ایمان واسلام کے ایسے ایسے جیالے پیدا کیے کہ جاننے والوں کی نگاہوں میں قرونِ اولیٰ کے جلوے جگمگا اُٹھے۔

صحابہ کرام اس امت کے افضل ترین حضرات تھے، دل کے نہایت بزرگ اور نیک، علم میں گہرے اور تکلف سے برکنار۔ اللہ نے ان کا انتخاب اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے کیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقوشِ قدم کی

پیروی کرو، اور تم سے جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو اختیار کرو کیونکہ وہ لوگ ہدایت مستقیم پر تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اس ارشاد کی روشنی میں اس مقدس درسگاہ سے اُٹھنے والوں اور اس کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے والوں پر غور کیجیے۔ ان کی بے شمار تعداد ایسے بزرگ اور باکمال افراد کی ہے جن کی زندگی، جن کی سیرت، جن کے اخلاق، جن کے علمی و عملی فضائل و کمالات اور جن کے باطنی و روحانی فیوض و برکات میں حضرات صحابہؓ کی سیرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ قلب کی نیکی، علم کی گہرائی، تکلف سے دوری، نبی کریمؐ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ وابستگی، دین کے تحفظ و بقا کی ترویج و احیاء، اس کے لیے جہد و عمل، سرفروشی و دل سوزی اور حق تعالیٰ کے اوپر بغایت اعتماد و توکل، ہر راہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کے نقوشِ قدم کی پیروی میں وہ سرگرم نظر آتے ہیں۔ ان حضرات کے انتساب و تعلق نے اس ادارہ کو جو تقدس عطا کیا ہے، وہ لازوال ہے، قابلِ احترام ہے۔

آج سے ایک ڈیڑھ صدی قبل کا ایک دور وہ تھا کہ اہلِ دل بزرگوں نے سجدوں میں پیشانیاں رگڑ رگڑ کر دعائیں کی تھیں کہ ہندوستان میں دین کے اور دینی تعلیم کے تحفظ کے لیے ایک مرکز عطا ہو، پھر حق تعالیٰ نے دیوبند کی سرزمین پر دارالعلوم کی شکل میں اس کے مقدس بانیوں اور معماروں کے توسط سے یہ نعمتِ کبریٰ عطا فرمائی تھی۔ آج اس نعمت کبریٰ کے لیے حق تعالیٰ کے حضور ہم گناہگاروں، عاصیوں اور خطاکاروں کی طرف سے فریاد ہے کہ وہ پاک ذات اپنی رحمتِ کاملہ سے اس مقدس اور پاکیزہ امانت کے تحفظ بلکہ ظاہری و باطنی اور علمی و روحانی مرکزیت کی ترقی کا غیبی فیصلہ صادر فرمائے۔

پھر یہ بھی دعا ہے کہ وہ غفور رحیم اپنے حضور حاضر ہونے والے ضعیف و ناتواں بوڑھے بندے کو مغفرت سے نوازے اور اپنی رحمتوں کے مسکنِ اعلیٰ علیین میں جگہ دے، اور اپنی رضا و خوشنودی سے بہرہ ور فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

# حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ جوارِ رحمت میں

## ماہنامہ ''مظاہر علوم'' سہارنپور کا اداریہ

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے وجود مسعود سے یہ دنیا محروم ہوگئی اور حضرت مہتمم صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے انتقال کی خبر ملتے ہی جامعہ مظاہر علوم میں تعزیتی نشست، ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا اور منجانب مدرسہ باقاعدہ حضرات اساتذہ پر مشتمل ایک وفد نماز جنازہ اور تجہیز و تدفین میں شرکت کے لیے دارالعلوم پہنچا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مغفرت فرمائے اور جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین! اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے بہت ساری خوبیاں حضرت مہتمم صاحب کو ودیعت فرمائی تھیں، آپ کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتی ہے، آپ کا خانوادہ جہاں علم پرور تھا وہیں ایک متمول و صاحب ثروت بھی تھا۔ آپ کی ولادت صوبہ اتر پردیش کے مشہور علم نواز شہر ضلع بجنور میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۴ء کو ہوئی، درس نظامی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ رحیمیہ بجنور میں حاصل کی، پھر اگلے تعلیمی مرحلہ کی تکمیل کے لیے باضابطہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں داخلہ لیا اور اس دور کے یگانۂ روزگار اساتذہ و اکابر سے بھرپور استفادہ کیا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان قابلِ ذکر ہیں۔

سند فراغت کے حصول کے بعد تقریباً تین برس تک مختلف امراض کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع رہا، پھر علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے مادر علمی دیوبند کا رُخ کیا اور مفتی محمد سہول صاحبؒ بھاگلپوری و دیگر اصحاب فتاویٰ سے افتاء کی تکمیل کی۔ ابتداء ہی سے آپ کے خانوادہ کا تعلق دارالعلوم سے رہا اور دارالعلوم کی ترقی میں برابر کا تعاون شامل رہا، آپ بھی اپنی خاندانی وراثت، اصابت رائے، اور دُور اندیشی سے مادرِ علمی کا تعاون کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں اراکین شوریٰ نے آپ کو مجلس کا رکن نامزد کیا، آپ کی مضبوط رائے، ثابت قدمی، علمی قابلیت اور انتظامی صلاحیت کی وجہ سے شوریٰ کے اکابر کو کامل اعتماد تھا، یہی وجہ ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد جب حالات کشیدہ ہوگئے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شوریٰ سے ایک معاون کی درخواست کی تو ۱۴۰۱ھ میں شوریٰ نے آپ کو معاون مہتمم بنا دیا۔ پھر ۱۹۸۱ء میں مجلس شوریٰ نے بالاتفاق آراء آپ کو اہتمام کے باوقار منصب پر فائز کیا۔ انتظامی صلاحیت، کام کی سلیقگی تمام شعبوں پر گہری نظر، ہر شعبہ میں اس کے لائق و اہل افراد کے تقرر کی قدرت، مزاج شناسی، امانت داری، سادگی تواضع و انکساری، طلبہ کی راحت رسانی کے لیے فکرمندی، تمام کارکنان و اساتذہ میں باہم ربط وضبط کی بقاء کی کوشش وسعی، قدردانی آپ کا امتیاز رہا۔ پیرانہ سالی کے باوجود طبیعت میں تکلّف اور طلبہ کے ساتھ شفقت آپ کی طبعی خصوصیات تھیں۔ باوجود یہ کہ آپ ضعف ونقاہت اور مختلف عوارضات سے دوچار تھے مگر انتظامی امور میں خلل اور کام کی رفتار میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے ہمہ جہت ترقی کی، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو حضرت مہتمم صاحب کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

# دارالعلوم دیوبند کے لیے نئی آزمائش

**روزنامہ ''پرتاپ'' دھلی کا اداریہ، ۱۳؍ دسمبر ۲۰۱۰ء**

دارالعلوم دیوبندایشیا کی نامور اسلامی یونیورسٹی ہے جس سے فارغ ہوکر لاکھوں علمائے دین دنیا کے کونے کونے میں نہ صرف اسلام کی روشنی پھیلا رہے ہیں بلکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ بھی چھیڑ ہوئے ہیں جس کے لیے انھیں ملک دشمنوں سماج دشمن طاقتوں سے دھمکیاں تک ملتی رہی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ شیخ الہند حضرت مولانا شیخ محمود الحسنؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ریشمی رومال تحریک چلا کر ملک کی تحریکِ آزادی میں نمایاں رول نبھایا ہے بھلے ہی آج ان علماء کی ملکی خدمات کونظر انداز کیا جارہا ہو۔ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف ملک پر آئے بحران کے خاتمے کے لیے اپنی روحانی خدمات انجام دیں بلکہ ترکی کی مشکل گھڑی میں اپنا دینی رول نبھایا جس سے ملک پر آیا بحران دور ہوا اس سے خوش ہوکر وہاں کے بادشاہ نے حضور اکرمؐ کے رومالِ مبارک کو دارالعلوم کو بھجوا دیا تھا تا کہ اس کی بے حرمتی نہ ہو یہ رومالِ مبارک دارالعلوم دیوبند کے خزانہ میں برسہا برس سے شیشے لگی لکڑی کی صندوقچی میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس کی برکت سے دارالعلوم دیوبند پر کبھی آنچ نہیں آئی حالانکہ ۱۹۴۷ء کے غدر میں اس عظیم درسگاہ کو کچھ شرپسندوں نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن خدا کی قدرت سے شرپسند جیسے ہی اس درسگاہ کی حدود میں داخل ہوجاتے تو ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا اس طرح یہ درسگاہ ان کو نہ دکھائی دیتی تب انھوں نے اس درسگاہ پر غیبی طاقت کا احساس ہوا اور انھوں نے اس عہد کے ساتھ سرخم کرلیا۔ خدا سے معافی مانگی کہ وہ مدرسہ کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھیں گے۔ ایسی متبرک درسگاہ کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمنؒ کا دنیا سے رخصت ہوجانا پورے ملتِ اسلامیہ کے لیے تو ہے ہی بلکہ دارالعلوم دیوبند کے لیے نا قابلِ تلافی نقصان ہے۔

انھوں نے بطور نگراں مہتمم ۳۰ سال قبل خدمات شروع کیں تھیں۔ اس کے بعد مستقل مہتمم تا حیات خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کا تعلّق بجنور سے تھا۔ آپ بے شمار زمین جائیداد، باغات کے مالک تھے اس زمانے میں بہت کم زمیندار بچے تھے جن کی زمینیں کسٹوڈین میں جانے سے بچ گئیں۔ اس لحاظ سے بجنور ضلع میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا خاندان خوشحال مانا جاتا ہے ان کو رئیس اعظم بجنور کا بھی لقب حاصل رہا۔ انھوں نے اپنی ۳۰ سالہ خدمات میں دارالعلوم کی ۱۰۰ برس پرانی خستہ حال عمارتوں کو نئی شکل اور نئی عمارتیں، نئے شعبے اور کورسیز شروع کرانے میں اہم کردار نبھایا تا کہ اس عظیم درسگاہ سے فارغ طالب علم دنیاوی تعلیم کے ہم پلّہ اُتر سکے اور روزگار ملنے میں دشواری نہ ہو۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند کو اپنی بے لوث خدمات سے نوازا تھا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کی باگ ڈور ایسے وقت میں سنبھالی تھی جہاں طلباء وملازمین میں گروپ بندی کا دَور دَورہ تھا جس سے آئے دن بغاوت کی آوازیں سنائی پڑتی تھیں لیکن آپ نے اپنے محسن رویہ سے سبھی کو ایک صف میں لاکر ادارہ کی ترقی کے لیے کام کیا۔ انھوں نے اپنے گھر سے دور دارالعلوم دیوبند میں مقیم رہ کر اپنا ایک گھنٹہ بھی ضائع نہیں کیا بلکہ وہ مہتمم کے عہدے کی نہ صرف تنخواہ لیتے تھے بلکہ اس میں اتنی ہی رقم ملا کر اس کو دارالعلوم دیوبند کو عطیہ میں دے دیا کرتے۔ یہاں تک جس کمرے میں وہ رہتے تھے اس کا کرایہ، بجلی کا بل تک ادا کرتے تھے۔ دنیا میں ایسے نیک انسان کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی بے لوث محبت کے ذریعے دنیا کی خدمت کرتے ہوں۔ اچانک ایسی شخصیت کا چلا جانا ملتِ اسلامیہ کے لیے بھاری نقصان مانا جائے گا۔

❑❑

# فضيلة الشيخ مرغوب الرحمٰن في ذمة اللّٰه تعالى

''البعث الاسلامی'' لکنؤ

مع بدء العام الهجرى ١٤٣٢ھ استأثرت رحمة اللّٰه تعالىٰ بفضيلة الشيخ الجليل مرغوب الرحمٰن رئيس الجامعة الإسلامية دارالعلوم ديوبند (الهند) في غرة محرم عام ١٤٣٢ھ الموافق ٨/ من شهر ديسمبر ٢٠١٠م بعد حياة حافلة من الأعمال الجليلة التي أنجزها في حياته، و بخاصة ازدهرت دارالعلوم ديوبند في عهده و تطورت بافتتاح أقسام علمية عديدة و بزيادة عدد الطلاب و المتخرجين منها، كتب له الرحيل إلى الآخرة عن عمر يناهز مأة عام– فإنا للّٰه و إنا إليه راجعون.

شغل الفقيد منصب الرئاسة لهذه المؤسسة التعليمية و التربوية، نحو ثلاثين عاماً، و بذل مجهوداته العلمية والإدارية لتحقيق أهداف دارالعلوم التعليمية والتربوية والدعوية والفكرية، و ضحى في سبيل ذلك من الوقت والمال ما قد يكون منعدم النظير في أوسط المدارس والجامعات الإسلاميه في الوقت الحاضر، مع ما أكرمه اللّٰه تعالىٰ به من غزارة العلم وصلابة الدين و العقيدة، و حلاه بحيلة الورع والتواضع، ولعل ذلك هو العامل الكبير فيما إذا كان محبباً لدى طلبة العلم و معجباً به في الأوساط العلمية و الدينية، جمع اللّٰه تعالى فيه جوانب متعددة من الشخصية الإسلامية التي كانت نموذجا للآخرين و لمن يخلفه في هذه الصفات.

لم تكن وفاته خسارة الجامعة الإسلامية دارالعلوم ديوبند فحسب، بل الواقع أنها كانت خسارةً كبيرةً لجميع المدارس والمراكز والجامعات الإسلامية في الهند و خارجها، و قد أدلى رئيس ندوة العلماء العام سعادة العلامة الشيخ محمد الرابع الحسيني الندوي بياناً فور ماسمع نبأ هذا الحادث فقال: إن القارة الهندية وحتى العالم الإسلامي خسر أحد المشرفين على العلم والدين والمهتمين بقضايا الملة الإسلامية.

كما عُقدت حلفة تعزية في مقر الإدارة لجامعة ندوة العلماء، تحدث فيها هذا العاجز عن شخصية الفقيد (يرحمه اللّٰه) مع بيان خدماته العلمية والدينية، و صموده على هذه الجبهة بكل أمانة و دقة وإخلاص، حتى إنه لم يرض بأخذ أي مقابل مادي إزاء عمله الخالص الذي كان لابتغاء وجه اللّٰه تعالى فقط، بل كان يساعد الجامعة مادياً ويساهم مساهمة فعّالة في سبيل إنجاز مشاريعها الإنشائية كذلك، وقد اتصلنا بنجله الكريم الشيخ أنوار إلهي هاتفياً لتقديم التعازي القلبية إليه راجياً منه الصبر الجميل على هذا الحادث الفاجع، ونحن إذا نعزي جميع أعضاء أسرته و أسرة دارالعلوم ديوبند و جميع أصحاب المدارس والإسلامية التابعة لها ندعواللّٰه سبحانه و تعالى أن يتغمد الفقيد (المغفور له إن شاء اللّٰه) بواسع رحمته و يغفر جميع زلاته و يتقبل أعماله قبولاً حسناً و ينزله منزلاً مباركاً في جنات و نعيم، و يجعله ممن أنعم اللّٰه عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين، و حسن أولئك رفيقاً.

❑❑

# مضامین و مقالات

## حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ

# کیا شخص تھا جو راہِ وفا سے گذر گیا

مولانا حبیب الرحمن قاسمی اعظمی، ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ شہر بجنور محلّہ قاضی پاڑہ کے ایک دینی وعلمی، ذی وجاہت، زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور بڑی فارغ البالی بلکہ تنعم اور امارت وریاست کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی حال میں گزرا تھا۔ آپ کے غالباً رشتہ کے نانا حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ متوفی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء دارالعلوم کے عہد آغاز کے فارغین اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ کے آخری دور کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، بموقع حج بیت اللہ، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا تھا، فن طبابت کے ساتھ علم کلام اور مناظرہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، بڑے باوضع اور اوراد و وظائف کے نہایت پابند تھے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم مشیت اللہ بجنوریؒ متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید اور حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رفیق درس اور یار غار تھے اسی تعلق سے سال میں ایک دو بار حضرت حکیم صاحب کے یہاں ضرور تشریف لاتے تھے، حکیم صاحب مرحوم ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاحیات اس اعزاز سے متصف رہے۔ نیز آپ کے بڑے بھائی مولانا حکیم مطلوب الرحمٰن بجنوری متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ابتدائی زمانۂ صدارت کے تلامذہ میں تھے اور حضرت شیخ سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے عہد آغاز ہی سے دارالعلوم اور اس کے اکابر سے وابستہ اسی متمول خاندان میں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی سن شعور کو پہنچے تو مدرسہ رحیمیہ مدینۃ العلوم جامع مسجد بجنور میں داخل کر دیئے گئے یہ مدرسہ حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب کی وصیت کے مطابق انھیں کے پس ماندہ سرمایہ سے جاری کیا گیا تھا اور آپ کے والد مولانا مشیت اللہ کی زیر سرپرستی تعلیمی خدمات انجام دے رہا تھا۔

جب شرح جامی، شرح وقایہ وغیرہ تک نصاب کی کتابیں یہاں مکمل ہوگئیں تو والد محترم نے ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں آگے کی تعلیم کے لئے دارالعلوم میں داخلہ کرا دیا اور تین سال میں نصاب کی تکمیل کر کے ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور دیگر اساتذہ سے بقیہ کتب حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوگئے، آگے شعبہ افتاء میں داخلہ کا ارادہ تھا مگر شعبان کی تعطیل میں گھر آئے تو بیمار ہوگئے جس کا سلسلہ مہینوں جاری رہا، اس لئے یہ سال اسی کی نذر ہوگیا، صحت یاب ہوجانے کے بعد پھر دارالعلوم حاضر ہوئے شعبہ افتاء میں داخل ہوکر صدر شعبہ حضرت مولانا محمد سہول بھاگلپوری اور مفتی محمد شفیع دیوبندی مفتی اعظم پاکستان وغیرہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور اس سے متعلق کتابیں پڑھیں اور فتویٰ نویسی کے ایک سالہ نصاب کی تکمیل کر کے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں گھر آگئے اور دارالعلوم دیوبند کے وہ اساتذہ جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان کا تذکرہ کثرت سے کیا کرتے، ان اکابر میں سے جن کا نام ذہن میں محفوظ رہ گیا ہے وہ یہ ہیں: حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندی، حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندی، مولانا رسول خاں ہزاروی، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ تعالیٰ، آخر الذکر دونوں بزرگوں سے مشق فتویٰ اور اس سے متعلق کتابوں کا درس لیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم کی ایماء پر اپنی ابتدائی تعلیم گاہ

مدرسہ رحیمیہ مدینۃ العلوم میں تدریسی سلسلہ شروع کر دیا، لیکن یہ زریں سلسلہ تادیر قائم نہ رہ سکا، جائیداد کے انتظام وانصرام اور قومی وملی خدمات نے آپ کو اس قدر مصروف ومشغول بنادیا کہ تدریس کے لئے وقت نہ نکال سکے اس لئے درس وافادہ کے مشغلہ کو مجبوراً ترک کرنا پڑا۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن منتخب ہوئے، اسی سن میں درج ذیل علما ومشاہیر کی رکنیت مجلس شوریٰ کا انتخاب عمل میں آیا۔ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالقادر مالیگانوی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا فضل اللہ شارح ادب المفرد حیدرآبادی، مولانا سید حمیدالدین فیض آبادی شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مجلس شوریٰ میں آپ کی رائے اور مشورے اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، مجلس شوریٰ جب بوقت ضرورت دارالعلوم کے کسی معاملہ میں تحقیق وتفتیش کی غرض سے ذیلی مجلس تشکیل کرتی تو اس میں بطور خاص آپ کو شامل کرتی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے فکر وعمل کے اعتدال واصابت پر مجلس کو پورا اعتماد تھا۔

## بحیثیت مہتمم دارالعلوم میں آمد

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ نے مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۵/رجب ۱۴۰۱ھ میں تقریباً دو صفحے کی ایک تحریر پیش فرمائی اس میں انھوں نے اپنے بارے میں تحریر فرمایا تھا کہ: ''میں کافی ضعیف ہو چکا ہوں، بتقاضائے عمر قویٰ اور اعصاب جواب دیتے جا رہے ہیں، خصوصاً قوتِ سماعت اور قوت حافظہ زیادہ متاثر ہوئی ہے، جس سے بحث وغیرہ کے وقت مسائل کان میں مشکل سے پڑتے ہیں اور جزئیات مستحضر بھی نہیں رہتیں۔''

آگے تحریر فرمایا تھا: ''ان حالات اور وجوہات کی بناء پر میری درخواست ہے کہ داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے اور جوابدہی سے مجھے ہلکا کر دیا جائے۔''

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی اس تحریر کے پیش نظر، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ کو ''مددگار مہتمم'' کے لئے منتخب کیا، جس کی اطلاع حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے انھیں اپنے ایک مکتوب میں بایں الفاظ دی۔

حضرت المحترم المکرّم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب زید مجدکم،

سلام مسنون! نیاز مقرون، مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۵/رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۹۸۱ء نے جناب کو مددگار مہتمم کے عہدہ پر فائز کیا ہے۔ جو ہم سب کے لئے موجب مسرت ہے، امید کہ جناب محترم منظوری کی اطلاع دے کر جو وقت مناسب سمجھیں دفتر اہتمام میں تشریف لاکر اس ذمہ داری کو سنبھالیں اور کام شروع فرمادیں۔

اس وقت کے دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم کے اگست کے شمارہ میں پورا ۴ صفحے کا اداریہ اس شوریٰ کے اجلاس کی کارروائی پر لکھا گیا تھا، جس میں اداریہ نویس لکھتے ہیں:

''مددگار مہتمم کے عہدے پر مجلس شوریٰ کے قدیم رکن حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری فائز کئے گئے جن کا خاندان عزت وشرافت اور ریاست میں عرصہ سے بجنور میں مشہور ہے اور جو خاندان قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ سے بھی وابستہ رہا ہے الخ...''

پھر مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۴/شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۵/اگست ۱۹۸۲ء کے موقع پر حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کا کار اہتمام سے استعفاء آگیا تو مجلس نے آپ کو مستقل مہتمم مقرر کر دیا۔

اس انتخاب پر گرچہ بعض حلقوں سے حیرت واستعجاب کا اظہار ہوا، لیکن جنھیں دارالعلوم دیوبند سے ان کے پشتینی رشتے اور دارالعلوم کے تعلق سے ان کی اب تک کے پس منظر سے واقفیت تھی، مجلس کے اس فیصلہ کو انھوں نے بنظر استحسان دیکھا، اور بعد کے حالات وواقعات نے بھی دنیا پر آشکارا کر دیا کہ یہ فیصلہ بالکل برمحل اور زبان زد مقولہ ''حق بحق دار رسید'' کی سچی تعبیر تھا۔

دارالعلوم کی آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے اس کے سپوت کو جب اپنی مادر علمی کی خدمت کا موقع میسر ہوا تو چشم فلک نے دیکھا کہ اس نے اپنی حیات کی ساری پونجی اس کے قدموں پر نچھاور کر دی اور نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کے لئے اس نے اپنے رئیسانہ آرام و راحت کو خیرباد کہہ کر دارالعلوم کی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کر لی بلکہ اپنے جذبات وخواہشات تک کو اس کے تابع کر دیا، بس بالفاظ مختصر یوں سمجھئے کہ دارالعلوم کے استحکام وارتقاء کا بیقرارانہ جذبہ ان کی روح کی غذاء، اور درد کی دوا بن گیا تھا۔

جس وقت وہ دارالعلوم میں بحیثیت مہتمم آئے اس وقت عمر ستر کے لگ بھگ، لیکن اعصاب وقویٰ نہایت مضبوط تھے اور پورے طور پر صحت مند، چاک وچوبند اور توانا تھے، بالوں کی سپیدی کے علاوہ بڑھاپے کے آثار چہرے بشرے کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہو رہے تھے ان کی یہ ساری توانائی دارالعلوم کی بے لوث خدمت میں کام آگئی۔

معمول یہ تھا کہ نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کر کے سیدھے حجرے میں آجاتے اور قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اس سے فارغ ہو کر

اشراق پڑھتے پھر دیر تک رب کائنات کے آگے ہاتھوں کو پھیلائے عجز و نیاز اور گریہ وزاری میں لگے رہتے، اتنے میں ناشتہ آجاتا، اس سے فارغ ہوکر اگر اس وقت تک اخبار آگیا ہوتا تو اس پر سرسری نظر دوڑا لیتے البتہ اگر کوئی اہم خبر ہوتی تو اسے بغور پڑھتے پھر گھنٹہ بجتے ہی دفتر اہتمام میں پہنچ جاتے، اور بارہ بجے تک پورے انہماک سے دفاتر کے کاغذات کو دیکھتے رہتے، بالخصوص مطبخ اور محاسبی کے جملہ کاغذات روزانہ بالاستیعاب ملاحظہ کرتے تھے، اگر کسی کاغذ کے مشمولات سے متعلق کوئی اشکال ہوتا تو متعلقہ فرد کو طلب کرکے اس کی وضاحت معلوم کرتے، غلطی پر اپنے انداز میں تنبیہ بھی فرماتے، ہفتہ عشرہ میں بذات خود دفتروں میں پہنچ کر کام کرنے والوں اور ان کے کام کی نوعیت کو دیکھتے، اس کی بناء پر سارے کارکن اپنی اپنی نشست پر موجود رہتے کہ نہ جانے کب حضرت مہتمم صاحب آجائیں بطور خاص مطبخ کا معائنہ کثرت سے کرتے تھے کبھی کبھی روٹیوں کو اپنے سامنے وزن کراتے، مصالحہ جات دیکھتے، مقررہ مقدار کے مطابق ساری چیزیں استعمال ہورہی ہیں یا نہیں، بڑی باریک بینی سے ان امور کو دیکھتے اور ضروری ہدایات دیتے۔

گوشت پر بھی پوری نظر رکھتے، جسے بھی اس کا ٹھیکہ دیتے اسے پابند کرتے کہ جانور دارالعلوم ہی کے احاطہ میں دارالعلوم کی جانب سے مقرر نگراں کے سامنے ہی ذبح ہوگا اور نگراں کو یہ ہدایت تھی کہ لاغر اور بوڑھا جانور کبھی بھی ذبح نہ ہو۔

اسی طرح تعمیرات کا بھی معائنہ کرتے رہتے تھے اور موقع بموقع مناسب ہدایات بھی دیتے تھے، غرضیکہ ہر چھوٹی بڑی چیز پر نظر رکھتے۔

غرضیکہ خود فعال ومتحرک تھے اور دارالعلوم کے پورے عملے کو فعال ومتحرک بنادیا تھا، اپنے تیس سالہ دور اہتمام میں جب تک طاقت وقوت نے ساتھ دیا یہی ہمیشہ کا معمول رہا کہ خود کو بھی مصروفِ کار رکھتے اور دیگر کارکنوں کو بھی کام میں لگائے رکھتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ سب کو ساتھ لے کر چلنے کے جذبہ سے اپنے ہم عصروں ہی سے نہیں بلکہ اپنے چھوٹوں کو رائے اور مشورے میں شریک رکھتے تھے، جس سے دارالعلوم کے ماحول میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی، اور اپنے ہی نہیں پرائے بھی اعتراف کرتے تھے کہ حضرت مہتمم صاحب کی حکمت وفراست اور مستعدی وجواں ہمتی نے دارالعلوم کے سارے کارکنوں میں دارالعلوم کی خدمت کا نیا ولولہ اور جوش پیدا کردیا ہے، جدھر دیکھئے ایک حوصلہ بخش سرگرمی ہے، اور دارالعلوم کو اوجِ ثریا پر پہنچادینے کا بے پناہ جذبہ ہے، یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے بڑی خاموشی کے ساتھ دارالعلوم میں ایک ہمہ جہت صالح انقلاب برپا کردیا تھا، اور بغیر کسی تشہیر ونمائش کے تیس سال کی مختصر مدت میں دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ایسے ایسے کارنامے رقم کرگئے جنھیں انجام دینے کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

**عادات واوصاف**

حضرت مہتمم صاحب فہم وفراست، حکمت ودانائی اور زندگی کے وسیع تجربوں کے ساتھ، مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کے نمونہ تھے، ان کی بے نفسی، سبک روی، صلہ رحمی، ایثار اور توازن واعتدال نے انھیں ہر دلعزیز بنا رکھا تھا اور ہر شخص انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مہمان نوازی اور واردین وصادرین کی خاطر ومدارات تو ایسی کرتے تھے جس کی مثال مشکل سے ملے گی، اس مد میں سالانہ اچھی خاصی رقم خرچ ہوجاتی تھی، لیکن انھیں اس میں ایسی لذت ملتی تھی کہ روپے پیسے اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے۔

اس عاجز کو ان کے دسترخوان کی زلہ ربائی کا موقع کثرت سے حاصل ہوا اور اپنا یقین تو یہ ہے کہ پہلے دن جس انبساط اور فراخ دلی کا معاملہ فرمایا تھا آخر تک اس میں کسی کمی کا احساس نہیں ہوا بلکہ صحیح معنوں میں اضافہ ہی ہوا۔

ایک عرصہ کی بات ہے کہ جناب سید حامد صاحب سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی علی گڈھ کا پیغام آیا کہ وہ ایک وفد کے ساتھ دارالعلوم آرہے ہیں یہ وفد ایک خاص مشن کے تحت ملک کے اہم شہروں اور تعلیمی اداروں کے دورہ پر نکلا تھا، جس سے دارالعلوم کو اتفاق نہیں تھا یہ بات محترم سید حامد صاحب اور ان کے رفقاء کو بھی معلوم تھی پھر بھی ان کی مصلحت اسی کی متقاضی تھی کہ وہ دارالعلوم آئیں، چنانچہ حسب پروگرام یہ وفد آیا، نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود حضرت مہتمم صاحب نے وفد کا خیر مقدم کیا، اور ان کی خاطر ومدارات اور ان کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ اس وسیع القلبی سے کیا کہ وفد کے ارکان اس سے بیحد متاثر ہوئے، حتی کہ اس وفد کے ایک رکن جناب مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم نے اپنے ادارہ کے ماہنامہ مجلّہ ''الرشاد'' میں حضرت مہتمم صاحب کے کریمانہ اخلاص سے متعلق اداریہ سپرد قلم کیا جس میں یہ بھی تحریر کیا تھا کہ دیوبند کے اکابر کی تواضع اور بے نفسی کے جو واقعات کتابوں میں پڑھے تھے دیوبند کے اس سفر میں مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم کی شکل میں اس کی زندہ تصویر دیکھ کر آیا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ یہ تصویر پھر دیکھنے کو ملے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کسی شخص کے بارے

میں یہ معلوم کیا کہ انھیں کوئی پہچانتا ہے، مجلس میں ایک صاحب کھڑے ہوئے کہ میں انھیں پہچانتا ہوں، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا تم ان کے پڑوسی ہو؟ انھوں نے کہا نہیں، فرمایا کیا تم نے کبھی ان سے کوئی معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، حضرت فاروق اعظم نے تیسرا سوال فرمایا کہ کیا تم نے کبھی ان کے ساتھ سفر کیا ہے؟ ان صاحب نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا، حضرت نے فرمایا بیٹھ جاؤ تمہیں ان کی معرفت اور پہچان نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو جانچنے اور پرکھنے کی ایک کسوٹی سفر بھی ہے۔ اس لئے کہ سفر میں انسان کے اصل اخلاق نمایاں ہوجاتے ہیں اور تجربہ سے بسا اوقات بہت سے لوگ اس سے مختلف ظاہر ہوتے ہیں جو اپنے مستقر اور جائے قیام پر نظر آتے ہیں۔ اس معیار بھی حضرت مہتمم صاحب کو بلند اخلاق ہی پایا گیا، خود بندہ کو حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ دسیوں مرتبہ مختصر اور طویل سفر کا اتفاق ہوا ان سفروں میں ہم نے اچھی طرح محسوس کیا کہ ان کے حضر وسفر کے سلوک اور برتاؤ میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ سفر میں حضر کی بہ نسبت زیادہ شفیق ومہربان اور منبسط نظر آئے۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ نہایت شفقت اور نوازش کا معاملہ فرماتے تھے، اس بارہ میں وہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ المؤمنين پر کاربند تھے۔ اسی طرح "انزلوا الناس علی منازلهم" پر جس طرح انھیں کاربند پایا ان کے معاصر بزرگوں میں سے کسی اور کو اس اہتمام کے ساتھ اس کی رعایت کرتے نہیں دیکھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں ہر بڑا چھوٹا اپنے طور پر یہی سمجھتا تھا کہ حضرت مہتمم صاحب دوسروں کے بالمقابل اس پر زیادہ مہربان ہیں۔

حضرت والا ایک انسان تھے اور انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، بلاشبہ ان سے بھی تقصیرات کا صدور ہوا ہوگا، رائے اور فیصلے میں غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ اذا غلبت محاسن الرجل علی المساوی لم تذکر المساوی" جب آدمی کی خوبیاں، اس کی خرابیوں پر غالب ہوں تو اس کی خرابیاں بھلادی جاتی ہیں، اور امام شعبی کا بیان ہے کہ اہل عرب کہا کرتے ہیں کہ جس شخص کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں وہ مرد کامل ہے اور اس میں دورائے نہیں ہوسکتی کہ حضرت مہتمم صاحب کے محاسن وفضائل ہی غالب تھے اس لئے بلاشبہ وہ ایک مرد کامل اور بڑے انسان تھے۔

کیا شخص تھا جو راہ وفا سے گزر گیا
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

خدا ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آمین

# عظمتِ دارالعلوم دیوبند

**شاعرِ اسلام سیّد امین گیلانی**

عین حق ہے جو تجھے علم کا دریا کہہ دوں
یہ بھی سچ ہے کہ تجھے گلشنِ تقویٰ کہہ دوں

ایشیا ہے جو انگوٹھی تو پھر اس میں تجھ کو
کیوں نہ میں ایک چمکتا ہوا ہیرا کہہ دوں

جتنے دل والے ہیں وہ تجھ پر شیدا دل سے
کیوں نہ دل والوں کی میں تجھ کو تمنا کہہ دوں

تو نے پیدا کیے محمودؒ و رشیدؒ و انورؒ
زیب دیتا ہے انھیں جس قدر اچھا کہہ دوں

ہاں بجا ہوگا کہ میں تیرے حسین احمدؒ کو
پیکرِ عشق کہوں ، علمِ سراپا کہہ دوں

ہاں ترے اشرفؒ و عثمانیؒ و طیبؒ کو میں
جھوٹ کیا ہوگا ، اگر فخرِ زمانہ کہہ دوں

ایک دوچار جو ہوتے تو گنا دیتا میں
حق ہے یہ ، تجھ کو نوادر کا خزانہ کہہ دوں

بار بار آتا ہے گیلانیؔ کے دل میں کہ تجھے
دلِ افرنگ میں اٹکا ہوا کانٹا کہہ دوں

# مولانا مرغوب الرحمٰنؒ — دارالعلوم کا مردِ دانا و درویش

مولانا نور عالم خلیل امینی، استاذ ادبِ عربی و چیف ایڈیٹر 'الداعی' عربی، دارالعلوم دیوبند

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر، میرِ کارواں کے لیے

شوال ۱۳۹۵ھ کے اوائل اور اکتوبر ۱۹۷۵ء کے اواخر کی بات ہے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں مشہور ۸۵ سالہ جشنِ تعلیمی منعقد ہوا، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اہم ارکانِ شوریٰ کے ساتھ، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت کی۔ سہ روزہ تقریب کے پہلے دن فجر کی نماز کے معاً بعد امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء-۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء) کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلما کی مسجد کے صدر گیٹ پر، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی بار اس طرح ملاقات ہوئی کہ جب راقم نے بڑھ کے دونوں حضرات سے سلام کے بعد مصافحہ کیا، تو حضرت امیرِ شریعتؒ نے حضرت مرحوم سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ مولانا نور عالم قاسمی امینی ہیں، یہاں عربی زبان و ادب کے ہر دل عزیز استاذ ہیں، مولانا علی میاں اِن کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پھر امیرِ شریعتؒ نے اس راقم سے فرمایا: آپ انھیں جانتے ہیں؟ عرض کیا: حضرت! بدقسمتی سے نہیں جانتا۔ فرمایا: یہ دارالعلوم دیوبند کے موقر رکنِ شوریٰ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن ہیں۔ راقم نے عرض کیا: نام تو حضرت کا بار بار سنا ہے، لیکن دید وشنید کی سعادت پہلی بار حاصل ہورہی ہے۔ امیرِ شریعت نے فرمایا: اور میرا اِن کا خصوصی تعلقِ خاطر کا رشتہ ہے، یہ میرے رفیقِ درس بھی رہے تھے، میں اِن کے ہاں بجنور آم کی دعوت کھانے اور دیگر مواقع سے بھی وقتاً فوقتاً مہمانی کرنے جاتا رہتا ہوں۔

حضرت مرحوم سے یہ پہلی ملاقات تھی، چہرے پر معصومیّت، دانائی بھری خاموشی، باوقار شخصیت، بھرا پُرا بدن، کشیدہ قامت، آنکھوں میں انسیت و محبت، سلوک و ادا سے پھوٹتی ہوئی شرافت، انگ انگ سے رستی ہوئی خاکساری و بے نفسی، چال میں متانت، پیشانی پر خاندانی رفعت کی نمایاں لکیریں، ہونٹوں پر پُرسکون تبسّم۔ چناں چہ حضرت امیر شریعت کی ساری گفتگو کے دوران حضرت مرحوم نے صرف معنی ریز مسکراہٹ ہی پر اکتفا فرمایا۔

اِس واقعے کے سات سال بعد ۱۵رشوال ۱۴۰۲ھ-۶راگست ۱۹۸۲ء کو راقم الحروف دارالعلوم میں نئے انتظامیہ کی عمل داری کے بعد، اُس کی مجلس شوریٰ کے حکم کے بہ موجب عربی زَبان و ادب کے اُستاذ اور اُس کے عربی ترجمان ''الداعی'' کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے دارالعلوم وارد ہوا، تو حضرت مرحوم ہی دارالعلوم کے باقاعدہ مہتمم اور اُس کے سیاہ سفید کے مالک کی حیثیت سے برسرِعمل تھے[1]۔ دارالعلوم آمد کے بعد ہی راقم کو سب سے پہلے ''الداعی'' کے اِجرائے نو اور اُس کے پہلے شمارے کی ترتیب و تیاری اور اِشاعت کے لیے، دارالعلوم کے انتظامی عدم ٹھہراؤ اور بند و بستی انتشار کے اُس عہدِ پریشاں میں حضرت مرحوم سے دن میں کئی کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُس صورتِ حال میں جس میں دارالعلوم کا اُن سے نیچے کا ہر اہل کار آشفتہ سا محسوس ہوتا تھا، راقم نے حضرت مرحوم میں سمندر کی گہرائی اور صحرا کا سکون محسوس کیا۔ دارالعلوم میں اُس کے بعد بھی آشفتگی کے کئی دور آئے، جس میں اُس کے بہت سے خُدّ امِ تحیّر کا شکار نظر آئے لیکن اِنصرام و اِنتظام کے اصل مرکز ہونے کے باوجود، اُن پر پریشاں خاطری کا کوئی عالم کبھی طاری نہ ہوا۔ انسان کی عظمت، فکری رفعت، حاضر دماغی اور بیدار مغزی کا اصل جوہر نازک حالات اور کٹھن وقت میں ہی آشکارا ہوتا ہے۔ سطحی انسان جو فکری بلندی سے بے مایہ اور حوصلے سے تہی دامن ہوتا ہے، ایسے وقت میں بسا اوقات حواس کھو بیٹھتا ہے اور پیش آمدہ مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی کارآمد تدبیر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ، ۱۹۸۱ء سے ۲۰۱۰ء (۱۴۰۱ھ سے ۱۴۳۱ھ) تک کم وبیش ۲۹ سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے[2]۔ اُن کی بے پایاں حصول یابیوں اور کارہائے اہتمام میں اُن کی بے حساب کامرانیوں کا سرچشمہ اُن کی نیکی و سادگی، اِخلاص و بے لوثی، دیانت داری و پرہیزگاری، شب بیداری و خوش اوقاتی، جذبۂ احتساب اور دارالعلوم کی خدمت کو ذریعۂ نجات سمجھنے کے ساتھ اُن کا یہ عظیم وصف تھا کہ اُن کے اندر کا انسان بڑا حوصلہ مند، غیر معمولی معنوی طاقتوں (Morale) اور آہنی ارادوں کا حامل تھا۔

راقم کو یاد ہے کہ حکیم الاسلام (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء-۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) جیسے عظیم المرتبہ، عالمی شہرت کے حامل، علم و عمل کی جامعیت میں ممتاز اور انسانی خوبیوں کے سراپا کی جگہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو مہتمم مقرر کیے جانے کو اُس وقت دارالعلوم دیوبند کے اکثر فضلا اور عام پڑھے لکھے لوگ ایک بے جوڑ سی بات محسوس کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ کہتے تھے کہ دارالعلوم کی یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ علمی و عملی پہلو سے غیر معمولی انسان کے بعد اب اُس کی

کشتی کا ناخدا ایک ایسا انسان بنایا گیا ہے جو اُس کے حوالے سے انتہائی ''معمولی'' ہی کہا جائے گا۔ گویا دارالعلوم آسمان سے گرا تو کھجور میں بھی نہیں اٹکا بلکہ زمین پر آرہا۔

انسان عموماً کوتاہ بیں اور ظاہر پرست ہوتا ہے۔ وہ عالم الغیب بھی نہیں ہوتا، اُس پر انسان کی عظمتوں اور کمالات کی پرتیں پرت اُس کی آئندہ زندگی میں ہی کھلتی ہیں اِس لیے وہ اُس کے ماضی اور حال کے اکتسابات کی روشنی ہی میں اُس پر اچھے بُرے ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ حضرت مرحوم نہ صرف یہ کہ تقریر و تحریر کے آدمی نہ تھے بلکہ انتہائی خاموش طبع واقع ہوے تھے، ضرورت کے مطابق اور انتہائی ضرورت کے وقت ہی لب کشا ہوتے تھے۔ درس و تدریس کا بھی کوئی مشغلہ نہیں رہا تھا، جس سے تلامذہ اور مستفیدین کی ایک جماعت بنتی اور حسبِ اِفادہ حسنِ تذکرہ کا ذریعہ ہوتی ہے۔ تقریر تو کجا عام مجلس میں ''مشاق مقرروں'' کی طرح دعائیں بھی روانی سے اور اثرانگیز انداز میں نہیں کرا پاتے تھے اِس لیے شروع کے دو تین برسوں میں تو اور بھی لوگ اُنھیں ''بے زبان'' بلکہ ''بے علم'' اور ''غیرسودمند مہتمم'' تصوّر کرتے تھے۔

لیکن دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی عظمتوں کے پرت کھلنے لگے اور لوگوں کو ماننا پڑا کہ دارالعلوم کے حوالے سے وہ ''وقت کے مطلوبہ آدمی'' ہیں جسے عربی میں "رَجلُ السَّاعَةِ" کہا جاتا ہے۔ بالخصوص اِنتظام و انصرام کے باب میں وہ ایسے ''بے نظیر'' ثابت ہوئے کہ اُن کی وفات کے بعد لوگوں کی زبان پر عام طور پر یہ بات ہے کہ پتا نہیں اب ایسا ''مردِ دانا'' (رجلِ رشید) دارالعلوم کو ملے گا کہ نہیں؟

یہاں یہ ریکارڈ کرنا ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند صلحائے اُمت کے مطابق اِلہامی تعلیم و تربیت گاہ ہے۔ اُس کی بنیاد واقعتاً تقویٰ پر استوار ہوئی ہے، اِسی لیے اُس کو ہر خاص و عام میں عجیب سی محبوبیت و مقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ خدائے کریم نے ہمیشہ اُس کی حفاظت کی ہے، بڑے سے بڑے طوفان میں اُس کی کشتی گرداب میں نہیں پھنسی، نازک سے نازک وقت میں (جو اگر کسی اور عام اِدارے اور تعلیم گاہ پر آتا تو بالیقین اُس کا وجود ختم ہو جاتا) صاف طور پر محسوس ہوا کہ غیبی ہاتھ نے اُس کو ہر طرح کے خطرے سے نکال اور ہر قسم کے ضرر سے بچالیا ہے۔ عروج و زوال کی سُنّتُ اللہ فرد، جماعت اور اِدارے کے ساتھ اپنا اثر دکھاتی رہی ہے اور دکھاتی رہے گی۔ ماضی کے ایسے اصحابِ یقین و عزیمت افراد اب دارالعلوم کو میسر ہیں نہ امت مسلمہ کو لیکن اِس وقت تک دارالعلوم کا ہر طوفان سے بہ خیر و خوبی نکل آنا یہ بتاتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کو ابھی بھی دارالعلوم کا کردار ادا کرتا رہنا منظور ہے اور نمود و نمایش کی پرستاری کے اِس دور میں اور مادیت کے سیلِ بلاخیز کی اِس دنیا میں وہ اُس کو حسبِ سابق محوِ عمل رکھنا چاہتا ہے تا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ عمل اور کردار سے ہی وہ کسی فرد یا جماعت کو سرخ روئی عطا کرتا ہے نہ کہ بات بنانے، شور مچانے اور پروپیگنڈہ کرنے سے۔ اوّل الذکر فرد یا جماعت کو وہ اُسی طرح کی ساحرانہ محبوبیت عطا کرتا ہے جیسی دارالعلوم دیوبند کو اور ثانی الذکر فرد یا جماعت کو سخن بسیار اور ساری کوششوں کے باوجود، خلقِ خدا کے نزدیک کسی لائقِ تذکرہ مقبولیت سے ہم کنار نہیں کرتا۔

اِسی لیے ہمیں یقین ہے کہ دارالعلوم کی خدمت بالخصوص اُس کے اعلیٰ اِنتظامی منصب (اہتمام) کے لیے کسی شخصیت کے انتخاب میں ربِّ کریم کی توفیقِ خاص کارفرما رہتی ہے اور یہ توفیقِ ربّانی اُس کو ہمیشہ صحیح سمت میں چلنے اور غلط سمتوں میں قدم بڑھانے سے بچے رہنے کے لیے راہ نمائی کرتی رہتی ہے۔ بعض دفعہ بہ ظاہر وہ شخصیت ''معمولی'' ہوتی ہے؛ لیکن اللہ پاک اپنی قدرت سے اُس سے بڑے بڑے کام لیتا ہے اور دارالعلوم کو اپنا کردار ادا کرتے رہنے کے لیے جن دیدہ و نادیدہ اور مادی و معنوی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اُس کے ذریعے اُسے مُیَسَّر کراتا رہتا ہے اور "وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ" (الفتح ۴:۷) کی سچائی کے مظاہر سامنے لاتا رہتا ہے۔ انسان اگر بہت باصلاحیت بھی ہو، تو خدا کی توفیق کے بغیر بالکل بے صلاحیت ہوتا ہے اور بے صلاحیت بھی ہو، تو خدا کی توفیق سے بہت باصلاحیت ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسان میں علمی صلاحیت اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی شہرت و عزت و نیک نامی نہیں ہوتی لیکن کسی ذمے داری کے بادلِ ناخواستہ قبول کر لینے کے بعد، اُس میں بے پناہ خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور اِنتظامی سطح پر اُس سے ایسے کارنامے ظہور میں آتے ہیں کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ اسباب کے ذریعے مسبّبات کے ظہور میں آنے کا یقین رکھنے والا ظاہر پرست انسان اُس وقت انگشت بہ دنداں رہ جاتا ہے، جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ بہ ظاہر ''بے ہنر'' نے، ہنرمندی کے اتنے کام کیوں کر انجام دے لیے لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی قدرت علی الاطلاق پر یقین رکھنے والے کو اِس سلسلے میں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کو جس وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب جیسے آسمانِ علم و کمال کے تعاون کے لیے کارگزار مہتمم اور اُن کے مستعفی ہو جانے کے بعد باقاعدہ مہتمم نامزد کیا گیا، اُس وقت کی مجلسِ شوریٰ میں بھی خاصے اہلِ علم و کمال کی کوئی کمی نہ تھی؛ لیکن ارکانِ شوریٰ نے بالاتفاق اِصرار کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اِس منصبِ عالی کے لیے مقرر کیا۔ کردار و عمل کی زمین پر اللہ نے اُن سے جو کام کرائے، اُن سے واضح ہو گیا کہ اِس بڑی ذمے داری کے اِس عہدے کے لیے، اُن کا انتخاب توفیقِ ربّانی کی دین تھا۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو اِنسان کا کردار کرے ہے

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم کی زمام اہتمام ایسے وقت میں سنبھالی جب وہ شدید خلفشار کے طویل دور سے پوری طرح نکل نہیں سکا تھا کیوں کہ اُس کے منفی اثرات کا تسلسل ہنوز باقی تھا۔ ایسے حالات میں سارے انتظامی شعبوں کو از سرِ نو استوار کر کے اُنھیں سرگرمِ سفر کرنا، ملازمین و مدرسین کا اعتماد بحال کرنا اور طلبہ کے اپنے مقصد کی راہ پر محوِ عمل رہنے کا حوصلہ پانے کے لیے، قدرتی فضا بنانا جوئے شیر لانے کا عمل تھا۔ اُنھوں نے اپنی خدا ترسی و شب بیداری، دارالعلوم کے لیے اپنی دل سوزی، اپنے غیر معمولی تدبّر، اپنی عالی حوصلگی، کاروانِ عمل کے ہر فرد کو ساتھ لے کر چلنے کی ہزار خوبیوں کی اپنی جامع خوبی، خاموشی کے ساتھ محض کام کرتے رہنے کی اپنی ہمّت اور ہمہ وقت کی فکر مندی کی وجہ سے، نہ صرف حالات کی نزاکتوں پر قابو پالیا بلکہ سکون و اِطمینان کی ایسی فضا بہ روئے کار لانے میں کام یاب رہے کہ اُن کے کم و بیش تیس سالہ دورِ اہتمام میں پھر کبھی کوئی انتشار رونما نہ ہوا، جس کی وجہ سے دارالعلوم نے تعلیمی و تعمیراتی سطحوں پر لائقِ ذکر ترقی کی۔

تعمیراتی سطح پر تو کہنا چاہیے کہ دارالعلوم کی پہلے کی بہ نسبت تقریباً تین گنی عمارتیں اُنہی کے دور میں تعمیر ہوئیں، دارالعلوم کی مشہور و پرشکوہ و لمبی چوڑی جامع رشید جو فن تعمیر کا شاہ کار ہے، اُنھی کے خلوصِ بے کراں کی دین ہے۔ اعظمی منزل کی سہ منزلہ عمارت، مدرسہ ثانویہ کی عمارت، شیخ الاسلام منزل کے نام سے سہ منزلہ ہاسٹل، حکیم الاُمت منزل کے عنوان سے پرشکوہ درجۂ حفظ کی عمارت جس میں درجۂ حفظ کے طلبہ کی تدریس و رہایش کا بھی انتظام ہے، اساتذہ کے لیے متعدد فیملی کوارٹر، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (سابق مددگار مہتمم و ناظم تعلیمات و استاذ ادب و حدیث ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء-۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء) کے ذریعے دارالاہتمام کا دوسرا ہال اور دائیں بائیں دارالاہتمام میں جانے کے زینے، کتب خانے کے نیچے سے اِحاطۂ دفاتر سے اِحاطۂ کتب خانہ سے ہو کر دار جدید کی طرف جانے کا کشادہ راستہ، کتب خانۂ دارالعلوم کی توسیع، نیز کتب خانے کے لیے دار جدید کی جانبِ غرب میں مستقل مضبوط اور متعدد منزلہ کشادہ عمارت کی تعمیر (جو اب تکمیل کے قریب ہے) اور دار جدید نام کی سب سے بڑی طویل الذیل طلبہ کی رہایش گاہ کی تعمیر نو (جس کا بڑا حصہ مکمل ہو چکا ہے اور باقی زیرِ تعمیر ہے) اسی طرح رواقِ خالد کے دائیں اور بائیں دو مزید ہاسٹلوں کی تعمیر، اِحاطۂ مطبخ میں دارالقرآن کے نام سے کئی کمروں پر مشتمل ہاسٹل، دارالعلوم کی ساری اراضی کی مضبوط اور اونچی فصیل بندی، بہت سی اراضی کی خریداری، جن میں سے بعض پر مذکورہ عمارتوں میں سے بعض عمارتیں تعمیر ہوئیں، بالخصوص محلّہ خانقاہ میں غیر مسلموں کے مکانات کی خرید، جس سے یہ محلّہ ہندو مسلم آمیزش کے خطرے سے پاک ہو گیا اور عام مسلمانوں کو یہ حوصلہ ملا کہ وہ بھی یہاں آبسیں، پانی کی دو بڑی ٹنکیوں کی تعمیر، مہمان خانہ کی تعمیر نو، ایک بڑے جنریٹر کی خرید جس سے پانی کی ٹنکیاں بھی بہ وقت ضرورت بھری جاسکیں اور اسی کے ساتھ ایک چھوٹے جنریٹر کا انتظام جو درس گاہوں اور دفاتر میں بجلی کے منقطع ہونے کی صورت میں (جو دیوبند میں روزمرہ کا معمول ہے) روشنی اور پنکھوں کے چلتے رہنے کو یقینی بناتا ہے، نیز جس کی وجہ سے دارالعلوم میں رات کے بارہ بجے تک بھی بجلی کے غائب ہونے کی صورت میں روشنی کا معقول انتظام رہتا ہے۔ یہ سارے کارنامے اُنھی کے دورِ مسعود میں اور اُنھی کی فکر مندی سے روبہ عمل آئے۔

حضرت مرحوم جب تک صحت مند رہے اور چلنے پھرنے کی طاقت رہی، وہ زیرِ تعمیر عمارتوں کو تقریباً روزانہ ہی کم از کم ایک بار ضرور موقع پر دیکھنے جاتے، وہاں دیر تک کھڑے رہتے، مختلف زاویوں سے اُس کا معائنہ کرتے، موقع پر موجود ٹھیکے دار اور اہم معماروں سے تعمیری پیش رفت پر تبادلۂ خیال کرتے، اپنے طور پر اُنھیں ضروری مشورے دیتے اور عمارت میں کسی جگہ کوئی مفید ترمیم و تنسیخ سمجھ میں آتی تو اُنھیں اُس کی صَلاح دیتے۔ جامع رشید کی تعمیر سے حضرت کو خصوصی دلچسپی تھی، یاد ہے کہ جب اُس کی تعمیر شروع ہوئی، تو اُس کے تعمیراتی دورانیے میں جو سال ہا سال پر محیط رہا، دن میں کئی کئی بار جائے تعمیر پر تشریف لے جاتے، کبھی کبھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ وہاں بیٹھ کے تعمیری عمل کا بہ غور مشاہدہ کرتے۔ اُن دنوں حضرت کی صحت بہت اچھی تھی، تیز رفتاری سے چلتے تھے، اِس لیے دارالعلوم کے اِحاطے میں جہاں بھی کوئی تعمیری سرگرمی جاری ہوتی، وہاں پہنچ کے مشاہدہ کرتے اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا بھی اچانک معائنہ فرمانے تشریف لے جاتے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دارالعلوم کے سارے کاموں سے اِس طرح دلچسپی لیتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اپنے ذاتی کاموں سے بھی اُتنی دلچسپی نہیں ہوتی۔

تعلیمی و ثقافتی سطح پر بہت سے نئے شعبے اُبھرے، معین المدرسین کا نظام استوار ہوا، جو اکابر کے زمانے میں کبھی ہوا کرتا تھا، تخصّص فی الحدیث اور تکمیل العلوم کے شعبے قائم ہوے، عالمی ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس کے بعد دارالعلوم میں مستقل شعبۂ ختم نبوت قائم ہوا، رابطۂ مدارس اسلامیہ کے نام سے ملک گیر تنظیم قائم ہوئی، فرق باطلہ کے رد کے لیے محاضرات کا مستقل نظام روبہ عمل آیا، نیز تحفظ سنت شعبہ اور شعبۂ ردّ عیسائیت قائم ہوئے، شیخ الہند اکیڈمی تازہ دم اور فعّال ہوئی، انگریزی زبان و ادب کے دو سالہ شعبے کا قیام ہوا، جس کے بعد ہی بہت سے مدارس نے طلبۂ مدارسِ عربی کے

لیے، انگریزی تعلیم کا اسی طرح کا نظام اپنے یہاں قائم کرنا شروع کیا، شعبۂ کمپیوٹر وانٹرنیٹ قائم ہوا، جس میں طلبہ کی ٹریننگ کا ایک سالہ نظام زیرِعمل آیا۔ دارالعلوم کے امتحانی نظام میں ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ سالانہ امتحان کے علاوہ مزید دو امتحانات سہ ماہی وششماہی ہوا کرتے تھے لیکن ضیاعِ وقت کے ساتھ ساتھ تقریری ہونے کی وجہ سے اُن سے مطلوبہ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا تھا، لہٰذا صرف دو امتحانات ششماہی اور سالانہ کردیے گئے اور ششماہی کو سالانہ ہی کی طرح باقاعدہ تحریری بنادیا گیا، جس سے طلبہ کی صلاحیت سازی کا عمل زیادہ کارگر اور مفید ثابت ہوا۔ طلبہ کی تعداد حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور میں صرف اٹھارہ سو ہوا کرتی تھی اسے بڑھا کر ساڑھے تین ہزار اور چار ہزار کے قریب کردی گئی، طلبہ کے وظائف میں معقول اضافہ کیا گیا۔ بہت سے شعبوں کے وظائف لائقِ تذکرہ اور ریکارڈ ہیں، طلبہ کے کھانے میں بھی مہینے میں دوبار پھر تین بار بریانی کا انتظام ہوا۔ امتحانات کے زمانے میں ساری درس گاہوں کے کھلے رہنے کا انتظام ہوا، طلبہ کی سیکڑوں ضلعی وصوبائی انجمنوں کو معنوی مدد دی گئی اور اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

مالیہ کی فراہمی کا کارگر اور فعال نظام قائم ہوا اور دارالعلوم کا بجٹ تقریباً ۱۴ کروڑ تک پہنچ گیا، جب کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد حضرت مرحوم کو صرف ساٹھ لاکھ کے بجٹ کا دارالعلوم ملا تھا، حضرت مرحوم کی یہ خوبی رہی کہ جب تک وہ زیادہ ہوش میں اور زیادہ فعّال رہے دارالعلوم کے حساباتِ آمد وصرف کے ایک ایک پرزے کو بہ ذاتِ خود دیکھتے تھے، وہ دارالعلوم کے ملازمین کا بعض دفعہ ایک دو روپے کے اُن مصارف پر مؤاخذہ کرلیتے تھے جنھیں وہ غیر ضروری، بے قاعدہ یا ناروا سمجھتے تھے۔ یہ راقم اہتمام میں جاتا، تو اکثر وہ محاسبی کے رجسٹروں اور آمد وصرف کے واؤچروں کو دیکھتے ہوئے نظر آتے۔ دارالعلوم کے وسیع تر ماحول میں آمد وصرف کو دقتِ نظر سے جانچنے اور مالی شعبے کی شفافیت کو مطلوبہ معیار پر باقی رکھنے کی ذاتی کوشش کرنے کے حوالے سے وہ منفرد شناخت کے حامل مہتمم تھے۔ دارالعلوم کے تعلق سے اُن کی امانت ودیانت بلکہ دارالعلوم کے پیسے کے سلسلے میں انتہائی بخالت ضرب المثل بن گئی تھی۔ ہر چند کہ اُن کی اِس ''بخالت'' سے بعض دفعہ بعض پریشانیاں کھڑی ہوجاتی تھیں لیکن اِس سے دارالعلوم کے تئیں اُن کی غیر معمولی اپنائیت اور قوم کے پیسے کی حد درجہ نگہ داشت کی اُن کی خوبی اُجاگر ہوتی ہے، جو ہر ایک کے لیے لائقِ رشک وقابلِ تقلید تھی۔ دارالعلوم میں آمد وصرف کا نظام بہت بھاری بھرکم ہے، حضرت مرحوم اپنے تئیں سارے چھوٹے بڑے مصارف پر نگاہ رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیتے تھے۔ حضرت مرحوم کی طرح حساب کتاب پر بہ راہِ راست نگاہ رکھنے والا سربراہِ اعلیٰ کسی ادارے کو شاید ہی نصیب ہوا ہوگا۔

حضرت مرحوم کی بہ طور مہتمم کے ایک بڑی شناخت اُس کے لیے ہمہ وقت کی فکرمندی تھی، ایسا لگتا تھا کہ اُنھوں نے اُسی کے غم کو اپنا غم بنالیا ہے۔ دارالعلوم کے لیے سوچنا، اُس کے مسائل کو اوڑھ لینا، اُس کی ضروریات، ترقیات اور اُس کی ہمہ جہت بھلائیوں کے لیے اپنے ذہن میں خاکے مرتب کرتے رہنا، لگتا تھا کہ اُن کی دوا، غذا اور اُن کی راحت و عافیت کا ناگزیر سامان ہے۔ اللہ نے اُنھیں خوش حال پیدا کیا تھا، بڑی زمین جائداد کے مالک تھے، شہر بجنور میں سامانِ راحت سے بھرا پُرا اُن کا محل نما اپنا گھر اور اُن کے گھر کے پاس ہی اُن کے سارے اہلِ خاندان کے مکانات تھے، جہاں اُنھوں نے بچپن سے بڑھاپے تک کی عیش وراحت کی زندگی گزاری تھی لیکن ان سارے اسبابِ راحت کو چھوڑ کر دارالعلوم کی مسجدِ قدیم کے اِحاطے کے ایک بالائی کمرے میں سادہ سی زندگی گزارتے، اپنے مصارف سے تیار کرائے گئے مطبخ کے کھانے پر اکتفا کرتے، بڑھاپے کی کم زوری اور اُس سے پیدا شدہ بہت سے عوارض اور تکالیف کو جھیلتے اور نہ صرف کمرے کا کرایہ ادا کرتے بلکہ دارالعلوم سے کسی طرح کا ادنیٰ سے ادنیٰ فائدہ اٹھانے کا بھی معاوضہ پیش فرماتے۔ اگر کسی مجبوری سے، مہینے دو مہینے بعد گھر جاتے تو وہاں بھی ہر وقت دارالعلوم ہی کی فکر ستاتی رہتی، ٹیلی فون سے، آنے جانے والوں کے ذریعے، یا بہ وقت ضرورت کسی آدمی کو باقاعدہ دارالعلوم بھیج کر دارالعلوم کے احوال اور مسائل سے مکمل طور پر واقف رہنے کی کوشش کرتے۔

زندگی کا تجربہ بتاتا ہے کہ زندگی کا کوئی کام صرف محنت اور سعیِ پیہم سے اُتنا انجام پذیر نہیں ہوتا، جتنا فکرمندی سے، جس کی وجہ سے وہ کام ذہن پر ہمہ وقت مسلط رہتا ہے۔ حضرت مرحوم دارالعلوم کے متعلقہ کاموں کو نہ صرف محنت اور لگن سے انجام دیتے تھے بلکہ اُس کی ساری متعلقہ ذمے داریاں شب وروز کے سارے لمحات میں اُن کے ذہن پر مسلط رہتیں اور ہر وقت وہ اُنھی کے متعلق سوچتے رہتے۔ اُن کی وفات سے صرف ۱۹ دن پہلے کی بات ہے، یعنی شنبہ ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰؍ نومبر ۲۰۱۰ء کی بات ہے کہ راقم دارالعلوم کے دو ایک اساتذہ کے ساتھ، اُن کی ملاقات کو اُن کے دولت کدے، واقع محلّہ قاضی پاڑہ شہر بجنور پہنچا، حضرت سے ملاقات ہوئی، تو مصافحہ اور خیر خیریت معلوم کرنے کے معاً بعد فرمایا کہ دارالعلوم میں قربانی کے کتنے جانور آئے تھے اور یہ کہ اس سلسلے کی کمیٹی ٹھیک سے بن گئی تھی اور پتہ نہیں صحیح ریٹ پر چمڑے کی فروخت ہوئی کہ نہیں؟ راقم کے ساتھ جو اساتذۂ کرام تھے اُن میں سے بعض کمیٹی کے ممبران میں تھے، اُنھوں نے کہا: حضرت چمڑے ماشاءاللہ اچھے ریٹ سے گئے، تو وہ مطمئن ہوگئے۔ ہم لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ صحت کے

اِس عالم میں کہ وہ گھل کر ہڈیوں کا مجموعہ بن گئے ہیں دارالعلوم اور اُس کے مفادات ہی کی اُنھیں لگی ہوئی ہے، اِس حالت میں تو آدمی کو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی، ۱۰۰ سال کا بوڑھا آدمی جو عرصے سے طرح طرح کے امراض اور بڑھاپے کی کم زوریوں اور اُس کے مختلف الاقسام عوارض کا شکار ہے، اُس کو صرف اپنے محبوب اِدارے کی فکر ہے اور کسی اور بات کی نہیں؟ ہم لوگوں کو بہت خوشی ہوئی کہ اللہ پاک نے اِس عمر میں بھی اُن کے ذہن اور حافظے کی کارکردگی کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے اور اُن کا دماغ مکمل طور پر اپنا کام کر رہا ہے، ورنہ اِس عمر اور اتنے امراض کی حالت میں آدمی کا ذہن کلاًّ یا جزءًا کام نہیں کرتا۔ یہ اُن کی دین داری اور تقویٰ شعاری کی برکت تھی اور اپنے خاندان کے عظیم بزرگوں کی نیکیوں کی جو دارالعلوم کے دیرینہ خادم اور سچے بہی خواہ رہے تھے۔

دارالعلوم میں قربانی کے مسئلے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دونوں کی نمازیں نہیں پڑھ سکا اور یہ کہتے ہوئے اُن کی آواز بھرّا گئی اور وہ آب دیدہ ہوگئے۔ ہم لوگوں نے اُنھیں تسلّی دی کہ حضرت! آپ کی نیت چوں کہ نماز پڑھنے کی تھی اور آپ میں اس کی سکت نہ تھی، اِس لیے آپ کو نماز کا ثواب مل گیا، اِن شاءاللہ آپ کا رب آپ کو محروم نہ کرے گا، آپ خاطر جمع رکھیں کہ آپ کو ثواب مل چکا۔ یہ سن کر اُن کے چہرے پر ایک چمک سی نمودار ہوئی اور وہ قدرے مطمئن سے نظر آئے۔

حضرت مرحوم کو دارالعلوم کی عالمی شہرت کو مزید وسعت دینے، بالخصوص عالمِ عرب کے علما و مفکرین سے رابطہ رکھنے سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ وہ جب تک صحت مند رہے راقم کو تاکید کرتے رہے کہ عرب ممالک کے سفارت خانوں کو رمضان المبارک عیدالفطر و عیدالاضحیٰ اور اُن ممالک کے قومی دن کے موقع سے تہنیتی خطوط ضرور روانہ کیے جائیں، وہ دلچسپی کے ساتھ راقم سے خطوط تیار کرواتے اور اُنھیں ٹائپ کروا کے روانہ کرنے کا حکم فرماتے۔ سعودی عرب، کویت اور عرب اِمارات وغیرہ کے اہم علما کو بھی اِس موقع سے مبارک بادی کے خطوط روانہ کرنے کا اہتمام کرتے۔ راقم کو ۱۴۰۴ھ کے شعبان میں دارالعلوم کی طرف سے بہ طورِ خاص سعودی عرب کے علما، اہلِ صحافت اور پڑھے لکھے طبقے سے ملنے کے لیے سعودی عرب بھیجا۔ اِس سلسلے میں راقم سے جو کچھ بن پڑا اُس نے کیا۔ حضرت مرحوم ان سے وہاں قیام کے دوران فون اور خطوط کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہے۔

راقم کے نام جب بھی عالم عربی سے کوئی دعوت نامہ کسی کانفرنس یا کسی تقریب میں شرکت کا ملتا، حضرت مرحوم سے جب اُس کا تذکرہ کیا جاتا، تو سفر کے تعلّق سے بہت دلچسپی لیتے اور جو سہولت اُن کے بس میں ہوتی، اُس کے فراہم کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ دارالعلوم کے اساتذہ بیرونِ ملک، بالخصوص عالم عرب کا سفر موقع بہ موقع ضرور کریں تاکہ دارالعلوم کا بیرونی ممالک سے رابطہ مضبوط ہو اور وہاں کے لوگ اُس کے کام اور نام سے اچھی طرح واقف ہوں۔

حضرت کی اِسی دلچسپی کے پیشِ نظر، اُن کی شدید کبر سنی میں جب سعودی عرب کی طرف سے حج کا دعوت نامہ، اُن کے نام آیا اور رابطہ عالمِ اسلامی کی طرف سے ایک سے زائد بار اُس کی بعض اہم کانفرنسوں میں، اُس کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی کی طرف سے اُنھیں بہ اصرار مدعو کیا گیا اور اُنھوں نے اپنے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے عذر کرنا چاہا، تو اِس راقم آثم نے، اُن کی ہمت بڑھائی اور بہ عجلت اور بہ کثرت وہاں کے متعلقہ ذمے داروں سے رابطہ کر کے اُن کے سفر کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ اللہ کے فضل سے حضرت کو، اُن اسفار کے لیے آمادہ ہوجانے کی ہمت ہوئی اور اپنے فرزند برادر مکرم مولانا انوارالرحمٰن صاحب قاسمی کی رفاقت میں اُن کے یہ اسفار ہوئے، اِس سلسلے میں اگر کسی مقالے اور تحریر کی ضرورت محسوس کی گئی تو راقم کو اُسے بھی تیار کرنے اور حضرت کی بے پناہ دعاؤں اور اُن کی خوش نودی و مسرت کے حصول کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ کم گو تھے، اِس لیے زبان سے تو زیادہ کچھ نہ کہتے تھے لیکن ایسے موقع سے اُن کی خوشی اور راقم کے لیے دعاؤں کی لکیریں اُن کے چہرے پر، وہ واضح طور پر پڑھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی خاموشی ہزاروں گویائیوں پر بھاری لگتی تھی۔ وہ ایسے مواقع سے واپسی پر کوئی خاص تحفہ راقم کے لیے ضرور لاتے اور اُس کی اپنے پاس حاضری کے وقت بہ ذاتِ خود اُس کو پیش فرماتے یا کسی خادم کے ذریعے اُس کی رہائش گاہ پر بڑے اہتمام سے بھجواتے۔

حضرت مرحوم کم گو اور خاموش مزاج تھے لیکن نہ صرف امتِ مسلمہ؛ بلکہ عالمی مسائل پر اخبار نویسوں، نامہ نگاروں اور ٹیلی وژن کے مختلف چینلوں کے نمایندوں کو (جو ملک کا سب سے بڑا اور تاریخی اسلامی ادارہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم کثرت سے آتے رہتے ہیں) بہت جچا تلا اور بصیرت مندانہ جواب دیتے تھے، جس سے جہاں امتِ مسلمہ کے تئیں اُن کی دل سوزی و فکر مندی کا اندازہ ہوتا تھا وہیں عالمی حالات و واقعات سے اُن کی آگاہی اور صحیح صورتحال کی اُن کی جان کاری کا بھی پتا چلتا تھا۔ وہ اخبارات کا پابندی سے مطالعہ کرتے اور ہندی مسلمانوں، نیز عالم کے تمام مسلمانوں کے مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ یہ راقم جب اُن کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا اور صبح کا وقت ہوتا تو عموماً وہ اخبار کے اوراق کھولے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے محو مطالعہ ہوتے، راقم سلام کرتا تو اخبار ہاتھ سے ڈال دیتے اور مختلف داخلی و خارجی

اور ملکی وعالمی بالخصوص اسلامی مسائل اور حالات پر تبادلۂ خیال کرنے لگتے۔

حضرت مرحوم خاصے مردم شناس تھے۔ دارالعلوم کے ویسے تو سارے اساتذہ کا بڑا احترام کرتے تھے لیکن جن اساتذہ کو وہ دارالعلوم کے لیے دور رس فوائد کا حامل اور اپنے تجربے، استقرا اور ذہنی مطالعے کی روشنی میں سچا خیر خواہ سمجھتے تھے، اُن کے ساتھ احترام ومحبت کا خصوصی معاملہ کرتے تھے۔ اِس سلسلے میں اُن کے ذہن میں خانے بنے ہوئے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کو اُسی خانے میں رکھتے تھے جو اُنھوں نے اُس کے لیے متعین کیا ہوتا تھا اور اُسی ''درجہ بندی'' کے اعتبار سے وہ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ تیس سالہ اہتمام کے طویل دورانیے کے دوران، اُنھیں بہ خوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ اُن میں سے کس کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرنا چاہیے۔ اِسی لیے اُن میں سے ہر ایک اور عام اساتذہ وملازمین، اُن سے میرے علم ومطالعے کے مطابق ہمیشہ خوش رہے یا کم ازکم ناراضگی اور دل شکنی کا شکار نہ ہوئے۔

راقم بھی سمجھتا ہے کہ وہ پورے خلوص سے، اُس کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے، اسی لیے اُس کے ساتھ بہت شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ وہ بہت شرمندہ ہوتا تھا جب وہ آم کی سالانہ دعوت کے موقع پر شکر کی اُس کی بیماری کی وجہ سے، اُس کی غیر حاضری کو نوٹ کرتے ہوئے، اُس کی رہائش گاہ پر طرح طرح کے آموں کا ایک دو کارٹون ضرور بھیجواتے۔ اُس کے بعد جب بھی پہلی مرتبہ حاضر ہوتا، فرماتے آپ نے کوئی آم چکھا کہ نہیں؟ اُن کی دل جوئی کے لیے کہتا: حضرت فلاں تخمی آم ناچیز نے چوسا ہے بہت مزے دار تھا، یہ سن کر بہت خوش ہوتے۔ اِسی طرح پرَوَل (ایک قسم کی ترکاری) کے موسم میں وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ بہت سارا پرَوَل لاتے اور خاصی مقدار میں راقم کے پاس بھیجواتے کیوں کہ حضرت کو معلوم تھا کہ اُس کو پرول بہت پسند ہے اور اُس کے علاقہ بہار میں وہ کثرت سے ہوتا ہے اور اہم ترین سبزیوں میں شمار ہوتا ہے۔ بجنور میں گنگا کے کنارے چوں کہ کچھ اہلِ بنگال غیر مسلم آبسے ہیں اس لیے اب وہ اُس کی کھیتی کرنے لگے ہیں اور وہاں وہ اپنے موسم میں بہ کثرت ملنے لگا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوا کہ بعض مسائل میں راقم کو حضرت سے شکایت ہوئی اور اُس نے اُن سے اُس کا برملا اظہار بھی کیا لیکن حضرت کو اُس سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی نہ حضرت نے اُس کا اُس سے اِظہار کیا، نہ راقم سے کبھی اپنی کسی ناگواری کی طرف اِشارہ کیا۔ جب بھی ملا وہ بہت انبساط وفرحت سے کھل کے ملے اور ایسا لگا کہ وہ راقم کی آمد کے انتظار میں تھے۔ اللہ اُنھیں بہت نوازے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اُن کے اِخلاص کی برکت سے دارالعلوم کو ہر خرخشے سے محفوظ رکھے۔

راقم کو چوں کہ اکثر تلوے میں یا پاؤں کی کسی انگلی میں شکر کے مرض کی وجہ سے زخم رہا کرتا ہے، اِس لیے جب بھی حضرت سے ملا، حضرت نے ضرور معلوم کیا کہ آپ کا زخم اِس وقت مندمل ہے؟ اگر راقم عرض کرتا کہ زخم مندمل نہیں ہوسکا، تو آہستہ آواز میں شفا کی دعا دیتے اور اگر عرض کرتا کہ الحمدللہ اِس وقت کوئی زخم نہیں ہے تو بہت خوش ہوتے۔

اُن کی کم گوئی کی خو کی وجہ سے یہ ضرور ہوا کہ بعض دفعہ بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ بڑا سے بڑا اور اچھے سے اچھا کام کرلو لیکن مہتمم صاحب تعریف نہیں کرتے ہیں، وہ کبھی حوصلہ نہیں بڑھاتے نہ ماشاءاللہ یا ''واہ'' کا لفظ ادا فرماتے ہیں، بس مہر بہ لب رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے راقم ہمیشہ یہ کہتا کہ آپ اُن کے چہرے کو پڑھا کیجیے، وہ خوش ہوتے ہیں، تو اُن کا چہرہ دمک اٹھتا ہے اور خوشی کی لکیریں اُن کے چہرے پر نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں، اُن کی کم گوئی اُنھیں لب کشا ہونے سے مانع رکھتی ہے۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ ڈانٹنے اور جھڑکنے کی جگہ پر بھی وہ کسی کو ڈانٹتے ہیں نہ اُس سے سخت کلامی کرتے ہیں لیکن اچھے بُرے انسانوں کے ساتھ وہ الگ الگ معاملہ کرتے ہیں اور وہ انسانوں اور اُن کے کاموں کی بہ خوبی شناخت رکھتے ہیں۔ تیس سالہ دورِ اہتمام میں اُنھوں نے کسی سے سخت کلامی کی نہ کسی سے اُن کی بدزبانی کبھی ریکارڈ کی گئی۔ وہ طویل العمری اور انتہائی پیرانہ سالی کے باوجود جھنجھلاتے بھی نہ تھے، ورنہ اُن سے کم عمر کے سن رسیدہ لوگ بھی عموماً ''بے صبرے'' ہوجاتے ہیں اور اُن کا پیمانۂ صبر جلد چھلکنے لگتا ہے۔ غصہ آنا، خفا ہوجانا، بات بات پر جھڑکنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا بوڑھے لوگوں کی شناخت ہی ہوتی ہے لیکن بہت بوڑھے اور ساتھ ہی کم زور اور بیمار ہونے کے باوجود حضرت کی یہ خوبی رہی کہ وہ صحت مند انسانوں سے زیادہ متحمل مزاج رہے۔ ہر طرح کے انسانوں کو برداشت کرنے کی اُن کی ایسی خو میں نے بہت کم بڑوں میں دیکھی ہے اور جن میں دیکھی ہے وہ بہت بڑے تھے، حضرت مرحوم بھی اُنھی میں سے ایک تھے۔ وہ چھوٹے بڑے اور اچھے بُرے ہر ایک سے اِس طرح پیش آتے تھے کہ اُس کو لگتا تھا مہتمم صاحب اُسی کو زیادہ چاہتے ہیں، گویا اُن کا موقف یہ تھا:

چلو کہ ہنس کے گلے لگائیں کانٹوں کو
کہ صرف پھول ہی پروردۂ بہار نہیں

صبر وتحمل اُن کی زندگی میں بہت بڑے قدر کی حیثیت رکھتا تھا، کہنا چاہیے کہ زندگی کے اکثر معرکے اُنھوں نے اِسی سے فتح کیے۔ بعض دفعہ بعض لوگوں نے اُن کے ساتھ سخت کلامی یا اُن کے خلاف سخت نگاری کی لیکن اُنھوں نے

اس کا جواب صبر وتحمل اور سکوتِ محض سے دیا۔ بہت سے لوگوں کو اُن کی طرف سے اُن لوگوں پر سخت غصّہ آیا، جنھوں نے اُن کے ساتھ ناروا رویّہ اختیار کیا اور اُن کے ساتھ درشت گوئی کی یا درشت نگاری کی لیکن خود اُنھیں کچھ بھی نہیں آیا کیوں کہ وہ اپنا انتقام لینے کے لیے پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ دیانتاً جو سمجھتے تھے وہی کرتے تھے، اپنا معاملہ اللہ سے درست رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اِسی لیے دارالعلوم کو اُن سے جو فیض پہنچا، اُس کی ابتدائے منزل میں کسی کو توقع نہ تھی اور دنیا سے اِس حال میں گئے کہ اب لوگوں کو اندیشہ ہے کہ اکتسابات اور فیضان کا یہ تسلسل باقی رہے گا کہ نہیں کیوں کہ نفس کشی اور ناپسندیدگی اور مکروہات کا ایسا بلانوش نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہوتا ہے:

منزل پہ مجھ کو دیکھ کے حیراں تو سب ہوئے
لیکن کسی نے پاؤں کے چھالے نہیں دیکھے

وہ دارالعلوم کے معاملات میں بھی اِسی لیے بہ عجلت کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے کیوں کہ عجلت پسندی، جذباتیت، سریع الانفعالی سے وہ ناآشنائے محض تھے۔ بہت خوشی اور بہت غم کی وجہ سے بہت زیادہ مثبت اور منفی طور پر متاثّر ہوجانا اور اُس مثبت اور منفی تاثر کے نتیجے میں کوئی کام کرگزرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ رائے، فکر اور سوچ کو بھی اُسی طرح پکاتے تھے، جس طرح دیر میں اور بہ مشکل گلنے والی چیز کو تادیر اور کئی زاویوں سے پکایا جاتا ہے۔ اِس کی وجہ سے بعض دفعہ وہ اُن باتوں کے لیے بھی بہ عجلت فیصلہ نہیں لے پاتے تھے، جن کے حوالے سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ معمولی چیزیں ہیں اور اِنھیں تو مہتمم صاحب کو ضرور ہی کرلینا چاہیے۔ لوگوں کے نزدیک اُن باتوں میں دیر کرنے سے نقصان کا پہلو متصوّر رہتا تھا لیکن حضرت کے نزدیک خسارے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا کیوں کہ اُن کا اِیمان تھا کہ جو کام بھی بہت سوچ سمجھ کے کیا جائے، اُس میں کسی نقصان کا کوئی اِحتمال نہیں ہوتا، سارا نقصان اُن کاموں میں ہوتا ہے جو بہ عجلت اور بے سوچے کرلیا جاتا ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ مہتمم صاحب کی درازیِ عمر میں جہاں اُن کی نیکی، خدا کی حکمت اور دارالعلوم کے لیے، اُن سے تادیر کام لینے کی سعادت سے اُنھیں بہرہ ور کیے رہنے کی اُس کی مشیت کا دخل تھا، وہیں اُن کی یہ خوبی بھی ظاہری سبب کے درجے میں کارفرما رہی کہ وہ بڑے نازک سے نازک وقت میں بہ عجلت اور بار بار متاثر ہونے کے مریض نہیں تھے۔ جہاں وہ بڑے دماغ کے انسان تھے وہیں وہ بڑے مضبوط اعصاب کے آدمی بھی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ شروع سے ہی علم وتدریس کو اپنا مشغلہ بناتے، تو شاید وہ بڑے دانش ور وبصیرت مند وبصیرت افروز مدرس ہوتے اور اُن کے علم وفکر کے نتائج بہت کارآمد اور اُن سے استفادہ کرنے والے طلبہ گہری سوچ، سنجیدہ رائے اور دانش مندانہ غور وفکر کے حامل ہوتے اور خود اُن کی خاموشی گویائی میں تبدیل ہوکر، علم وفکر کے موتی رولنے میں مددگار رہتی اور اُمت اور ملت کے لیے بڑے فائدے کا ضامن ہوتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت مہمان نواز تھے۔ مہمان نوازوں کا تناسب انسانی معاشرے میں بہت زیادہ نہیں، تو بہت کم بھی نہیں ہوتا لیکن اصل چیز جو ایک مہمان نواز کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے وہ مہمان نوازی کا سلیقہ اور مہمان نوازی کی قدروں اور آداب پر کاربند رہنے کی توفیق ہے۔ حضرت مہتمم صاحب پرانے زمین دار تھے، شرافت نسبی کے بھی حامل تھے کہ وہ صدیقی النسب تھے، وہ خلقتاً حلیم وکریم وشریف تھے، سخاوت وکرم گستری اُنھیں موروثی طور پر حصّے میں ملی تھی، رکھ رکھاؤ اور روایات وتہذیب کے آدمی تھے، سیر چشمی وکشادہ دلی اور فیاضی سے اُن کا خمیر اٹھا تھا، عالی حوصلگی ہمیشہ اُن کے ہم رکاب رہتی تھی اور میز بانی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے اسباب بھی اللہ نے اُن کے لیے مہیا کر رکھے تھے کہ مادّی وسائل کی بھی کمی نہ تھی (اللہ پاک اپنے فضلِ خاص سے، اُن کے پس ماندگان کے لیے بھی یہ وسائل افزودگی کے ساتھ باقی رکھے) پھر یہ کہ انھوں نے اپنے سلف کو میز بانی کے سارے آداب برتتے ہوئے دیکھا اور سیکھا تھا اِس لیے وہ صحیح معنی میں مہمان نواز تھے۔ وہ دسترخوان پر بیٹھے سارے مہمانوں تک دسترخوان کے سارے مشمولات کے پہنچنے کو یقینی بناتے، ڈھکی ہوئی روٹیوں میں سے گرم گرم روٹیاں ہر ایک کی طرف اپنے ہاتھ سے بڑھاتے، ہر ایک کی پلیٹ میں ہر طرح کے سالن اپنے سے ڈالنے کی کوشش کرتے، مہمانوں کا کھانے کے دوران ''حوصلہ'' بڑھاتے کہ خود بھی آہستہ آہستہ آخر تک اُن کے ساتھ کچھ نہ کچھ لیتے رہتے اور زبان سے بھی اور ماکولات لینے کے لیے اُن پر زور ڈالتے۔ پھر یہ کہ ہر طرح کی چیزیں دسترخوان پر وافر مقدار میں ہوتیں، جس سے مہمانوں کا ''حوصلہ'' کھانے کے لیے از خود مہمیز ہوتا، دسترخوان کا ماحول ایسا تشکیل دیتے کہ کسی مہمان کو کھانے میں تکلف ہوتا نہ شرمندگی ہوتی۔ بہت سے ''مہمان نواز'' دسترخوان پر ساری چیزیں چن کے مہمانوں کو دسترخوان پر بٹھادیتے ہیں اور کھانے کے لیے ذرا بھی ترغیب وتشویق کا رویّہ نہیں اپناتے، جیسے اُن کا اصلی مقصد کھانوں اور برتنوں کی نمائش تھی جو ہوچکی، اب مہمان کچھ لیں یا نہ لیں، اُن کی بلا سے۔

اُن کی مشہور آم کی سالانہ دعوت، جس میں اساتذہ واَعیانِ شہر اور سرکاری اہل کاروں کی ایک تعداد بھی شرکت کرتی تھی، ہی اُن کی پہچان نہ تھی بلکہ اُن کی اصل شناخت اُن کا وہ دسترخوانِ ضیافت تھا جو وقفے وقفے سے اُن کے دارالعلوم والے کمرے میں اور تقریباً ہمہ روز اُن کے گھر پر بچھا کرتا تھا۔

مہتمم صاحب طلبہ اور عام واردین وزائرین سے، جن کی دارالعلوم میں کثرت رہتی ہے اور جن میں عموماً ناخواندہ اور بے سلیقہ لوگ ہی زیادہ ہوتے ہیں، بڑی شفقت اور کھلے پن سے ملتے تھے۔ بعض دفعہ تبلیغی جماعت کا کوئی بڑا وفد دفترِ اہتمام میں آ گھستا کبھی کبھی اس میں ۱۰۰-۵۰ آدمی بھی ہوتے، ہر ایک اُن سے سلام ومصافحے کا خواہش مند ہوتا، مہتمم صاحب بڑے تحمل اور بردباری وخوش اخلاقی سے ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے اور مصافحہ کرتے، اِسی طرح بعض دفعہ دارالعلوم یا کسی اور جگہ کے طلبہ کا وفد اُن کے پاس اچانک آجاتا اور ہر ایک سلام ومصافحہ کرتا اور آپ ذرا بھی برا نہ مانتے، خواہ کتنے ہی ضروری کام میں لگے ہوں لیکن کسی سے بھی کام کے بیچ میں ہی خوش دلی سے مل لیتے۔ طلبۂ دارالعلوم میں سے کوئی بھی دفترِ اہتمام میں بہ راہ راست اُن کے پاس آجاتا اور اپنے کسی ضروری کاغذ پر دستخط کا خواہش مند ہوتا، تو آپ کبھی بھی تنگ دل نہ ہوتے۔ ایسے موقعوں پر کبھی یہ راقم ہوتا، تو دل ہی دل میں کڑھتا کہ حضرت ہر ایک کو ہر وقت گوارا کر لیتے ہیں، اُن کی جگہ اگر یہ راقم ہوتا تو اِس کے لیے اِس صورتِ حال کو گوارا کرنا مشکل ہوتا، پھر اس کو معاً خیال آتا کہ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دارالعلوم جیسے الہامی ادارے کے منصبِ اہتمام پر بٹھا رکھا ہے نہ کہ راقم جیسے زود رنج کو۔

حضرت مرحوم کو اللہ نے خوش حالی دی تھی، لیکن دارالعلوم کے تیس سالہ دورِ اہتمام میں، اِس راقم نے اُنھیں ٹیپ ٹاپ کی زندگی گزارتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ چاہتے تو اچھے سے اچھا لباس اختیار کر سکتے تھے لیکن اکثر بہت معمولی کپڑے زیبِ تن فرماتے، بعض دفعہ گرمی کے دنوں میں، اِس راقم نے اُن کے سفید کرتوں میں پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے، اُن کے کرتوں کے کالر بعض دفعہ انتہائی بوسیدہ، بلکہ لب کشا نظر آئے۔ سادہ سی دو پلی ٹوپی جو صالحینِ دارالعلوم کا امتیاز رہا ہے استعمال فرماتے، رہایش گاہ میں بھی سادگی تھی، کھڑکیوں پر عام قسم کی بانس کی تیلیوں کی چق پڑی رہتی تھی، منتظمین کے اِصرار کے باوجود بھی اُن میں لوہے یا پلاسٹک کی جالیاں ڈلوانا پسند نہیں فرمایا۔ زمین پر بھی معمولی سا فرش اور ایک پرانی قالین بچھی رہتی تھی، بڑے بڑے مہمانوں، علما، قائدین اور اَتقیا وصالحین کا اپنی اسی معمولی رہایش گاہ میں استقبال کیا اور اُنھیں کبھی کسی خفت کا اِحساس نہ ہوا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ دارالعلوم کے اُن کے اَساتذہ ومشائخ اِس سے بھی معمولی اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اِس سچائی کو جانتے تو ہم سبھی لوگ ہیں لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو کشادگی، خوش حالی وفارغ البالی اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود، عملی طور پر اُن کی سیرت پر گام زن ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے دارالعلوم کے اس عالی مقام منصب کے معیار پر اُترنے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ اِس حد تک اُترے کہ اب ہر ایک کی زبان پر ہے:

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے لبِ ساقی پہ مکرر یہ صلا میرے بعد

حضرت مرحوم ویسے تو کئی سال سے خاصے کم زور تھے، جب سے اُن کے کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، چہرے اور پاؤں پر بھی اکثر ورم رہتا تھا، آنکھوں میں نزولِ آب کی بھی شکایت تھی لیکن اِس کے باوجود وہ دو ایک سال قبل تک بہت پابندی سے دفترِ اہتمام میں صبح وشام کے مکمل دورانیوں میں تشریف لے جاتے اور سارے ضروری کام انجام دیتے تھے۔ زیادہ کم زوری اور معذوری کے بعد جب چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا، دارالعلوم میں اپنے حجرے ہی میں تشریف رکھتے تھے اور دارالعلوم کے کام کے اوقات میں سارے اہل کار اپنے اپنے ضروری کاغذات پر دست خط اور منظوری وہیں جا کے حاصل کر لیتے تھے۔ عرصے سے حضرت کا یہی معمول رہا۔ شعبان ۱۴۳۱ھ کی شوریٰ کے بعد اپنے دولت کدے بجنور تشریف لے گئے، وہاں پھر پھسل گئے اور کولھے کی ہڈیوں میں پھر شدید تکلیف ہو گئی، چلنا پھرنا تو پہلے سے ہی مشکل تھا، اب اُٹھنا بیٹھنا بھی دشوار تھا، خادم کے سہارے اُٹھائے بیٹھائے جاتے تھے، ہڈیوں کا مجموعہ بن گئے تھے۔ ۱۳/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ کو ۱۱ بجے صبح میں ہم چند اساتذۂ دارالعلوم، اُن کی عیادت اور زیارت کو پہنچے، تو حضرت کے صاحب زادے برادرِ مکرم مولانا انوار الرحمٰن قاسمی نے فرمایا: اچھا ہوا کہ آپ مہتمم صاحب سے ملنے آگئے، کل ہی کی بات ہے کہ اُنھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے قربانی کے گوشت اُن سارے لوگوں میں تقسیم کیے کہ نہیں جن میں، میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ پھر فرمایا: مولانا نور عالم اور مفتی سعید صاحب یہاں آئے تھے کہ نہیں؟ میں نے عرض کیا: حضرت! یہ دونوں تو ابھی تک نہیں آئے ہیں، شاید آنے والے ہوں۔

بھائی انوار سے یہ سن کر میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ شاید حضرت کا وقتِ آخر نہ آ پہنچا ہو کیوں کہ موت سے پہلے عموماً آدمی اُن لوگوں کو یاد کرنے لگتا ہے، جن سے کسی طرح کا خصوصی ربط وتعلق اُس کو رہتا ہے۔ راقم کی سعادت کی بات ہے کہ اُن کی موت سے صرف چند روز پہلے وہ اُن سے دنیا کی اِس زندگی میں مل آیا۔

چہار شنبہ یکم محرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو خدا معلوم کیوں راقم کے دل میں شدید تقاضا ہوا کہ شعبان ۱۴۳۱ھ کے بعد کئی ماہ سے دفترِ اہتمام نہیں جا سکا، آج ضرور جاؤں گا، دیکھیں وہاں حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کارگزار مہتمم دارالعلوم کی وفات کے بعدؒ کیسا نقشہ ہے، دونوں نائب مہتمم

حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی اور صدیقِ مکرم مولانا عبدالخالق سنبھلی سے بھی ملاقات ہوجائے گی، بالخصوص آخرالذکر سے کہ وہ ابھی چندروز قبل حج کے سفر سے واپس آئے تھے۔ دفترِ اہتمام میں جھانک کے دیکھا، تو وہاں توقع کے خلاف سنّاٹا تھا، پیش کار صاحب نے بتایا کہ آج دفترِ تعلیمات میں مجلسِ تعلیمی کی میٹنگ ہے، اِس لیے دونوں حضرات وہیں تشریف لے گئے ہیں۔ صبح کے دس بج رہے تھے، پیش کار صاحب کی رائے ہوئی کہ آپ آدھا پون گھنٹہ رک سکتے ہوں، تو دفترِ اہتمام میں تشریف رکھیں، ساڑھے دس بجے کے بعد یا تو یہ دونوں حضرات خود ہی تشریف لے آئیں گے، یا میں اِنھیں آپ کی آمد کی اطلاع دے دوں گا، تو بالضرور آجائیں گے کیوں کہ اُس وقت تک میٹنگ ضرور ختم ہوجائے گی۔ میں اہتمام کے ہال میں دروازے کے پاس دائیں طرف بیٹھ گیا، نہ معلوم کیوں شدید تقاضا ہوا کہ بے کار بیٹھنے کی بہ جائے قرآن پاک کی زبانی تلاوت کروں۔ راقم نے پہلے سورۂ یٰسین شریف پڑھی اور پھر انتہائی لگن سے کئی سو بار لاالٰـہ الا انـت سبـحـانك انـی کـنـت مـن الظالمین ورد کرتا رہا۔ اتنے میں ۱۱بج گئے، تو اُٹھا کہ پیش کار صاحب کو یہ کہہ کر چلا جاؤں کہ اِن دونوں حضرات سے راقم کا سلام کہہ دیجیے گا اور بتادیجیے گا کہ عرصے کے بعد ملاقات کو آیا تھا لیکن اِس سعادت سے محروم رہا کہ اِتنے میں مولانا عبدالخالق سنبھلی دفترِ تعلیمات سے تیزی سے واپس آئے اور بتایا کہ ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ ذرا پہلے حضرت مہتمم صاحب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، وہ دودھ لے رہے تھے کہ اُنھیں اُچھو آیا اوراسی دوران اُنھوں نے آخری سانس لی۔ اُنھوں نے کہا کہ بھائی انوار کی رائے جنازہ یہاں دارالعلوم لانے کی ہورہی ہے لیکن بجنور میں اعزّا اور اہلِ شہر وہیں تدفین کے خواہش مند ہیں۔ بھائی انوار مولانا سیّد ارشد مدنی سے (جو جنوبی افریقہ کے سفر پر ہیں) اور بھائی محمود (مولانا محمود مدنی بن مولانا سیّد اسعد مدنی) اپنے بڑوں سے مشورہ کررہے ہیں، بہ جلد یہ فیصلہ ہوجائے گا کہ تدفین کہاں ہو؟ ہم لوگ اِناللہ پڑھتے ہوئے دفترِ تعلیمات کی طرف چل پڑے کہ بہت سے اساتذہ وہیں تھے، دل نے کہا کہ شاید اسی لیے اِس راقم کو خدائے کریم نے سورۂ یٰسین اور آیت کریمہ پڑھنے کی طرف متوجہ کردیا تھا، کیوں کہ وہی وقت وفات کا وقت تھا۔ اساتذہ کی بڑی تعداد کو شدہ شدہ وفات کی خبر مل گئی اور بہت سے دفترِ تعلیمات میں جمع ہوکے ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگے، بغیر اعلان کے یہ روح فرسا خبر سارے دارالعلوم میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، بہت سے طلبہ بجنور کو روانہ ہونے لگے۔ دارالعلوم کا سارا ماحول غم واندوہ میں ڈوب گیا، ہر ایک کو ایسا لگا کہ وہ یتیم اور بے سہارا ہوگیا ہے۔ دارالعلوم کی فضا اجڑی اجڑی سی محسوس ہونے لگی۔

حضرت مرحوم کو دارالعلوم سے جو عشق تھا، اُس کی خدمت کو عبادت کی طرح جس طرح انجام دیتے تھے، سارے اساتذہ وطلبہ وملازمین سے اُنھیں جو پیار تھا اُس کا کچھ اندازہ آج ہورہا تھا۔

بالآخر بھائی انوار نے بڑوں کے مشورے سے جنازہ دیوبند لانے کا فیصلہ کرلیا، جو دارالعلوم کے تمام اساتذہ وملازمین وطلبہ کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ دارالعلوم میں مائک سے بہ عجلت یہ اِعلان کئی بار دہرایا گیا کہ حضرت مہتمم صاحب مولانا مرغوب الرحمٰن کا انتقال ہوگیا ہے اور شب میں ۹ بجے نماز جنازہ اِحاطۂ مولسری میں ادا کی جائے گی لیکن شدید بھیڑ کی وجہ سے نیز بعض علما اور اہلِ قرابت کے انتظار میں نماز جنازہ ۱۱ بجے شب میں ادا کی جاسکی کیوں کہ عصر کے بعد جنازہ بجنور سے روانہ ہوا اور ۹ بجے شب میں دیوبند پہنچ سکا اس لیے کہ راستے میں ہر جگہ علما واہلِ تعلق نے روک روک کے دیدار کرنے پر اِصرار کیا۔ تقریباً ۵۰ پچاس ہزار علما وطلبہ واہلِ شہر نے نمازِ جنازہ وتدفین میں شرکت کی۔ دارالحدیث دونوں طرف کی درسگاہیں، اِحاطۂ مولسری، اِحاطۂ باغ، اِحاطۂ مطبخ، اِحاطۂ دفاتر، صدر گیٹ کے آگے کا میدان صدسالہ بلڈنگ تک، دفترِ تعلیمات کے سامنے کی چھت دفترِ اہتمام تک؛ کھچاکھچ بھری ہوئی تھی، اِس راقم نے اور کئی اساتذہ اور ملازمین نے بالائی منزل پر دفترِ اہتمام کی گیلری میں نماز میں شرکت کی۔ ٹھیک ۱۲بجے شب میں تدفین سے فراغت ہوئی۔

نماز جنازہ اور تدفین میں اساتذہ وطلبہ کی محبت وعقیدت دیدنی تھی، ہر ایک ذوق وشوق اور غم والم کے شدید جذبات سے مغلوب نظر آرہا تھا۔ نماز جنازہ برادر مکرم مولانا انوارالرحمٰن قاسمی نے پڑھائی، اِس سے قبل بجنور شہر کی عیدگاہ میں بہت بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی، جس کی امامت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مولانا مفتی شبیر احمد صاحب نے کی۔

صبح کو ساڑھے آٹھ بجے دارالعلوم کی حضرت مرحوم کی تعمیر کردہ پرشکوہ مسجدِ رشید کے کشادہ ہال میں دارالعلوم کی طرف سے تعزیتی جلسہ ہوا، مسجد اپنی کشادگی کے باوجود مکمل طور پر بھری ہوئی تھی، اساتذہ اور کئی ارکانِ شوریٰ نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ کئی اساتذہ وارکانِ شوریٰ اپنی تقریر کے دوران روپڑے اور اُن کی آواز شکستہ وغم آلود ہوجانے کی وجہ سے ناصاف ہوگئی۔ دوسرے روز اہلِ شہر نے دارالعلوم کے مدرسہ ثانویہ کے میدان میں ایک بڑا جلسۂ تعزیت منعقد کیا، دیوبند کے دیگر سارے مکاتب ومدارس میں یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ ملک وبیرون ملک کے مدارسِ اسلامیہ میں ہر جگہ بالخصوص مغربی یوپی کے مدارس ومکاتب وجامعات میں بڑے بڑے تعزیتی جلسے ہوئے، بعض فضلائے دارالعلوم نے عین نمازِ جنازہ اور تدفین

کے وقت مکۂ مکرمہ پہنچ کر عمرہ اور طواف کیا، بعض فضلا نے جنازہ قبر میں اتارے جانے کے وقت ملتزم سے چمٹ کر، حضرت کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ ملک کے بہت سے مسلم وغیر مسلم قائدین واہل سیاست وحکومت بالخصوص مسلم جماعتوں اور اِداروں کے ذمے داروں نے، دارالعلوم پہنچ کر، دارالعلوم کے موجودہ ذمے داروں سے تعزیت کی اور اپنے اپنے رنج وغم کا اِظہار کیا۔

بٹا ہوا بدن، باوقار پیکر، دراز قد، بڑا سا سر، کشادہ پیشانی، گھنیریں بھویں، داڑھی کے بال کچھ کم گھنیرے، کھلتا ہوا گندمی رنگ؛ لمبی اور اونچی ناک، چہرے پر معصومیت، گفتگو میں نرمی اور دھیما پن، برتاؤ میں تہذیب وشائستگی کی تراوش، درویشی، سادگی، سنجیدگی، بردباری، شرافت، رکھ رکھاؤ، عالمانہ متانت، رئیسانہ عظمت اور نسبی برتری کی مورت، فکر وتدبر میں سمندر کی گہرائی، حسنِ اخلاق میں صحرائے ناپیدا کنار کی وسعت، صبر اور خاموشی کا پتلا، ستایش کی تمنّا سے خلقتاً بے نیاز اور صلے کی پرواسے ناآشنائے محض، انتہائی بخالت اور بے پناہ سخاوت کے تضاد کا عجیب وغریب مجموعہ اپنے دسترخوان پر اپنے ذاتی مال کو مہمانوں پر اور وقتِ ضرورت فقیروں، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں پر خرچ کرنے میں ''حاتم طائی'' اور دارالعلوم کے ملی مال کے پیسے پیسے کو بٹور کر رکھنے اور ایک ایک جبّے کو سوچ سمجھ کر خرچ کرنے اور بادلِ ناخواستہ اُس کے صرف کی اِجازت دینے میں ''اَشعب'' سے زیادہ بخیل۔ یعنی اپنی ذات میں ایک انجمن، اپنے بعد اپنے جانشین کی تلاش کے لیے، اپنے بعد والوں کو بہت زیادہ سرگرداں چھوڑ جانے والا مردِ بے بدل۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ وجَعَلَ جنةَ الفردوسِ مَثْوَاهُ.

یہاں پر ایک واقعے کا تذکرہ عبرت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا: کئی سال پہلے (یعنی سہ شنبہ-چہارشنبہ: ۱۱-۱۲ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۳-۲۴ رجولائی ۲۰۰۲ء کی شب میں مغرب کی نماز کے بعد تقریباً سوا سات بجے) کی بات ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم کے ساتھ کسی وجہ سے چند شہریوں نے زدوکوب کا معاملہ کیا، دارالعلوم کے طلبہ کی ایک تعداد نوجوانی کے جوش سے مغلوب ہوگئی اور اُن سے دارالعلوم کے چوراہے کی چند دکانوں کو ذرا بہت نقصان پہنچ گیا، متعلقہ شہریوں کو بہت تکلیف ہوئی اور اُنھوں نے حضرت مرحوم سے بڑھا چڑھا کے اِس معاملے کی شکایت کی، حضرت نے فرمایا کہ آپ تحریری طور پر لکھ کے دیجیے کہ آپ لوگوں کا واقعتاً کتنا اور کیا کیا نقصان ہوا ہے؟ اُنھوں نے مبالغے کے ساتھ نقصانات کا اندازہ تحریراً پیش کیا، تو حضرت نے فرمایا دیکھئے دارالعلوم کو قوم جو چندہ دیتی ہے وہ دارالعلوم کے ضروری مفادات پر خرچ کرنے کے لیے دیتی ہے، یہ حقیر اُس کا امین ہے، اُس میں کوئی خیانت اُس کے لیے جائز نہیں؛ اِس لیے میں دارالعلوم کی رقم سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں کرسکتا۔ آپ لوگ مہینے دو مہینے کا موقع دیجیے کہ میں اپنی زمین کا کوئی حصّہ مناسب قیمت پر فروخت کرکے آپ کے نقصانات کا معاوضہ ادا کرسکوں۔ حضرت کی بات سن کے شہریوں کا وفد آب دیدہ ہوگیا اور اُس نے حضرت سے معافی کی درخواست کی کہ حضرت! ہم لوگوں سے شدید غلطی ہوئی کہ ہم نے آپ کو پریشان کیا اور آپ کے لیے ذہنی اذیت کا باعث بنے۔ ہمیں کوئی معاوضہ نہیں چاہیے۔ دارالعلوم جیسے آپ کا ہے، ویسے ہی ہمارا بھی ہے۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(اکبر الہٰ آبادی)

**حواشی:**

۱ اُس وقت تک گو قانونی حیثیت سے مددگار مہتمم تھے کیوں کہ باقاعدہ مہتمم قانونی طور پر وہ ۲۴-۲۶ رشوال ۱۴۰۲ھ = ۱۵-۱۷ راگست ۱۹۸۲ء کی مجلس شوریٰ میں مقرر کیے گئے لیکن چوں کہ دارالعلوم سے عملی طور پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا عمل دخل کئی ماہ قبل ختم ہو چکا تھا، اِس لیے عملاً حضرت مرحوم ہی دارالعلوم کے با اختیار مہتمم کی حیثیت سے امور اہتمام انجام دے رہے تھے۔

۲ مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۵ ررجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۹۸۱ء نے اُنھیں مددگار مہتمم کے عہدے پر فائز کیا۔ تجویز کا متن حسب ذیل تھا: ''ایجنڈہ (۳) کی دفعہ نمبر ۷ کے تحت دارالعلوم کے انتظامات کو اُستوار اور مضبوط کرنے کی خاطر شوریٰ نے مولانا مرغوب الرحمٰن (رکنِ شوریٰ) کو مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب کو، نائب مہتمم کی خالی شدہ جگہ پر، نائب مہتمم مقرر کیا اور یہ بھی طے کیا کہ مولانا محمد عثمان صاحب کو نیابتِ اہتمام کے منصب کی تنخواہ دی جائے''۔

مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۲۰-۲۱ رربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۷-۱۸ رجنوری ۱۹۸۲ء نے اُنھیں مہتمم کے اختیارات کے ساتھ مددگار مہتمم کے عہدے پر سرگرمِ عمل رہنے کی ہدایت دی۔ تجویز کا متن مندرجۂ ذیل تھا: ''تجویز (۲) ضمن (ج) یہ کہ ۱۹ رجنوری ۱۹۸۲ء سے اِس وقت تک کی تحقیقاتی کمیٹی کی بنیاد پر مجلس شوریٰ کوئی فیصلہ کرلے، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مددگار (ورکنگ) مہتمم، جملہ فرائض واختیاراتِ مہتمم مندرجہ دستور اساسی وتجاویز مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند، بحیثیت مہتمم انجام دیتے رہیں گے''۔

شوال ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ، جب منصبِ اہتمام سے مستعفی ہوگئے، تو مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۲۴-۲۶ رشوال ۱۴۰۲ھ-۱۵-۱۷ راگست ۱۹۸۲ء، بہ مقام مسلم مسافر خانہ نزد چار باغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو باقاعدہ مہتمم مقرر کیا، تجویز کا متن یہ تھا:

''تجویز نمبر ۳ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے تحت شوریٰ مولانا محمد طیب صاحب کا استعفا قبول کرتی ہے اور اُن کی جگہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مستقل مہتمم مقرر کرتی ہے۔''

۳ حضرت مرحوم کی وفات کا سانحہ بہ روز چہارشنبہ: یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ ردسمبر ۲۰۱۰ء کو ساڑھے دس بجے صبح پیش آیا۔

۴ حضرت مرحوم کا سنہ ولادت ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ ہے اور وفات یکم محرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ ردسمبر ۲۰۱۰ء ہے اس لیے سنۂ عیسوی کے اعتبار سے آپ کی عمر ۹۶ سال اور سنہ ہجری کے اعتبار سے کم وبیش ۱۰۰ سال ہوتی ہے۔

۵ حضرت مولانا کی وفات دارالعلوم کے مہمان خانے میں، جہاں دارالعلوم آمد کے وقت اُن کا قیام رہتا تھا، بہ روز جمعہ سوا پانچ بجے شام: ۲۷ رشوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۸ را کتوبر ۲۰۱۰ء کو ہوا۔ ۸ بجے شب میں اُن کی نمازِ جنازہ اُن کے صاحب زادے مولانا نظام الدین نے پڑھائی، جنازے میں تقریباً تیس ہزار علما وطلبہ وباشندگان شہر نے شرکت کی، ۱۰ ربجے شب میں مقبرۂ قاسمیہ میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

# مرغوبِ رحمٰن آغوشِ رحمت میں

مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو ملتِ اسلامیہ ہند کے سروں سے ایک سایہ دار درخت ہٹ گیا، جس کی فرحت بخش اور پُرسکون چھاؤں سے یہ ملت گذشتہ ۳۰ ؍سال سے برابر فیض یاب ہورہی تھی، دارالعلوم دیوبند اگر بجا طور پر ملتِ اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل کہلائے جانے کے لائق ہے تو حضرت امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ بلا شبہ اس دارالعلوم کے دل کی حیثیت رکھتے تھے، جس طرح خود ان کا دل دارالعلوم کے ساتھ دھڑکتا تھا، اسی طرح دارالعلوم کی ہر نقل وحرکت ان کے اشاروں کی رہینِ منّت تھی، سوسال کے قریب عمر، ضعف و پیری بدن کے رگ وریشے سے ظاہر اور اس کے ساتھ اتنے عظیم ادارے۔ جو بجائے خود ایک بڑی حکومت کے قائم مقام ہے، پر مکمل کنٹرول، اور اس کی جزئیات پر نظر، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور حضرت موصوفؒ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

**بلند مقام**: عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آدمی کے علمی مشاغل، اصلاحی دورے، تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد کے مشاغل میں اس کو عنداللہ وعندالناس بلندی عطا کرتے ہیں، لیکن یہ خیال علی الاطلاق درست نہیں، اللہ کی نظر میں ایسے مشاغل کی بھی بہت اہمیت ہے جس کے نتیجے میں خیر کے کام کرنے والوں کو مناسب اور بہتر ماحول عطا ہوسکے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سات طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں اوّل نمبر پر ''الملک العادل'' (عادل حکمراں) کو رکھا گیا ہے۔ (مسلم شریف) کیونکہ جہاں حکومت کا نظام عادلانہ ہوگا وہاں خیر کی ترقی کے لیے مناسب اور حوصلہ افزاء ماحول بھی ضرور میسر ہوگا اور ایسا عادل بادشاہ بڑے بڑے نجی عبادت گزاروں سے آخرت میں سبقت سے لے جائے گا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کرنے والے سپاہی کو راتوں رات عبادت کرنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی پہرے داری کی بدولت ہی ملک کے لوگ چین کی نیند سوتے ہیں اور بعافیت اعمال خیر انجام دیتے ہیں۔

تقریباً اسی طرح کا حال ان اداروں کا ہے جو خدمت دین میں مشغول ہیں کہ اگر ان کو چلانے والے منتظمین عدل وانصاف، دیانت وامانت اور حسن تدبیر کے ساتھ نظام کو چلائیں گے تو اس ادارے میں جو بھی امور خیر ان کے دورِ اقتدار میں انجام پائیں گے ان سب کے اجر وثواب میں منتظمین کا بھی حصہ ہوگا، کیونکہ اگر وہ ماحول فراہم نہ کرتے تو بظاہر اسباب ان امور کا انجام پانا مشکل ہوتا۔

اس اعتبار سے جب ہم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دور اہتمام پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کا مقام نہایت قابلِ رشک اور بلند نظر آتا ہے، کہ ان کے دور میں نہ صرف بالعموم دارالعلوم کا ماحول پُرسکون رہا، بلکہ اسے وہ تعلیمی معیار اور تعمیری ترقی نصیب ہوئی جو اس کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں کبھی نصیب نہ رہی تھی، یقیناً اس دور میں جتنے طلبہ نے دارالعلوم سے اکتسابِ فیض کیا، جتنے خطیب، منصف، محدث، مدرس اور مبلغ تیار ہوئے وہ جب بھی اور جہاں بھی دینی خدمات انجام دیں گے، انشاء اللہ ان کے اجر وثواب میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا بھی حصہ ہوگا کہ ان کے زیر اہتمام انھیں تحصیل علم کا موقع ملا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

**کامیاب اہتمام کا راز**: حضرت مہتمم صاحب کے اہتمام میں جماؤ اور کامیابی کا ایک اہم راز یہ تھا کہ وہ معذوری سے پہلے تک زیادہ وقت دیوبند ہی میں گزارتے تھے، بیرونی اسفار کرنے سے ممکن حد تک معذرت فرماتے تھے اور دفتر اہتمام میں پابندی سے بیٹھ کر تمام کاغذات کا بغور معائنہ، متعلقہ افراد سے باز پرس اور تمام شعبوں پر گہری نظر رکھتے تھے، اور یہ بھی اطلاع ملی کہ ان کی طرف سے کچھ ایسے افراد مقرر تھے جو ہر شعبہ کے بارے میں مثبت یا منفی رپورٹ خفیہ طور پر براہِ راست انھیں پہنچاتے رہتے تھے، جس کی بنا پر ملازمین پر حضرت موصوف کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ کئی سال کی بات ہے ایک مرتبہ دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ: ''بڑا اچھا ہوا کہ مجھے تقریر نہیں آتی ورنہ لوگ کھینچے کھینچے پھرتے اور دارالعلوم کا نظام خراب ہوجاتا۔'' حضرت کی یہ بات بالکل درست تھی، کیونکہ کوئی بھی نظام اس وقت تک مضبوط نہیں رہ سکتا جب تک کہ خود منتظم موجود رہ کر بذاتِ خود نگرانی نہ کرے۔

**حضرت فدائے ملتؒ کی طرف سے مضبوط پشت پناہی**:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو نازک حالات میں سب سے زیادہ سہارا دینے والی شخصیت فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی مبارک ذات تھی، ۳۰ ؍سالہ دور اہتمام میں کئی ایسے فتنوں نے سر ابھارنے کی کوشش کی کہ دارالعلوم لرز کر رہ گیا، اور ہمدردانِ دارالعلوم کے دلوں میں طرح طرح کے خدشات اُبھرنے لگے، لیکن حضرت فدائے ملتؒ کی ''فتنہ شکن'' بلند وبالا شخصیت اور ان کی بے مثال عزیمت وحمیت کا رُعب ایسا تھا کہ سب فتنوں کو در کنار کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحبؒ کی پر بصیرت قیادت میں دارالعلوم شاہ راہِ ترقی پر گامزن رہا۔ یہی وجہ تھی کہ آج سے چار سال قبل حضرت فدائے ملتؒ کی

وفات کے صدمہ نے حضرت مہتمم صاحبؒ کو مزید نڈھال کر دیا تھا، حضرت مہتمم صاحب نے فدائے ملتؒ پر تعزیتی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات ہم سب کے لیے بہت بڑا اندوہ ناک سانحہ ہے، بحران کے وقت میں دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری کا بار میرے کاندھوں پر رکھ دیا گیا، مالی اعتبار سے بڑی پریشانی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، جس میں یہ موضوع زیر بحث آیا، انتشار کا وقت تھا، چندہ نہیں ہو رہا تھا، کبھی دس روپے کا منی آرڈر آتا، کبھی بیس روپے کا، حضرت مولانا نے اس بحرانی اور مشکل ترین وقت میں دارالعلوم دیوبند کی بےلوث اور بےنظیر خدمت کی۔ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ مجلسِ شوریٰ میں تشریف لائے اور روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا شوریٰ میں پیش کیا، جس میں دارالعلوم کے ۹؍ماہ کے خرچ کے برابر خطیر رقم تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے فرمایا کہ ایسے بحرانی دور میں اتنی بڑی رقم اتنی کم مدت میں فراہم کر کے پیش کرنا یہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی ہی کا کام ہے، کسی اور کے لیے ممکن نہیں، انھوں نے نظام بہتر کرنے پر پوری توجہ دی، طلبہ عزیز کے معاملات سے خصوصی دلچسپی لی، ان کے وظائف بڑھوائے، ان کے قیام وطعام کا نظم بہتر کرنے پر زور دیا، دارالعلوم میں حضرت کی رحلت سے بڑا زبردست خلا پیدا ہوا ہے۔''

افسوس کہ تعزیت کرنے والا پیکرِ اخلاص وشرافت آج خود مستحقِ تعزیت ہو چکا ہے، اناللّٰہ و اناالیہ راجعون۔

**طبعی شرافت اور دینداری**: حضرت مہتمم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی نجابت کے ساتھ طبعی شرافت اور نرم روی سے بھی سرفراز فرمایا تھا، چھوٹوں کی قدردانی اور حوصلہ افزائی آپ کا خاص وصف تھا۔ احقر کو ۱۹۸۷ء میں آپ کے ساتھ سفرِ حج کا موقع ملا، تو قدم قدم پر آپ کی سادگی، بےنفسی اور شفقت کے نمونے سامنے آتے رہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہم نے اکثر ''مدنی دارالمطالعہ'' کے سالانہ عام جلسوں میں حضرت والا سے صدارت کی درخواست کی تو شروع ہی میں تشریف لے آتے اور دیر رات اخیر جلسہ تک پوری بشاشت کے ساتھ تشریف فرما رہ کر، ہم خدام کی حوصلہ افزائی فرماتے، اکثر آپ ہی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوتا۔ طلبہ کی علمی اور تعمیری سرگرمیوں سے آپ کو دلی مسرت ہوتی تھی، اور ان کی ہر طرح کی سہولت ارزانی کی ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ تقسیم انعامات کے سالانہ جلسہ میں آپ اپنی جیب خاص سے امتیازی نمبر حاصل کرنے والوں کو خطیر رقم کے خصوصی انعامات سے نوازا کرتے تھے۔

آپ نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ اپنے معمولات اور اوراد و وظائف کے نہایت پابند تھے، تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں سے بھی خاص دلچسپی تھی، اہتمام کی ذمہ داری سے قبل بجنور میں رہتے ہوئے جماعت میں وقت بھی لگایا تھا، جس کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کیا کرتے تھے۔ دارالعلوم میں آپ نے طلبہ اور اساتذہ کو متوجہ کرنے کے لیے سالانہ تبلیغی اجتماع کی اجازت مرحمت فرمائی، جس میں ہمارے زمانۂ طالب علمی میں ہر سال داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ تشریف لاتے تھے اور حضرت مہتمم صاحب نہایت دلچسپی سے عمومی وخصوصی اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے اور آج بھی بحمدہٖ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے۔

**زمانہ کے حالات پر نظر**: حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا کے حالات اور بالخصوص مسلمانوں کے ملی مسائل پر بھی گہری نظر رہتی تھی، اور اس بارے میں نہایت احتیاط کے ساتھ دارالعلوم کا موقف اخباری بیانات کے ذریعہ ظاہر فرماتے رہتے تھے، اس بارے میں آپ کا رویہ ہمیشہ دارالعلوم کے مشرب و مزاج کے مطابق اعتدال اور میانہ روی کا رہا، آپ نے فرقہ پرستوں کی طرف سے موقع بموقع دارالعلوم دیوبند کے خلاف کی جانے والی ریشہ دوانیوں کا بہت معقول انداز میں مقابلہ کیا، اور جب ہر طرف سے منصوبہ بند طریقہ پر عالمی پریس میں مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگایا جانے لگا اور اس بارے میں خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند اور دیوبندی مکتبہ فکر کو نشانہ بنانے کی ناپاک مہم چلی تو آپ کی سرپرستی اور قیادت میں دارالعلوم دیوبند سے ''دہشت گردی'' کے خلاف ایک مضبوط آواز اٹھی، جو پوری دنیا میں نہایت سنجیدگی سے سنی گئی اور اس کی بازگشت نے کتنے ہی ذہنوں کو صاف کرنے اور مسلمانوں کے خلاف کتنی ہی سازشوں کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یقیناً یہ آپ کی زندگی کا ایک سنہرا کارنامہ ہے۔

آپ ہندوستان جیسے ممالک میں قومی یکجہتی اور رواداری کے مضبوط حامی تھے اور ہندو اور مسلم فرقہ پرستی دونوں کو ملک وملت کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے اور اپنی نجی مجالس اور بیانات میں وقتاً فوقتاً اس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ آپ نے دارالعلوم کی زیارت کے لیے آنے والی مختلف الفکر سیاسی، سماجی، اور مذہبی شخصیات کا کھلے دل سے استقبال کیا، لیکن دارالعلوم دیوبند کو ہر طرح کی سیاسی وابستگی سے پوری طرح محفوظ رکھا، یہ آپ کی بصیرت اور عاقبت اندیشی کا عظیم مظہر تھا۔ جمعیۃ علماء ہند سے تاعمر آپ کی وابستگی رہی اور دینی فرض سمجھ کر اس کے پروگراموں میں شرکت فرماتے رہے اور حسبِ موقع اس کے تعاون وتائید سے کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

۱۳۹۵ھ سے آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلسِ شوریٰ کے مؤقر رکن تھے، گویا ۳۶؍سال اس ادارہ سے وابستگی رہی، آپ حسبِ موقع مجلسِ شوریٰ میں تشریف لا کر سرپرستی فرماتے، اور ویسے بھی مدرسہ کے بارے میں فکرمند اور باخبر رہتے تھے۔ آپ ''ندائے شاہی'' کا باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے تھے اور ملاقات پر حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرماتے تھے۔ الغرض آپ بہت سی خوبیوں کے جامع اور سلف صالحین کے جانشین تھے، آپ کی کمی قدم قدم پر محسوس کی جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بےحد بلند فرمائیں اور آپ کی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، آمین۔ □□

# میرِ کارواں

## حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب رحؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد سلمان بجنوری، استاذ دارالعلوم دیوبند

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء بدھ کا دن جب ملتِ اسلامیہ کی متاعِ گراں مایہ دارالعلوم دیوبند (قیام ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ) کی عمر کے ۱۴۹ سال پورے ہونے میں صرف ۱۴ دن باقی تھے، صبح تقریباً پونے گیارہ بجے یہ خبر بجلی بن کر گری کہ تھوڑی دیر پہلے یہ کاروانِ علم وعمل اپنے سالار سے محروم ہوگیا، یعنی امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی حیاتِ مبارکہ کا صد سالہ سفر پورا کرکے حقیقی منزل سے ہمکنار ہوگئے اور ہم سے قیامت تک کے لیے جدا ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس دنیا میں موت کسی کی بھی غیر متوقع نہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ عمر کی جس منزل میں تھے، اس کے پیشِ نظر تو یہ حادثہ اور بھی قرین قیاس تھا، لیکن جس طرح وہ حیات کے آخری سالوں تک برسرِ کار اور سرگرم عمل رہے، اور اب بھی عام ضعف کو چھوڑ کر تقریباً معمول ہی کی زندگی گزار رہے تھے، اس کو دیکھتے ہوئے ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ ابھی چلے جائیں گے، اس لیے حادثۂ وفات اچانک سا ہی محسوس ہوا اور ذہن ودماغ کو زبردست جھٹکا لگا، فوراً دل کی یہ دعاء زبان پر آئی کہ: اے اللہ حضرت کی مغفرت فرما، ان کے درجات بلند فرما، دارالعلوم کے لیے خیر وخوبی مقدر فرما اور تمام شرور وفتن سے دارالعلوم کی اور ہم سب کی حفاظت فرما۔ آمین۔

اسی کے ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ ناواقف لوگوں کی سمجھ میں کیسے آئے گا کہ آج ہم کس عظیم شخصیت کے سائے سے محروم ہوگئے؟ اسلاف کی کیسی یادگار ہمارے درمیان سے اُٹھ گئی؟ اخلاص وللّٰہیت کا کیسا نمونہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا؟ شاید تاریخ کے صفحات اسی طرح بدلتے ہیں، بلکہ پیچھے مڑکر غور کیا تو محسوس ہوا کہ یہ شمسی سال ۲۰۱۰ء دارالعلوم کے لیے عام الحزن بن گیا ہے، سب سے پہلے فروری میں استاذ الاساتذہ محدث جلیل حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے داغِ مفارقت دیا، اس کے بعد ۸؍اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم کے دوسرے لائق ومقبول منتظم، اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب نوراللہ مرقدہٗ کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند کا حادثۂ وفات پیش آیا اور اب ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو میرِ کارواں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ رخصت ہوگئے، گویا بساط ہی الٹ گئی:

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ یہ دارالعلوم ملتِ اسلامیہ کے لیے ربِ کائنات کی نعمت اور عظیم امانت ہے، وہی اس کشتی کا اصل چلانے والا ہے، جب تک اس کو اس سے کام لینا منظور ہے، وہ اس کے لیے مخلص خدام منتخب کرتا رہے گا اور اس کی حفاظت فرمائے گا۔ (انشاءاللہ)

حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی وفات پر تاثرات اور اظہارِ تعزیت کا طویل سلسلہ شروع ہوا جواب تک جاری ہے، تقریباً ایک ہفتہ تک تو اخبارات کا سب سے مفصل موضوع یہی رہا، کون سا ایسا قابلِ ذکر ادارہ، تنظیم یا شخصیت ہے، جس نے رنج وغم کا اظہار نہ کیا ہو؟ ہر طرف سے خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا ہے، اور ہر شخص اپنی اپنی معلومات کے مطابق ان کے اوصاف حسنہ کو یاد کررہا ہے۔

احقر نے دارالعلوم کی سترہ سالہ مدت تدریس کے دوران اور اس سے پہلے بھی چند سال حضرت کو قریب سے دیکھا، اس طویل عرصہ میں ان کے بے شمار اوصاف وکمالات سامنے آئے، طبیعت نے مختلف انداز سے ان کی شخصیت کا تاثر قبول کیا، اور نگاہوں نے ان کے بہت سے کارہائے نمایاں کا مشاہدہ کیا، اس مختصر تحریر میں ان سب کا خلاصہ پیش کرنا بھی مشکل ہے، جو کچھ بروقت ذہن میں آرہا ہے اس کا اجمال پیشِ خدمت ہے، اگر اللہ نے توفیق دی تو کسی وقت تفصیل بھی عرض کی جائے گی، تاکہ آئندہ زمانے میں خدمت دین کے میدان میں قدم رکھنے والی نسلوں کے لیے ایک عظیم نمونہ محفوظ ہوجائے اور وہ ان کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے:

کیا لوگ تھے کہ راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جب کوئی بات کی جاتی ہے یا لکھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو ان کے جو اوصاف سب سے پہلے ذہن ودماغ سے زبان یا قلم کی طرف منتقل ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان میں سب

سے نمایاں وصف ان کی دیانت وامانت ہے۔

**دیانت و امانت:**

یہ حضرتؒ کی حیاتِ مبارکہ کا سب سے جلی عنوان ہے، جو ان کی طبیعت کا حصہ تھا، اور جس کے لیے ان کو کسی غور وفکر یا ارادہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بلکہ ان کا ہر عمل دیانت کے دائرہ کا پابند ہوتا تھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فارغ البالی عطاء فرمائی تھی اور وہ خاندانی رئیس اور صاحبِ جائداد تھے، لیکن کیا اغنیاء کا طبقہ حرصِ دنیا سے خالی ہوتا ہے؟ کیا اہلِ دولت وثروت کو ہر ممکن طریقہ سے اپنی دولت میں اضافہ کی فکر نہیں ہوتی؟ کیا یہ طبقہ حصولِ مال وزر کے کسی حاصل شدہ موقع کو چھوڑ سکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ سوچئے کہ کیا ایسی آمدنی یا ایسا پیسہ جو اپنا حق ہو یا شرعی اعتبار سے لینا قطعاً جائز ہو، اس کو چھوڑنے کی کسی سے بھی اس زمانے میں توقع کی جاتی ہے؟ ان تمام حقائق کو مدِّنظر رکھ کر دیانت وامانت اور تقویٰ واحتیاط کے اس معیار کو چند مثالوں کے ذریعہ ملاحظہ فرمائیے جو اس دور میں حضرتؒ نے قائم کیا۔

(۱) یہ حقیقت اب عام طور پر دنیا کے سامنے آچکی ہے کہ حضرتؒ نے اپنے تیس سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں ہونے دیا، کبھی تنخواہ نہیں لی، کوئی الاؤنس نہیں لیا، کبھی بھی سفر خرچ نہیں لیا، حتیٰ کہ دارالعلوم کے لیے غیر ملکی اسفار بھی کئے اور ان سے دارالعلوم کو عظیم مالی فائدہ بھی پہنچا مگر دارالعلوم سے سفر خرچ لینے کے روادار نہ ہوئے، دارالعلوم کے اندر جس کمرے میں قیام تھا اس کا کرایہ اور بجلی پانی کا بل ہمیشہ باقاعدگی سے اپنی جیب سے ادا کیا، کمرے میں آنے والے تمام مہمانوں کی ضیافت ہمیشہ اپنی جانب سے کی، مطبخ سے اپنا کھانا بنوایا تو ہمیشہ اس کی اجرت اور پورا خرچ دیا، یہاں تک کہ مطبخ کی ایک پیاز بھی اگر اتفاق سے حضرتؒ کے سالن میں ڈال دی گئی تو اس کی قیمت ادا کئے بغیر کھانا نہیں کھایا، حد یہ ہے کہ اگر کمرے کی صفائی دارالعلوم کے ملازمین نے کی تو اس کی اجرت دارالعلوم میں جمع فرمائی، اگر کبھی دارالعلوم کے کام سے ہٹ کر کوئی تحریر لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیے دارالعلوم کا لیٹر پیڈ استعمال نہیں کیا۔

(۲) اپنی ذات کے سلسلہ میں اس غیر معمولی احتیاط کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے پیسہ کا کہیں بھی اور کسی کے ذریعہ بھی غلط استعمال یا اس کے سلسلے میں بے احتیاطی، ان کو برداشت نہیں تھی، اس چیز کے بے شمار لوگ گواہ ہیں کہ وہ فرصت کے اوقات میں سفراء کی رسیدوں کے مثنّے دیکھتے تھے، اگر کسی کارکن کی جانب سے بے احتیاطی کا شبہ ہو جائے تو دارالعلوم کے مفاد کے مطابق کارروائی کرنے میں ان کو کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، سامان کی خریداری کے سلسلے میں بڑی چھان بین فرماتے تھے، اگر کسی بھی شعبے سے متعلق کسی سامان یا مشین یا گاڑی کے پُرزے کی خرابی کی اطلاع دی جاتی اور نئی چیز کی خریداری کی اجازت مانگی جاتی تو وہ پرانی چیز منگا کر خود دیکھتے اور ہر طرح خریداری کی ضرورت کا اطمینان ہونے پر ہی اجازت دیتے ہر وقت ایسی تدابیر سوچتے رہتے تھے کہ دارالعلوم کا پیسہ کم سے کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ کام ہو سکے۔

**زاہدانہ زندگی:**

حضرتؒ کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی درویشانہ اور زاہدانہ زندگی ہے، جن حضرات نے حضرتؒ سے ملاقات کی ہوگی ان کو ان کے سادہ لباس اور انداز واطوار کا مشاہدہ تو ہوا ہی ہوگا، اس کے علاوہ جن حضرات نے ان کا کمرہ دیکھا ہوگا وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان کا کمرہ اپنے معیار اور سہولیات کے اعتبار سے کسی دینی مدرسہ کے ایک عام مدرس کے کمرے سے کسی طرح بھی بہتر نہیں تھا، جبکہ وہ اگر چاہتے تو اپنے ذاتی پیسے سے ہر قسم کی سہولت فراہم کر سکتے تھے۔ گرامی قدر حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب مدظلہ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تعزیتی اجلاس میں سنایا کہ ''ایک بار میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ہمیں معلوم ہے کہ آپ اپنی ذات کے لیے دارالعلوم کا ایک پیسہ بھی صرف نہیں کر سکتے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ نے آپ کو بہت دیا ہے، آپ اپنے پیسہ سے ہر طرح کا انتظام کر سکتے ہیں، لیکن ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنی طرف سے آپ کے کمرے میں کچھ کام کرا دیں اور سہولیات مہیّا کر دیں لیکن حضرتؒ نے اصرار کے باوجود منظور نہیں فرمایا'' چنانچہ وہ کمرہ اب تک ایئر کنڈیشن وغیرہ سے ناآشنا چلا آرہا ہے، یہ بھی ان کی فطری سادگی اور زاہدانہ زندگی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے تقریباً ستّر سال کی عمر میں دارالعلوم کی خدمت کے لیے گھر کی سہولیات کو چھوڑا اور ہمیشہ سادہ کھانے اور سادہ رہائش کے ساتھ طالب علمانہ زندگی گزار دی، اہتمام سنبھالنے کے بعد خود فرمایا کرتے تھے کہ میری طالب علمی کا زمانہ لوٹ آیا۔

**عبادت اور دُعاء کا اہتمام:**

حضرتؒ کی حیات کا ایک جلی عنوان، دعاء ونماز کا اہتمام ہے، جب تک قوت رہی، پابندی کے ساتھ مسجد فوقانی میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، اور یہ منظر تو بے شمار لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ مسجد خالی ہوگئی، لیکن مہتمم دارالعلوم دیوبند دیر تک اپنے رب سے دعاء ومناجات میں مصروف ہیں، یہ تقریباً ہر نماز کے بعد کا معمول تھا، اس کے علاوہ صبح دفتر میں تشریف لانے سے پہلے چار رکعات پڑھنے اور دعاء مانگنے کا ہمیشہ معمول رہا، بلکہ استاذ گرامی حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے میں نے سنا ہے کہ صبح کی چار رکعت پڑھنے کے حضرت جوانی ہی سے پابند تھے، اسی کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جس زمانے میں آپ نہ مہتمم دارالعلوم

تھے، اور نہ عموماً اسفار ہوتے تھے، اس زمانے کے بارے میں حضرتؒ کے گھر کی قریبی مسجد کے باشندوں نے بتایا کہ ہمیں پچیس سال تک اپنی مسجد میں امام رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اس لیے کہ ہمیشہ مولانا مسجد میں ہوتے تھے، وہی نماز پڑھا دیتے تھے، یہ گواہی جو ایک مالدار اور صاحب جائداد شخص کے بارے میں دی جارہی ہے، کس قدر وقیع ہے، اس کا بیان مشکل ہے۔

**تدبر اور اصابت رائے:**

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب تدبر، دانائی، گہرائی، اصابت رائے اور دماغی وذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ غور وفکر کے بعد جو رائے قائم فرماتے تھے، وہ درست ہی ثابت ہوتی تھی، اگر ان کے رفقاء کا ابتداء میں ان کی رائے سے اختلاف بھی ہوتا تو آخر میں وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے تھے کہ رائے انھی کی صحیح تھی، غالباً اسی اصابت رائے اور تدبر و دانائی کے پیشِ نظر ان کو دارالعلوم کی زمام کار اس زمانے میں دی گئی جب مجلسِ شوریٰ میں کبار مشاہیر اور جبال علم موجود تھے اور اسی لیے جب ان کو انتظامی امور میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے تعاون کے لیے ۱۴۰۱ھ میں مددگار مہتمم بنایا گیا، تو حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو خط میں لکھا کہ ''آپ میرے لیے محبوب بھی ہیں، مطلوب بھی ہیں، مرغوب بھی ہیں۔''

یہ اس بات کی تلمیح بھی تھی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سب سے بڑے بھائی کا نام مولانا محبوب الرحمٰن تھا، (جو غالباً حضرت حکیم الاسلامؒ کے ہم سبق تھے) اور منجھلے بھائی کا نام مطلوب الرحمٰن تھا، تیسرے بھائی خود حضرتؒ تھے، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کا یہ مکتوب بجنور میں حضرتؒ کے صاحبزادہ محترم جناب مولانا انوار الرحمٰن صاحب زید مجدہم کے پاس محفوظ ہے۔

**مشورہ کا اہتمام اور دوسروں کی رائے کا احترام:**

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نمایاں صفت جس کا ان کی کامیابیوں میں بنیادی کردار ہے اور جو کسی بھی منتظم کے لیے کامیابی کی کلید ہے، وہ مشورہ کا اہتمام اور دوسروں کی رائے کا احترام ہے، دارالعلوم کے اہم معاملات میں بنیادی مشورہ بلکہ فیصلہ تو مجلس شوریٰ کا ہوتا ہے، جس کا حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہمیشہ احترام ملحوظ رکھا، بلکہ شوریٰ کے نظام کو تقویت پہنچائی اور ایسے اقدامات کیے، جن سے شوریٰ کی اہمیت وحیثیت واضح اور مستحکم ہوئی۔

اس طرح حضرت مہتمم صاحبؒ بنیادی معاملات میں تو مجلسِ شوریٰ کے پابند تھے ہی اور اس کے فیصلوں اور تجاویز کو نافذ کرتے تھے، لیکن روز مرّہ کے معاملات اور ہنگامی امور میں بھی وہ تنہا اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کرتے تھے، بلکہ مشورہ کا اہتمام کرتے تھے، جن حضرات سے وہ مشورہ فرماتے تھے، ان میں حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ، فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات تھے۔ اس کے علاوہ دیگر رفقاء کار سے بھی مشورہ کا ان کا معمول تھا، اور وہ ان کی رائے کا مکمل احترام فرماتے تھے، بلکہ وہ اپنے اہل مشورہ کے اتفاق رائے کے بعد ہی عمل کرتے تھے نیز یہ کہ دارالعلوم کی ترقی کے لیے جو بھی تجویز ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی، اس پر وہ کھلے دل سے غور کرتے، اس کا استقبال فرماتے اور حتی الامکان اس کو نافذ فرماتے تھے۔

**حلم و درگزر اور نرم خوئی:**

یہ بھی حضرت کا ایک نمایاں وصف تھا، جو انتظام کے لیے ضروری ہے کہ حضرتؒ بے شمار ناگوار باتوں کو بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور بالکل نظر انداز فرمادیتے، تنقید برداشت کرتے، کسی سے ذاتی انتقام نہ لیتے اور لوگوں کے ساتھ نرم خوئی کا معاملہ فرماتے، اس چیز نے ان کو اتنے بڑے نظام کے چلانے میں بہت مدد دی اور مختلف ذوق ومزاج کے لوگوں کے ساتھ لے کر چلنا ان کے لیے ممکن ہوا، وہ تمام خدام دارالعلوم کا احترام ملحوظ رکھتے تھے، اسی لیے ضوابط کی پابندی کے مزاج کے باوجود ان سے ملنے میں کارکنوں کو کوئی اُلجھن یا دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی۔

**کبرسنی کے باوجود حاضر دماغی:**

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دارالعلوم کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور حضرتؒ نے جس طرح خاص توفیق الٰہی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا تھا، شاید اسی کی برکت تھی کہ ان کا ذہن ودماغ آخر تک صحیح کام کرتا رہا۔ زندگی کے آخری دو تین سال جسمانی ضعف کے ضرور گزرے اور اس کی وجہ سے وہ تمام جزئیات میں شریک نہیں ہوتے تھے اور نہ اس کی ضرورت تھی کیونکہ حضرات نائبین محترم اس طرح کے کاموں کو بخوبی سنبھالتے ہیں، لیکن تمام اہم معاملات میں ان کا مشورہ ضرور شامل ہوتا تھا اور ان کے ملاحظہ میں جو بھی مسئلہ آتا تھا اس پر ان کا ذہن ودماغ پورا کام کرتا تھا۔

ہم نے گذشتہ چند سالوں میں بارہا دیکھا کہ حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب قدس سرہٗ یا استاذ محترم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور استاذ محترم حضرت مولانا قاری سیّد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم (اپنی نیابت اہتمام کے دوران) اور اب ان کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی مدظلہم بھی تمام اہم جزئیات حضرت مہتمم صاحب قدس سرہٗ کے مشورہ کے بعد طے

فرماتے تھے، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرتؒ کی رائے کے بعد ہی ان حضرات کو پورا اطمینان ہوتا تھا، اسی طرح تعلیمات کے ذمہ داران حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قمرالدین صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم (اپنے اپنے دور نظامت میں) اور اب حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب مدظلہم سب حضرات، حضرت مہتمم صاحبؒ سے اہم معاملات میں رجوع فرماتے اور مشورہ کے بعد عمل فرماتے رہے۔

شاید بہت سے قارئین کے لیے یہ بات باعثِ حیرت ہو کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنی زندگی کی آخری مجلسِ شوریٰ منعقدہ ماہ شعبان ۱۴۳۱ھ میں بھی مکمل شرکت فرمائی اور تمام اہم معاملات کے مشوروں میں شریک رہے، اور اس سے پہلے صفر ۱۴۳۱ھ کی شوریٰ جو ان کی حیات میں بجٹ کی آخری شوریٰ تھی اس میں پیش ہونے والا بجٹ مکمل اپنی نگرانی میں تیار کرایا اور اس کے لیے تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ پہلے سے دارالعلوم میں مسلسل قیام فرمایا، جو لوگ دارالعلوم کے بجٹ اور اس کی تفصیلات کے حجم سے واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام کس قدر دماغی قوت کا متقاضی تھا؟ اور حضرتؒ نے اس کے تقاضے کو پورا کیا اور ابھی وفات سے ڈیڑھ ماہ پہلے ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ میں مجلسِ عاملہ کی میٹنگ بجنور میں حضرتؒ کے دولت کدہ پر ہوئی اور اس میں حضرتؒ نے پورا حصہ لیا۔

خود ذاتی طور پر احقر کو بارہا تجربہ ہوا کہ حضرتؒ کے حکم پر کوئی تحریر لکھی جو بسا اوقات دو تین صفحات اور کبھی کبھی آٹھ دس صفحات پر بھی مشتمل ہوتی، ساری تحریر سننے کے بعد فرماتے کہ اس میں فلاں چیز کا ذکر نہیں ہوسکا، اس کو شامل کردو یا فلاں تعبیر کو بدل کر اس طرح کردو۔ ابھی شعبان ۱۴۳۱ھ کی بات ہے، جبر یہ تعلیم کا بل زیرِ غور تھا، اور اس سے مدارس کے استثناء کا مطالبہ زوروں پر تھا، احقر نے حضرتؒ کے حکم پر اس سلسلہ میں ایک بیان لکھا جو ڈیڑھ صفحہ کا تھا، میں سنانے کے لیے پہنچا تو شوریٰ کی نشست سے فارغ ہوکر تھکے ہوئے تھے، اسی حالت میں سنا اور پورا سن کر فرمایا کہ اس میں مسلمانوں کے دیگر پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا ذکر نہیں آیا، میں نے عرض کیا کہ اشارتاً آ گیا ہے، فرمایا وہ کافی نہیں ہے، صراحت کرو، اور ابھی وفات سے چند دن قبل شعبۂ اوقاف کے ذمہ دار مولانا مرتضیٰ صاحب بجنور حاضر ہوئے اور انھوں نے دارالعلوم کے مختلف اضلاع میں واقع اوقاف کی رپورٹ پیش کی، رپورٹ سن کر فوراً فرمایا کہ اس میں علی گڑھ کا نام نہیں آیا، انھوں نے عرض کیا کہ ابھی وہاں جانا نہیں ہوا، اس قسم کے بے شمار جزئیات ہیں جو اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ خدمت دین کی برکت سے اللہ رب العزت نے ان کو آخر تک ان کمزوریوں سے محفوظ رکھا جو عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہیں۔

یہ چند اوصاف ہیں جو بے تکلف ذہن میں آکر قلم بند ہوتے گئے، ورنہ یہ موضوع اس سے کہیں زیادہ مفصل ہوسکتا ہے، جس کے لیے کسی اور فرصت کی ضرورت ہوگی، اب چند سطور ان ترقیاتی کاموں کے سلسلہ میں جو حضرتؒ کے زیر اہتمام دارالعلوم میں انجام پائے۔

**دارالعلوم شاہ راہِ ترقی پر:**

حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے بے نظیر ترقی کی، جس کا اعتراف آج ہر شخص کرنے پر مجبور ہے، جس وقت حضرتؒ نے ذمہ داری سنبھالی اس وقت طلبہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی، اور بجٹ پچاس لاکھ کے آس پاس تھا، اور آج طلبہ کی تعداد تین ہزار نو سو اور بجٹ چودہ کروڑ سے متجاوز ہے، اس عرصہ میں بہت سے تعلیمی شعبوں کا قیام ہوا اور بیشمار تعمیرات وجود میں آئیں جن کی تفصیلات ایک طویل تحریر کی متقاضی ہیں، اجمال اس طرح ہے۔

**تعلیمی ترقی اور معیار کی بلندی:**

حضرتؒ کے دور اہتمام میں تعلیمی معیار بھی بلند ہوا اور بہت سے شعبے قائم ہوئے، مثلاً شیخ الہند اکیڈمی، تحفظ ختم نبوت، رابطہ مدارسِ عربیہ، تخصص فی الحدیث، شعبۂ محاضرات، شعبۂ ردِّ عیسائیت و ہندوازم، شعبۂ تحفظ سنت، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی زبان وادب، شعبۂ انٹرنیٹ وغیرہ ان تمام شعبوں سے ہر میدان کے رجال کار تیار ہوئے اور ہورہے ہیں، اور دارالعلوم کو ملتِ اسلامیہ کی متاع دین وایمان کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنا کردار صحیح طور پر ادا کرنے میں مدد ملی۔ ان شعبوں میں شیخ الہند اکیڈمی سے علمی وتحقیقی کتابوں کی اشاعت کا بڑا کام ہوا، اور اب تحقیقی کی اشاعت کے علاوہ صحافت وانشاء پردازی کی تربیت کا کام بھی جاری ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے قیام سے مدارس کے ساتھ رابطہ مستحکم ہوا، اسی وقت سے کئی ہزار مدارس رابطہ سے مربوط ہیں، اور اس سے مدارس کے مسائل حل کرنے میں بہت مدد ملی۔

شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے ذریعہ ملک گیر سطح پر فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی ہوئی، ہر جگہ اس کا کامیاب تعاقب ہوا، ختم نبوت کے موضوع پر بہترین کتابیں شائع ہوئیں، اور ہورہی ہیں۔ اسی طرح طلبہ کو اس موضوع پر تربیت دینے کا کام مسلسل چل رہا ہے۔

شعبۂ محاضرات اور تحفظ سنت فرق باطلہ کی تردید کے لیے قائم ہیں، شعبۂ محاضرات کے تحت تکمیلات کے تمام طلبہ کو فرق باطلہ کے بارے میں معلومات کی فراہمی اور ان کے رد کی تربیت دی جاتی ہے۔

شعبۂ ردِّ عیسائیت و ہندوازم کے تحت ان دونوں مذاہب کے بارے میں معلومات، مطالعہ اوران کے ردّ کی تربیت ہورہی ہے۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث کے تحت حدیث کے موضوع پر طلبہ کی تربیت کے علاوہ اعلیٰ تحقیقی کتب کی اشاعت ہورہی ہے، جن کو علمی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل ہوا ہے، اس شعبے کا نصاب خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جو استاذ گرامی حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا تیار کردہ ہے۔

شعبۂ کمپیوٹر اپنے موضوع پر طلبہ کی تربیت کا کام کررہا ہے، شعبۂ انگریزی زبان وادب میں فضلاء کو انگریزی تحریر وتقریر اور ترجمہ کی مشق کرائی جاتی ہے اور وہ بھی اپنی کارکردگی میں نمایاں ہے، ان تمام شعبوں کا تعارف اس تحریر میں ناممکن ہے، بلکہ شاید بعض شعبوں کا نام بھی رہ گیا ہے، لیکن اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کرتا ہوں، اور اب تھوڑا سا ذکر تعمیری ترقیات کا۔

**تعمیری میدان میں پیش رفت:**

حضرت کے دورِ اہتمام میں تعلیمی ترقیات کے ساتھ تعمیرات پر بھی خاص توجہ ہوئی، اور ضرورت کے تحت بے شمار تعمیرات وجود میں آئیں، مثلاً:

(۱) جامع رشید: تقریباً تیرہ ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھنے والی یہ عظیم مسجد مسلمانانِ ہند کے جذبۂ اخلاص، حضرت مہتمم صاحبؒ کی توجہ کی برکت اور اپنے نگرانِ تعمیر حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم کے حسن ذوق کا حسین شاہکار ہے۔

(۲) دارجدید: دارالعلوم کا سب سے وسیع دارالاقامہ جو تعمیرِ نو کا محتاج تھا، اس کا نصف حصہ جو تقریباً ساٹھ کمروں پر مشتمل ہے، حضرت کی وفات سے پہلے تعمیر ہوچکا ہے، باقی حصہ کا منصوبہ تیار ہے۔

(۳) شیخ الہند منزل: یہ وسیع دارالاقامہ تقریباً ستّر کمروں پر مشتمل ہے تین منزلہ ہے۔

(۴) شیخ الاسلام منزل: یہ عظیم الشان سہ منزلہ دارالاقامہ تقریباً ایک سو بیس کمروں پر مشتمل ہے۔

(۵) رواقِ خالد: ایک عظیم دارالاقامہ جس کے درمیانی حصہ کی زیریں منزل پہلے دور میں تعمیر ہوئی تھی، اوراس کے کمروں کی تعداد تیس تھی، حضرتؒ کے دور میں اس کا بالائی حصہ اور دونوں جانب کی تین منزلہ عمارتیں وجود میں آئیں اوراب اس کے کمروں کی تعداد سو سے زائد ہے۔

(۶) حجۃ الاسلام منزل: یہ دومنزلہ عالی شان عمارت چہارم عربی تک کی تعلیم کے لیے تعمیر ہوئی، اس میں بیس سے زائد درسگاہیں اور ایک دفتر ہے۔

(۷) حکیم الامت منزل (دارالقرآن: یہ سہ منزلہ عمارت حفظ وناظرہ کی تعلیم کے علاوہ کئی سو طلبہ کے قیام کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اس میں حفظ و ناظرہ کی بیس بائیس درسگاہوں کے علاوہ طلبہ کے کمرے ہیں۔ (۸) دفتر تعلیمات (۹) عظمت ہسپتال وریلوے کاؤنٹر (۱۰) پانی کی دوٹنکیاں: جن کی مجموعی گنجائش چھ لاکھ لیٹر کی ہے (۱۱) چھتہ مسجد کی بالائی منزل اور برآمدہ (۱۲) اساتذہ اور ملازمین کے بہت سے مکانات وغیرہ اور ایک عظیم تعمیری منصوبہ لائبریری کا جاری ہے جس کی دو منزلیں تکمیل پذیر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سرسری طور پر ذہن میں آجانے والی تعمیرات کا ذکر ہے، ورنہ بہت سی چیزیں یقیناً باقی رہ گئی ہوں گی مختصر یہ کہ دارالعلوم کی موجودہ عمارات میں نصف سے زائد حضرت کے دورِ اہتمام میں تعمیر ہوئی ہیں۔

ان تمام کمالات اور کارناموں کے باوجود نام ونمود سے پرہیز۔

یہ حضرت کی عجیب وغریب خصوصیت ہے جس کو الگ عنوان سے ہی ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس قدر کمالات وخصوصیات اوراس قدر عظیم الشان عملی کارناموں کے ساتھ بلکہ ان سب پر بھاری ان کا یہ وصف ہے کہ انھوں نے کبھی کوئی کام کرکے اس کا پروپیگنڈہ نہیں کیا شہرت یا تعریف کے طالب نہ ہوئے کہیں کسی عمارت پر اپنا نام نہیں لکھوایا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ کہیں میرا نام آئے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس ربِ کائنات کے لیے انھوں نے یہ مخلصانہ خدمات انجام دیں وہ ان سے راضی ہوگا اوران کے نام کو زندہ رکھے گا:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

**خلاصۂ کلام:**

خلاصہ یہ ہے کہ امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی شخصیت اس دور میں حضرات اکابر واسلاف کی یادگار تھی وہ نگہ بلند سخن دل نواز اور جاں پرسوز کے اس رخت سفر سے بہرہ ور تھے جو میرِ کارواں کے لیے درکار رہتا ہے، ان کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل تھے وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو تھے وہ رزم اور بزم دونوں میں پاک دل اور پاک باز تھے، اور اپنی خدمات پر کسی ستائش کی تمنّا یا دنیا میں کسی صلے کی پرواہ سے وہ کوسوں دُور تھے مختصر یہ کہ وہ ان بلند مقام شخصیات میں سے تھے جن کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے

معذرت خواہ ہوں کہ تقریباً ایک نشست میں لکھی جانے والی اس معمولی تحریر میں ان کے اوصاف وکمالات اور کارناموں کا پورا جائزہ نہیں پیش کرسکا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ اس کی تلافی کی توفیق عطا فرمائیں۔ □□

# حضرت مہتمم صاحبؒ ـــــ یادوں، باتوں میں

**مولانا عبدالحمید نعمانی**

جانے والوں کا موجود لوگوں میں ذکرِ خیر کا مطلب کیا ہے اس کے سوا کہ وہ جاتے جاتے رہ گئے ہیں اپنی یادوں اور کارناموں کے ساتھ۔ شخص چلا جائے اور شخصیت رہ جائے تو اسے پوری طرح ختم یا مردہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور واقعہ یہ ہے کہ جو جانے کے بعد بھی کاموں، یادوں اور چرچے میں زندہ رہ جائے، وہ اصلاً زندوں میں شمار ہوتا ہے، اور جس کا کوئی قابلِ ذکر ملک وملت اور کائنات بنانے کی ہدایت سے حاصل شدہ کوئی کارنامہ یا عمل نہیں ہوتا ہے، وہ زندہ رہتے ہوئے بھی مُردوں میں شمار ہوتا، یہ کیسی زندگی ہے، جس پر موت کا گماں ہو اور کبھی موت زندگی سے آگے بڑھ جائے، اور یہ کیسی بانصیب واقبال والی موت ہے کہ جس پر زندگی بھی رشک کرے اور زندگی سے آگے نکل جائے۔

حضرت امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی ان خوش قسمت باقبال عظیم شخصیات کے زمرے میں آتے ہیں، جو جانے کے ساتھ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان رہ گئی ہیں۔ اگرچہ سراپا دانش وبصیرت کو دیگر بزرگوں اور اعاجم رجال کی طرح گنجینۂ گرانمایہ مزارِ قاسمی کی قابلِ رشک مٹی کے حوالے کردیا گیا ہے، تاہم ان کے ذکرِ خیر کی خوشبو فضاؤں، خصوصاً حلقۂ دیوبند میں پھیلی ہوئی ہے اور لکھنے بولنے والے اپنے اپنے ظرف وحیثیت کے مطابق اسے اپنے دل ودماغ کا حصہ بنا کر سرور ولذت حاصل کر رہے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد سے اب تک ان کی شخصیت اور خدمات پر بہتوں نے لکھا بولا اور اب تک لکھا بولا جارہا ہے، لیکن الفاظ تو محدود ہوتے ہیں، معانی اور کردار وعمل کی وہ کس حد تک تصویر کشی کرسکتے ہیں۔ الفاظ وہ سب نہیں بتاسکتے جو ہے، وہ صرف اشارے کرسکتے ہیں، البتہ جس کی شخصیت اور قابلِ تقلید وذکر کردار وعمل نہیں ہوتا، اس کے سلسلے میں الفاظ آگے نکل جاتے ہیں، کیوں کہ جہاں کچھ نہیں ہوتا ہے وہاں کی اطلاع دینے کی کوشش سے ظاہر ہے کہ الفاظ آگے بڑھ جائیں گے، لیکن حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ جیسی شخصیت جس نے دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دانش گاہِ تعلیم وفکر کی سربراہی و اہتمام کا بارِگراں فریضہ انجام دیا ہو، کے معاملے میں الفاظ ہمیشہ پیچھے رہ جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ سو سال کی زندگی اور تیس سال کے فریضۂ اہتمام کے منصبِ جلیل کو کچھ منٹوں اور ایک آدھ گھنٹے میں استعمال ہونے والے الفاظ کہاں تک ماضی سے حال تک کی منظر کشی کرسکتے ہیں، مگر دقت یہ ہے کہ بعد والے لوگ ماضی کی شخصیات کو الفاظ کے بقدر ہی جانتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کا کوئی ایسا تصنیفی کارنامہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کے فکر وذہن تک رسائی حاصل کی جائے اور تحلیل وتبصرہ کرکے بحث وگفتگو کے دائرے کو وسیع اور موازنہ وتجزیہ کرکے فکر وتحریر کی خصوصیات کو بتایا جائے، بلکہ ان کا جو کچھ ہے وہ فہم و بصیرت اور عمل کی صورت میں ہے اور یہ ایسی خوبی ہے جسے متفق علیہ اور مخالف سے مخالف بھی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کا دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور ان کے اکابر ورہنماؤں سے غایت درجے کا تعلق، روایت کی پاسداری، وضع قطع، احتیاط اور دیانت داری زبان زد اور شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ان کی طاقت بھی تھیں اور دارالعلوم کی ترقی اور نیک نامی کا باعث بھی، ورنہ دارالعلوم جیسے عظیم تعلیمی ادارے، جس کے ساتھ بڑی تاریخ، نسبت، نام وکام اور شناخت وابستہ ہے، کے فریضۂ اہتمام کو خیر وخوبی سے انجام دے لینا اتنا آسان نہیں ہے، بڑی جگہ میں چھوٹی کمزوری اور غلطی کو، تاک وتعاقب میں لگے اتنی بڑی بنادیتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے کارنامے اور بڑی شخصیت گم اور ڈوب کر رہ جاتی ہے۔ حضرت امیرالہندؒ نے اپنی شخصیت اور کام میں کوئی ایسا سوراخ تک نہیں ہونے دیا جس سے آگے چل کر ہاتھی بھی پار ہوجائے۔ دارالعلوم دیوبند ایسا سمندر ہے، جس کے ساحل پر موقع موقع پر موسم کے حساب سے طیورِ خوش نظر اور خوش نوا کے ساتھ مختلف سائز کے مگرمچھ بھی دھوپ کھانے کے لیے نکل آتے ہیں، یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل بھوکے پیاسے اور محروم رہ گئے کہ چھوٹا موٹا اور جھوٹا شکار بھی نہیں، لیکن یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ ایسی مضبوط ومحفوظ کشتی میں بیٹھ کر گشت لگاتے تھے جو ساحل سے قدرے دُور اور پانی کی سطح سے اتنی اُونچی تھی کہ کھیون ہار تک کسی مگرمچھ کا منہ ہی نہیں پہنچتا تھا، وہ دُور سے دیکھ تو سکتا ہے، لیکن قریب سے اپنی کامیابی کا کھیل نہیں دِکھا سکتا، البتہ کشتی کے کنارے اور کھیویّا کے نزدیک طیورِ خوش نوا بیٹھ سکتے تھے اور خوبصورت نغمہ سرائی کرسکتے تھے۔ یہ انھیں معلوم تھا کہ کشتی کا مانجھی خوش ذوق اور حسن سے لطف اندوزی کا ایک خاص سلیقہ رکھتا ہے، کھانے کھلانے اور مہمان نوازی کا بھی دلنواز انداز ہے، اس معاملے میں لاپرواہی غفلت اور کوتاہی سے از حد خفا ہوتے تھے اور کسی قیمت پر نظرانداز نہیں کرسکتے تھے۔ ایک بار دارالعلوم کے ایک کارکن سے مہمان کے تقاضے کے مدنظر دَلیا بنانے کے لیے فرمایا، اس نے بڑی بے پروائی سے اَن منے ڈھنگ سے بدمزہ روکھی پھیکی دَلیا بنا کر مہمان کے سامنے رکھ دی۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کو جس

چیز کے کھانے سے پرہیز نہیں ہوتا تھا، تو ان سے پہلے خود چکھتے تھے، دَلیا تھوڑی سی منہ میں لیتے ہی فوراً بولے، آپ رُک جائیں اور وہیں کھڑے آدمی سے فوراً کارکن کو بلوایا اور خفا ہوتے ہوئے کہا کہ یہ کھا کر بتاؤ کہ کیا تم اسے کھا سکتے ہو، پھر اس کی ایسی خبر لی کہ اب وہ ہوش وحواس میں رہتے ہوئے کم از کم مہمان کے سلسلے میں شاید سابقہ غفلت سے کام نہیں لے گا۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک ہمارے خدمت گزار دوست نے بتایا کہ حضرت مہتمم صاحبؒ اس طرح کے معاملے دوسروں پر نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ بذاتِ خود دیکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی اس حد تک کھلی آنکھیں اور دوسروں کی نظر پر نگاہیں رکھتا ہو وہ کیسے اور کو خود پر نظر لگانے کا موقع دے سکتا ہے۔ یہ پوری دنیا نے دیکھا کہ وہ کس طرح صفائی کے ساتھ دارالعلوم کی انتہائی مشکل ذمہ داری سے عہد برآ ہوئے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کو جب کارگزار مہتمم اور پھر مہتمم کے منصب پر فائز کیا گیا تو راقم سطور جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں طالب علم تھا (طالب علم آج بھی ہے) ماہ اگست ۱۹۸۰ء کو مرادآباد میں بھیانک فساد کی وجہ سے حالات انتہائی خراب ہوگئے تھے۔ نتیجے میں ضلع کے ہی مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ دیگر کئی طلبہ کے ساتھ راقم سطور بھی منتقل ہوگیا تھا۔ حالات جب بہتر ہوئے تو پھر مدرسہ شاہی آ گیا تھا، اس دوران مدرسوں کے اساتذہ، طلبہ میں برابر یہ چرچا ہوتی تھی کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ دارالعلوم جیسے بڑے تعلیمی ادارے کے اہتمام کی ذمہ داری کیا ادا کر پائیں گے۔ نہ وہ صاحبِ قلم ہیں نہ ہی صاحبِ خطابت وتحریر۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور خود بقید حیات حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ، جن کی زبان کا طوطی بولتا تھا، اور قلم کا جادو چلتا رہا ہے، کے سامنے کہاں ٹھہر پائیں گے، لیکن کچھ ہی دنوں میں لوگوں کا اعتماد ویقین بحال ہوتا چلا گیا۔ ہمارے حساب سے بزرگوں سے مقابلے وموازنے کی بات زیادہ راست نہیں بلکہ دارالعلوم کے انتظام واہتمام کا معاملہ تھا اور امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی جس ماحول میں پرورش ہوئی تھی، وہاں انتظامی صلاحیت کو پروان چڑھنے کا موقع عموماً پیدا ہو جاتا ہے، اور وقت نے ثابت کر دیا کہ ان میں انتظامی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جب دارالعلوم دیوبند میں حاضری اور داخلے کی سعادت حاصل ہوئی تو ایک قدرے ضعیف منحنی شخص کے مالک کو دارالاہتمام میں بہتوں کی طرح راقم سطور نے بارہا آتے جاتے، اندر باہر ہوتے دیکھا۔ حضرت قاری صاحبؒ بھی تو اسی طرح تھے، لیکن مولانا مرغوب الرحمٰنؒ قد وقامت میں خاصے بلند تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں سب کو کہتے سنا کہ حضرت مہتمم صاحب چاہے جسمانی طور سے قدرے کمزور ہیں، لیکن فیصلے بہت مضبوط کرتے ہیں۔ جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہوتا۔ ان کی بصیرت وفہم کے کیا کہنے اور رائے میں بڑا وزن ہوتا ہے۔ اس کو بھی انتہائی قابلِ توجہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا بارہا مشاہدہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگوں میں ہوتا رہا، جب حضرت مہتمم صاحبؒ کچھ بولتے تو سبھی بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ شرکاء سے کہتے کہ حضرت مہتمم صاحب کچھ فرمارہے ہیں، مجلسِ عاملہ کے ارکان میں سے حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ، جناب مسعود حسن صدیقیؒ اور حضرت مہتمم صاحبؒ کا حضرت فدائے ملتؒ تک جہاں از حد احترام کرتے تھے وہیں ان کی رائے کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کی فہم ورائے کا وزن واحترام تاحیات قائم رہا۔ وہ بھی ایسے عظیم ملّی شجر (درخت) میں سے تھے جس کے گرنے سے زمین ہل جاتی ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے سانحۂ ارتحال سے ایسی دھمک ہوئی تھی جس کی تھرتھراہٹ ۲۰۰۶ء سے اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات کا درخت گر جانے سے گرد وغبار فضاؤں میں پھیل گیا تھا، اب تک فضا صاف نہیں ہوئی ہے، خدا کرے کہ دھرتی ہلنے سے اُڑنے والا غبار بعد والے ہم خوردوں کے لیے غبارِ راہ اور سرمۂ چشم بن جائے تاکہ ہم دُور تک دیکھ سکیں اور منزل تک پہنچ جائیں۔ حضرت مہتمم صاحبؒ بلند مقام پر کیسے پہنچ گئے، اس کا جواب ان کی ذات میں موجود تھا۔ ان کے اندر اور حضرت فدائے ملتؒ کے اندر بھی ایک لگن اور خود پر کنٹرول بہت تھا۔ چیزوں کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بھاگم بھاگ کا معاملہ نہیں ہوتا تھا۔ عجلت یوں ہی کام چلاؤ انداز میں چیزوں کو نہیں دیکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خاصی توجہ دیتے تھے۔ الفاظ پر بہت توجہ دیتے تھے کہ ان کا کیا کیا معانی ومطالب نکل سکتے اور نکالے جاسکتے ہیں، یہ تقریباً ناممکن تھا، کہ وہ بغیر مطمئن ہوئے اور سمجھے بغیر بات آگے بڑھا دیں اور جس سے جو بات یا کام کہتے تھے اسے یاد رکھتے تھے۔ ایک ملاقات کے بعد نام یاد رہتا، بعد کی ملاقاتوں میں تعارف کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں مدنی دارالمطالعہ کی طرف سے ''اسلام میں اخلاق کی اہمیت'' کے عنوان پر مقابلہ مضمون نگاری ہوا تھا، اس میں راقم سطور بھی شامل ہوا تھا۔ حضرت فدائے ملتؒ کے دست اقدس سے پانچ ممتاز انعام پانے والوں میں خاکسار تھا، اور نام ذرا اُوپر تھا۔ حضرت فدائے ملتؒ ملاقات پر فوراً پہچان لیتے تھے۔ یہی حال حضرت مہتمم صاحبؒ کا تھا۔ انعامی پروگرام کے بعد درجے کے بے تکلف ساتھی اور ان کے خادم بھائی مولانا شمعون بجنوری سے ملاقات کے لیے یوں ہی حضرتؒ کی رہائش پر گیا تو پتہ چلا کہ شمعون بھائی ابھی ابھی کہیں چلے گئے ہیں۔ ملاقات نہیں ہوئی۔ حضرت مہتمم صاحبؒ رہائشی کمرے کے باہری حصے میں سامنے کرسی پر براجمان نظر آ گئے۔ ہم فوراً اُلٹے پیروں واپس ہونا ہی چاہ رہے تھے کہ انھوں نے فوراً نام، آنے کا مقصد اور درجہ کے بارے میں دریافت کیا، نام بتاتے ہی فرمایا کہ اچھا مدنی

دارالمطالعہ سے ممتاز انعام پانے والوں میں آپ بھی ہیں، ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ ہم جیسے بچوں کی چھوٹی سی خوشی والی بات ہے اور نام بھی یاد ہے۔ اور دوبارہ کی ملاقات سے جو پہچان ہوئی تھی وہ آخر تک رہی۔ موقوف علیہ مشکوٰۃ کا سال تھا۔ محترم جناب تابش مہدی کی کتاب ''تبلیغی نصاب ایک مطالعہ'' شائع ہوکر خاصے چرچے میں تھی۔ اس زمانے میں مہدی صاحب دیوبند میں ہی رہائش پذیر تھے۔ شعروادب سے تھوڑی دلچسپی کی وجہ سے بھائی طارق نعمانی کے ساتھ ان کے گھر بھی آنا جانا ہوتا تھا۔ ان سے تعلق تھا (اور اب بھی ہے) تاہم مذکورہ کتاب پڑھنے کے بعد لگا کہ اس کی کچھ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ پھر کیا تھا، چند دنوں میں محنت کرکے ایک تنقیدی مضمون تحریر کرکے ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں برائے اشاعت دے دیا تھا جو تازہ شمارہ میں شائع ہوگیا۔ اس قدرے طویل تبصرہ نما شائع مضمون کے توسط سے کئی بزرگوں کی دعائیں اور توجہات ملیں، مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ اور مولانا عبدالقدوس رومیؒ نے حوصلہ افزا تحسینی خطوط لکھے۔ مولانا قاضی مبارک پوریؒ کی شیخ الہند کا تحریری تصنیفی کام سے وابستگی تھی، ان کو کسی نے بتایا کہ مضمون نگار ایک طالب علم ہے۔ اور اسی دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہے۔ وہ حوصلہ افزائی کے لیے تلاش کرتے ہوئے فارسی خانہ نمبر۲ میں پہنچ گئے۔ راقم سطور سے ہی پوچھا کہ عبدالحمید نعمانی کون ہے۔ بندہ نے کہا کہ ابھی ملاتا ہوں۔ یہ کہہ کر بھاگتا ہوا چائے لایا۔ کہا میں چائے پینے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو سمجھا کہ تم عبدالحمید کو بلانے گئے ہو۔ اس کے بجائے تم چائے لے آئے، بہرحال چائے نوشی کے بعد بتایا کہ خاکسار ہی عبدالحمید نعمانی ہے تو پیار بھرے انداز میں تھوڑی خفگی کا اظہار کیا اور سینے سے لگالیا اور پیٹھ ٹھوکتے ہوئے بہت دعائیں دیں۔ مولانا قاسمیؒ اور مولانا رومیؒ تو تو خاکسار کو معمر عمر دراز سمجھ رہے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند میں آنے کے بعد مختلف رسائل و اخبارات میں مختلف موضوعات پر مضامین و مراسلات شائع ہوئے جن کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ وہ علمی و تحقیقی ہیں، اس لیے حوصلہ افزائی اور خوردنوازی ضروری سمجھی۔ مولانا قاسمی سے دہلی میں جلد ہی ملاقات ہوگئی جبکہ مولانا رومیؒ کا خط کے ساتھ فون بھی آیا کہ میں دہلی آرہا ہوں۔ تم سے ملاقات کرنی ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ہی قیام کروں گا، اور چند دنوں کے اندر اچانک ایک روز اپنے صاحبزادے بھائی مولانا مفتی مجدالقدوس کے ساتھ تشریف لے آئے، اور آتے ہی فوراً بلوایا اور ملاقات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سینے سے لپٹا لیا اور ایسے حوصلہ افزا کلمات ہماری حیثیت سے بڑھ کر فرمائے کہ اندر سے حالت عجیب سی ہوگئی کہ بزرگ کیسا کیسا حسن ظن رکھتے ہیں۔ دل و ذہن بارگاہِ الٰہی میں شرم سے سجدہ ریز ہوگیا اور دعا نکلی کہ خدایا اپنی عنایت سے حسن ظن کے مطابق بنادے۔ سب تیرا ہے، ہمارا تو کچھ بھی نہیں،

بات آگے نکل گئی۔ بتانا یہ ہے کہ بزرگوں کا دل کتنا اچھا اور اس میں کیا کیا جذبات ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی لہروں میں گم ہوجائیں۔ جب ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں تحریر شائع ہوئی اور چند دنوں کے بعد چائے نوشی کرکے دارالعلوم دیوبند کے صدر گیٹ سے داخل ہوکر بغل کے زینے سے محاسبی کی طرف آیا اور ادھر سے اوپر ہی اوپر دارالاہتمام کے دروازے کے سامنے سے ہوکر جو راستہ دفتر تعلیمات کی طرف جاتا ہے، اس سے ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے دفتر جانا چاہ رہا تھا۔ محاسبی سے ذرا ہی آگے بڑھا تھا کہ حضرت مہتمم صاحبؒ دارالاہتمام سے نکل کر اپنی رہائش کی طرف آتے مل گئے۔ خاکسار نے جلدی سے سلام کیا تو جواب دے کر فرمایا، کہاں؟ پھر کہا، آپ کا مضمون پڑھا، اچھا ہے، عرض کیا کہ آپ دعا فرماتے رہیں۔ کہا اللہ رب العزت علم میں اضافہ کرے اور اپنی رہائش کی طرف بڑھ گئے اور خاکسار بھی جلدی سے آمین کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ بتانا یہ ہے کہ بڑے کام اور بڑی ذمہ داریوں کے ساتھ بھی چھوٹوں سے تعلق رکھنے والی ایک چھوٹی بات پر توجہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ایسی توجہ سے زندگی میں کیسی کیسی ہلچل پیدا ہوتی ہے اور اس کے اثرات تادیر رہتے ہیں۔ حضرت امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سے جو بھی آدمی ملاقات اور بات چیت کرتا وہ محسوس کرتا کہ حضرتؒ مجھے اہمیت و توقیر دے رہے ہیں۔ یہ ان کی شخصیت، خاندانی روایت، تربیت و تعلیم اور اپنے بزرگوں سے ملی قیمتی وراثت کا حصہ اور نتیجہ تھا۔ بہت سے ہم جیسوں نے جن اکابر کے بارے میں صرف پڑھا، سنا ہے، انھوں نے ان کو دیکھا اور برتا تھا، ظاہر ہے کہ بڑوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے افراد میں ایک تیسری آنکھ بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ جو باطن میں کھلی رہتی ہے اور دور تک ان چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے، جن سے متعلق ہم زیادہ سے زیادہ سن ہی سکتے ہیں اور سنا ہوا دیکھا ہوا کے مانند نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت مہتمم صاحبؒ دیدہ اور شنیدہ دونوں جگہ بیک وقت کھڑے تھے۔ اس لیے اپنے خوردوں کو دیکھنے کا انداز ان کا اپنا ہوتا تھا۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد بہت سے حضرات نے اپنے ساتھ برتے جانے والے سلوک کا ذکر کیا ہے، وہ کسی طور سے یہ سامنے والوں کو محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہمیں نظرانداز کیا جارہا ہے یا اہمیت نہیں دی جارہی ہے۔ ہم جیسے طالب علم کے ساتھ بھی حضرت کا سلوک اور رویہ مختلف نہیں ہوتا تھا اور بسااوقات ایسا سلوک بھی کرتے تھے کہ خورد، اجنبیت، دوری اور جھجک محسوس نہ کریں۔ ہمیں اس کا براہِ راست تجربہ اس دن ہوا جب انھوں نے پوچھا کہ بنگالی مارکیٹ دہلی کا ناتھورام سویٹ ہاؤس رات کئی بجے بند ہوتا ہے۔ راقم سطور نے بتایا کہ خاصی دیر رات تک کھلا رہتا ہے، تو فرمایا کہ وہاں کا کچھ آئٹم اچھا ہوتا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ کچھ حضرات کے ساتھ وہاں گئے تھے، کھانے پینے کے معاملے میں ذوق بڑا

نفیس اور اچھا تھا۔ تعلق والوں کی خاطر تواضع میں کمی نہیں کرتے تھے۔ فریج میں اپنی پسند کی چیزیں رکھے رہتے تھے۔ آنے جانے والوں کی مہمان نوازی خوب خوب کرتے تھے اور یہ سب اپنی جیب خاص سے کیا جاتا تھا، دارالعلوم دیوبند جانا ہوتا اور معلوم ہوتا تو یاد کرتے، بسا اوقات ہم خود ملاقات اور دعا لینے کے لیے چلے جاتے تھے۔ خیر خیریت کے بعد ملک کے حالات اخباروں، رسالوں میں شائع ہونے والی خبروں اور بحثوں کے بارے میں بھی دریافت کرتے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ وہ اپنی اولاد کی عمر رکھنے والے ہم جیسے خوردوں سے بھی ''تم'' کے بجائے آپ سے مخاطب کرتے تھے۔ جب کوئی بات یا تبصرہ کیا جاتا تو بہت توجہ سے سنتے تھے، دیگر حضرات کی طرح ہمیں بھی لگتا تھا کہ حضرت حد سے زیادہ عزت و اہمیت دے رہے ہیں۔ ہم دقت میں پڑ جاتے تھے اور دل و دماغ پر ایک دباؤ سا محسوس ہوتا تھا۔ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے اگر لیٹنے بیٹھنے کی ہیئت بدل جاتی تھی اور سیدھے نہیں بیٹھ پاتے تھے تو بار بار فرماتے معاف کیجیے۔ کمزوری، بیماری کی وجہ سے سیدھے بیٹھ لیٹ نہیں پا رہا ہوں۔ اس لیے ایسے بیٹھا لیٹا ہوں، ہم خوردوں کی طرف سے یہ کہنے کے باوجود کہ کوئی بات نہیں، آپ آرام سے بیٹھیں لیٹیں، لیکن ان کی جس ماحول میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی، وہ یہ احساس کراتا رہتا تھا کہ سامنے والے کے احترام و توقیر بھی کمی ہو رہی ہے۔ اس احساس کے تحت یہی کہتے رہتے کہ معاف کیجیے گا، اس رویے سے سامنے والوں کو جہاں شرمندگی ہوتی تھی، وہیں ان کی نظر میں، حضرتؒ پہلے سے اور زیادہ بلند ہو جاتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مجلس عاملہ کی میٹنگوں یا اجلاسوں کانفرنسوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے اور ملاقات ہو جاتی اور ملاقات کرنے کے لیے خدمت میں حاضری ہوتی تو خیر خیریت کے بعد وقت کے زیر گفتگو و بحث مسائل کے بارے میں دریافت بھی کرتے تھے۔ ۲۰۰۰ء سے ملاقات پر دارالعلوم دیوبند میں پیش کیے جانے والے محاضرہ ''ہندوازم تعارف و مطالعہ'' سے متعلق بھی دریافت فرماتے اور پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہتے کہ موضوع سے طلبہ کو دلچسپی ہے۔ پسند کرتے ہیں، جس عرصے میں ہندوازم محاضرہ تیار کیا جا رہا تھا، ملاقات پر پوچھتے تھے کہ کام کہاں تک ہو گیا ہے، آپ ہمت کریں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ کامیابی دے گا۔ یہ حوصلہ افزائی بار بار اس لیے بھی کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں محاضرہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ہمارے کچھ تحفظات تھے، اس کے لیے راقم سطور خود کو آمادہ نہیں کر پا رہا تھا۔ یہ بات راقم نے ذرا احتیاط سے کہی تھی، مجلس شوریٰ دارالعلوم کی تجویز حضرت مہتمم صاحبؒ کے مکتوب گرامی کے ساتھ رجسٹری ڈاک سے موصول ہو چکی تھی۔ جواب میں تھوڑی تاخیر کا مذکورہ سبب بتانے پر پھر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس سلسلے میں حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم بذات خود جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں تشریف لائے اور کہا کہ تم کو یہ دارالعلوم دیوبند کا سپرد کردہ کام کرنا ہے۔ تمھارے تحریری کام کا نگراں مجھے بنایا گیا ہے، چند دنوں کے بعد حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ نے ملاقات پر فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے ہندوازم پر محاضرہ پیش کرنے کے لیے آپ کا نام تجویز کیا ہے۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ طلبہ کو ضروری واقفیت ہونی چاہیے۔ یہ کام کرنا چاہیے۔ یہ جمعیۃ علماء ہند کا کام ہے، الگ نہیں۔ اس سے ہمیں حوصلہ ملا کہ موضوع سے مختلف جو بھی طالب علمانہ مطالعہ ہے محاضرے کی شکل میں پیش کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی دوران حضرت مہتمم صاحب جمعیۃ دفتر تشریف لائے۔ پوچھا تو خاکسار نے کہا کہ کچھ کچھ کام شروع کر دیا ہے، تو خوش ہوئے۔ دعائیں دیں اور دیوبند جا کر ایک عنایت نامہ تحریر کر کے فرمایا کہ اگر کوئی پریشانی ہو تو بتاؤ۔ اسی اثنا میں کسی صاحب نے حضرت مہتمم صاحبؒ کو بتایا کہ ہندوازم پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے اور ایک صاحب کو موضوع سے متعلق واقفیت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب نے فوراً ایک مکتوب گرامی میں خاکسار کو متوجہ کیا کہ ایک صاحب ڈاکٹر محمد احمد ہیں، ان سے متعلقہ موضوع کے سلسلے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے اور شائع شدہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے لیے خرید کرنا ہے۔ مکتوب گرامی کا متن یہ ہے:

مکرمی جناب مولانا عبدالحمید نعمانی

دفتر جمعیۃ علماء ہند، نئی دہلی

سلام مسنون۔ امید کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔

اس وقت مقصدِ عریضہ یہ ہے کہ دارالسلام عمرآباد سے ایک استاذ جو محاضرات کے شعبہ میں کام کرتے ہیں، تشریف لائے تھے۔ محاضرات کے سلسلہ میں بالخصوص ہندوازم پر لکچر دینے کے لیے انھوں نے ایک صاحب کا نام و پتہ بتلایا تھا جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ آپ کو ان کے بارے میں مطلع کر دیا جائے تاکہ آپ ان سے کسی موقع پر ملاقات کر کے گفتگو فرما لیں اور اندازہ لگائیں کہ اُن سے اس موضوع پر کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسی موضوع کے تعلق سے انھوں نے ایک کتاب ''مطالعہ مذاہب'' کے نام سے بتلائی ہے جو دہلی میں ہی دستیاب ہے۔ اے. آر. کریمی یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، 163/B-3، جامعہ نگر، نئی دہلی، مکتبہ کا فون نمبر 6919737، موصوف نے یہ بھی بتلایا تھا کہ یہ کتاب جامع مسجد اُردو بازار میں بھی کسی مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ دارالعلوم کے لیے خرید کرنا ہے۔ امید کہ مکمل معلومات فرما کر مطلع فرمائیں گے۔ والسلام

(مرغوب الرحمٰن)

مہتمم دارالعلوم دیوبند

اس سلسلے میں راقم سطور نے تحریری جواب کے ساتھ ملاقات ہونے پر بتایا کہ ڈاکٹر محمد احمد، ہماری جان پہچان کے ہیں، اور مذکورہ کتاب میں پڑھ چکا ہوں۔ ہمارا کام اس طرح کی کتابوں سے نہیں ہوسکتا ہے، ہمارے کام کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ میں غیر مسلم اہل علم وتحقیق سے استفادہ بہتر سمجھتا ہوں، ان ہی کی تحریروں اور ہندو دھرم کی جن پر بنیاد ہے، ان کے ہی مطالعہ سے محاضرہ تیار کریں گے۔ ہم ڈاکٹر احمد سے مل چکے ہیں۔ انھوں نے تعاون بھی کیا ہے کہ ایک بڑی قیمتی لغت کی کتاب ''ہندو دھرم کوش'' از راج بلی پانڈے استفادے کے لیے دی ہے۔ بعد میں یہ کتاب راقم کو مل گئی تھی، لیکن شروع میں ڈاکٹر محمد احمد نے بڑی حوصلہ افزائی کی اور مذکورہ کتاب کے ساتھ ڈاکٹر کانے کی ''دھرم شاستر کا اتہاس'' کی چند جلدیں برائے استفادہ عنایت کی تھیں۔ وہ عنایت کرتے ہوئے آج بھی ہفت روزہ اور ماہنامہ ''کانتی'' برابر بھیج رہے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کو یہ تعلق معلوم نہیں تھا اس لیے انھوں نے بروقت ضروری سمجھا کہ خاکسار، ڈاکٹر محمد احمد سے رابطہ کرے تاکہ محاضرہ کی تیاری میں ہمیں آسانی ہو۔ یہ عنایت نامہ شامل تحریر کیا جاتا ہے تاکہ تھوڑا اندازہ ہو کہ ہم خوردوں کے لیے کیسے بڑے سے بڑے ہوگئے۔ اس سلسلے کے ان کے کئی اور خطوط راقم سطور کے نام ہیں، مگر فی الحال یہ سطور سپردِ قلم کرتے ہوئے سامنے نہیں ہیں۔ کہیں کتابوں اور کاغذات کے ڈھیر میں رل مل گئے ہیں اور غالباً بہت سلیقے اور جتن سے رکھے گئے ہیں، تاہم چند خطوط اور بھی ہیں جن سے خورد نوازی کا اندازہ ہوتا ہے۔

محترمہ ایلا مشرا نے تحریک ریشمی رومال پر ایک کتاب ہندی زبان میں تحریر کی ہے، جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک ریشمی رومال کا خاصا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اسے شیخ الہند اکیڈمی نے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تجویز کے ذریعہ طے کیا کہ خاکسار اور جناب ماسٹر محمد سلیمان صاحب انگریزی ایڈیشن کی اشاعت سے پہلے دیکھ لیں۔ اس سلسلے کا مکتوب گرامی راقم سطور کے بھی نام ہے۔

ایک تیسرا خط ''جدوجہد آزادی میں علمائے کرام اور مسلم علماء کا تاریخی کردار'' بشکل دعوت نامہ مقالہ لکھنے کے لیے ہے۔ یہ دونوں خطوط بھی محفوظ رکھنے کے مقصد سے شامل تحریر ہیں:

(۱)

مجلس شوریٰ منعقدہ شعبان ۱۴۲۸ھ کی منظور شدہ تجویز بغرض اطلاع و کارروائی ضروری ارسال ہے۔

تجویز نمبر ۶ باجازت صدر:

مسماۃ ایلا مشرا کی تصنیف کردہ کتاب ''ریشمی رومال پر ایک انقلابی مسلم تحریک'' (ہندی) کو جس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی رومال کا تفصیلی تذکرہ ہے، انگلش میں ترجمہ وصول ہوجانے کے بعد شیخ الہند اکیڈمی سے طبع کرانے کی منظوری دی جاتی ہے۔ اس سے پہلے کتاب کا ہندی ایڈیشن جناب مولانا عبدالحمید نعمانی صاحب اور جناب ماسٹر محمد سلیمان صاحب کے ملاحظہ کے لیے بھیجا جائے۔

(مرغوب الرحمٰن)
مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۲)

محترم المقام زید مجدکم،
سلام مسنون! مزاج گرامی

اس حقیقت سے آنجناب بخوبی واقف ہیں کہ وطن عزیز پر برطانوی سامراج کا غلبہ وتسلط پوری ہندوستانی قوم کے لیے ذلت کا ایک طوق تھا، جس نے ان کو ہر قسم کے حقوق سے محروم کردیا تھا خاص طور پر بنیادی انسانی حق، آزادی وخودمختاری ان کے لیے خواب و خیال بن گیا تھا۔ اس لیے تمام ہندوستانیوں نے بلا امتیاز مذہب وملت، برطانوی استعمار کو دیس نکالا دینے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور حصولِ آزادی تک قربانیوں سے بھرپور اپنی طویل ومسلسل جدوجہد سے تاریخ عالم کا ایک روشن باب مرتب کیا۔

اس جدوجہد کی تابناک تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دارورسن کی اس آزمائش میں ہندوستان کی عظیم قوم اور دوسری بڑی اکثریت مسلمانوں کا حصہ کسی دوسری قوم سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ اس جہادِ حریت میں اوّلین قافلۂ عشق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے خواہ علمائے کرام ہوں یا عوام، اس جدوجہد کو اپنا شرعی اور قومی فریضہ سمجھتے ہوئے جو عظیم وبے مثال کردار ادا کیا اس کو دیکھ کر ہر غیر جانبدار، انصاف پسند شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اگر علمائے کرام اور مسلمانوں کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا قطعی ناممکن تھا۔

اس باب میں مسلم عوام اور علمائے کرام کے کارنامے، خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے بانیا وفرزندان کا قائدانہ کردار ایسی روشن تاریخی حقیقت ہے جس پر ایوانِ عدالت سے زندانِ عقوبت تک وطن عزیز کا ذرّہ ذرّہ گواہ ہے اور اس کا انکار کرنا سورج پر دھول جھونکنے کے مرادف ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ افسوسناک حقیقت بھی عالمِ آشکارا ہے کہ آزاد ہندوستان کے گزشتہ ساٹھ سالوں میں ان جیالوں کی قربانیوں کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کرنے کا رویہ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر روا رکھا گیا اور تحریک آزادی کی تاریخ کے اس عظیم حصہ کو جو اُس کا بڑا حصہ ہے، زینت طاقِ نسیاں بنادیا گیا، جس کے نتیجہ میں نئی ہندوستانی نسل کی نگاہوں سے یہ بات پورے طور پر اوجھل

ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف مسلمانوں ہی کی حق تلفی نہیں ہے بلکہ وطن عزیز اور اس کی تابناک تاریخ کے ساتھ صریح ظلم اور کھلی ناانصافی ہے۔

اس افسوسناک صورتِ حال کا احساس ہر ذی ہوش، انصاف پسند ہندوستانی کو گزشتہ نصف صدی سے زائد مدت کے دوران رہا ہے، لیکن آج جبکہ حکومت ہند نے سال رواں (۲۰۰۷ء) کو تحریک ۱۸۵۷ء کی ڈیڑھ سو سالہ یادگاری تقریبات کے لیے خاص کیا اور اس سلسلے میں مرکزی و صوبائی سطح پر مختلف پروگرام منعقد ہوئے اور اُن میں اسلامیانِ ہند کے عظیم کردار کو نظر انداز کرنے کی پرانی روش برقرار رہی تو یہ احساس شدت اختیار کر گیا۔

اسی احساس کے تحت دارالعلوم دیوبند نے جو جانبازانِ حریت کی یادگار اور تحریک آزادی کا قافلہ سالار ہے، اپنا فرض منصبی سمجھا کہ تاریخ حریت کے اس عظیم باب سے گرد ہٹائی جائے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۸/جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴/جون ۲۰۰۷ء نے یہ تجویز پاس کی کہ جدوجہدآزادی میں علمائے کرام اور مسلم عوام کے تاریخی کردار کے موضوع پر ماہ نومبر ۲۰۰۷ء میں سیمینار اور اجلاسِ عام منعقد کیا جائے تاکہ ایک طرف سیمینار کے ذریعہ اس موضوع پر اہل قلم کی نگارشات اور تحقیقی مقالات وجود میں آکر آنے والی نسلوں کے لیے دستاویز کا کام دیں اور دوسری طرف اجلاسِ عام کے ذریعہ عام ہندوستانیوں تک اپنی بات پہنچائی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ:

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

سیمینار و اجلاس عام کے لیے مجلس عاملہ کی مقرر کردہ سب کمیٹی اور اس کے تحت انتظامی امور کمیٹی نے تیاریاں شروع کر دی ہیں، انتظامی کمیٹی نے مقالہ نگاری کے لیے آنجناب کا اسم گرامی بھی تجویز کیا ہے۔ ازراہِ کرم متعلقہ عنوان پر اپنے گرانقدر تحقیقی مقالہ سے سرفراز فرما کر شکر گزار فرمائیں۔

سیمینار و اجلاس عام کی حتمی تاریخ سے بہت جلد مطلع کیا جائے گا، سردست ہمرشتہ فہرست عنوانات میں سے اپنے موضوع کی تعیین فرما کر ۳۰/اگست ۲۰۰۷ء تک اپنی آمادگی اور موضوع سے دفتر سیمینار کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن
مہتمم دارالعلوم دیوبند

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کو دارالعلوم کے فیض یافتگان سے بڑا تعلق تھا۔ انھیں ایک دو بار میں اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کوئی بات یا رائے حتی الامکان دلیل اور سوچ سمجھ کر کہتا یا دیتا ہے، تو پھر اس کو وزن دیتے اور قابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ راقم سطور کو بھی لگتا ہے کہ اس کو بھی اس فہرست میں رکھے ہوئے تھے۔ یہ بات حضرتؒ کے صاحبزادے بھائی مولانا انوار الرحمٰن کو بھی معلوم تھی۔

متعدد بار انھوں نے کہا کہ تم یہ بات حضرتؒ سے کہہ دو مان لیں گے۔ تمھارا خیال بہت رکھتے ہیں۔ گزشتہ دنوں مفت لازمی تعلیم اور کشمیر کانفرنس اور اجلاس عام کے سلسلے میں رفقاء کے ساتھ ملاقاتیں کیں تو دعوت نامہ غور سے دیکھنے اور باتیں سننے کے بعد فوراً تائید کی اور تائیدی تحریر بھی لکھ کر دی۔ جمعیۃ علماء ہند کے خاص حالات کے تناظر میں تیسویں اجلاسِ عام کے سلسلے میں ہم رفقاء مولانا حکیم الدین قاسمی کے ہمراہ ملنے گئے تو بہت کمزور ہو رہے تھے، نظر اُٹھا کر دیکھا، آنے کا مقصد بتایا تو فوراً حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے اور کہا کہ ملک و ملت کے مسائل اُٹھانے کے لیے جمعیۃ علماء ہند بہتر پلیٹ فارم ہے۔ صحت بہتر رہی تو ضرور شرکت کریں گے اور شریک ہوئے۔ ۲۰۱۰ء کے وسط میں صحت بہت گر گئی تھی، علاج کے لیے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جمعیۃ علماء کے مرکزی دفتر کے گیسٹ ہاؤس میں قیام تھا۔ مفت لازمی تعلیم کا مسئلہ چل رہا تھا، اس کے متعلق دعوت نامہ لے کر جناب مولانا نیاز احمد فاروقی، جناب کمال فاروقی اور خاکسار بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعوت نامہ دیا تو اسے غور سے پڑھتے رہے۔ مالۂ و ماعلیہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کچھ سوالات کیے۔ بھائی انوار (انوار الرحمٰن) بھی موجود تھے، کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہا کہ یہ کانفرنس ضروری ہے اور دعوت نامہ پر ہی تائیدی تحریر اپنے قلم سے لکھ کر دے دی۔ بھائی انوار (مولانا) نے مجھ سے کہا کہ تم کہو کہ حضرت آپ کو کانفرنس میں شرکت کرنی ہے۔ خاکسار نے کہا کہ کانفرنس کی تائید اور شرکت، اللہ کے کرم سے اس کی کامیابی اور حوصلہ مندی کا باعث ہوگی۔ فوراً فرمایا بہت کمزوری ہے۔ اگر صحت نے ساتھ دیا تو ان شاءاللہ شرکت کروں گا۔

ہندوستانی فکر و فلسفہ یا شخصیت کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہوتا تھا تو ملاقات پر معلومات حاصل کرتے تھے۔ اس سلسلے میں خاکسار کی بات کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ۲۰۰۹ء میں وندے ماترم کے سلسلے میں کچھ فرقہ پرست عناصر نے دارالعلوم دیوبند کے خلاف اُدھم مچا رکھی تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے دیوبند کے اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند میں ایک تجویز نمبر ۲۰ تاریخی ریکارڈ کے طور پر منظور کی گئی تھی۔ وزیر داخلہ پی چدمبرم بھی اجلاس عام میں شریک ہوئے تھے، اس کی وجہ سے فرقہ پرستوں نے وندے ماترم کو مزید سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی۔ حضرت مہتمم صاحب اس کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں باتیں کرنے والے بیشتر وہ تھے جنھوں نے نہ تو آنند مٹھ ناول پڑھا اور نہ دیکھا تھا۔ نہ اس کے مصنف اور منظر، پس منظر سے واقف تھے۔ اس لیے حضرت مہتمم صاحب کو اطمینان نہیں تھا۔ فرمایا اس بارے میں عبد الحمید نعمانی سے بات کرنی ہے۔ اسی موقع پر محاضرہ پیش کرنے کا وقت بھی آ گیا تھا۔ کسی نے بتایا کہ خاکسار دیوبند آیا ہوا ہے تو فوراً یاد کیا۔ دارالعلوم کے ایک دو اساتذہ

کے ذریعہ اطلاع کروائی کہ میں نے یاد کیا ہے۔ خدمت میں حاضر ہوا تو بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ کروٹ تک لینا مشکل تھا۔ سلام کے بعد خیر خیریت پوچھی۔ کرسی منگوا کر کہا کہ اس پر قریب ہو کر بیٹھئے۔ معاف کیجیے ابھی دوا لی ہے، بیٹھ نہیں سکتا۔ کروٹ لینے میں پریشانی ہوتی ہے۔ پھر فوراً فرمایا کہ آج کل میں شری شری روی شنکر دارالعلوم تشریف لانے والے ہیں، وندے ماترم کے سلسلے میں بات کریں گے۔ آپ کی اس کے متعلق کچھ دنوں پہلے ایک دو تحریر پڑھی تھی، کیا آپ کے پاس وہ کتاب ہے جس میں یہ وندے ماترم شامل ہے۔ راقم نے جب کہا کہ ہاں کتاب ہمارے پاس ہے۔ یہ کوئی تاریخی تحقیقی کتاب نہیں ہے بلکہ آنند مٹھ ایک ناول ہے، جو ایک خاص مقصد اور پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف بنکم چندر چٹو پادھیائے ہیں، ان کی دیگر کتابیں بھی ہمارے پاس ہیں، جن کا ہم نے مطالعہ کیا ہے۔ اس پر فرمایا کہ اب اطمینان ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ نے ضرور کتاب دیکھی ہوگی۔ اس کے بعد ہی تحریر لکھی ہوگی۔ بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے دارالعلوم کا فیض یافتہ ایسی باتوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ تسلیمہ نسرین کے بارے میں بہت سے لوگ اس کی کتابیں پڑھے بغیر لکھا لکھ رہے تھے۔ آپ کی تحریریں پڑھنے اور باتیں کرنے سے معلوم ہوا کہ جس کتاب کے نام پر ہنگامہ ہوا یا ہے، اس میں متنازعہ باتیں نہیں ہیں بلکہ دوسری کتابوں میں ہیں۔ وندے ماترم کے بارے میں آپ سے باتیں کر کے معلوم ہوا کہ اس کا جو معنی ایک وزیر بتا رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اب مذہبی رہنما شری شری روی شنکر، جو جمعیۃ علماء ہند کے حیدرآباد اجلاس عام میں شریک ہوئے تھے، اگر اس موضوع پر بات کریں گے تو تمھاری باتیں اپنی طرف سے رکھوں گا اور حضرت مہتمم صاحبؒ نے پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف کو شری شری روی شنکر کے سامنے رکھا کہ انھوں نے بھی محسوس کیا کہ مسلمانوں اور ان کے نمائندہ ادارے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کا وندے ماترم پر اعتراض اور اس سے گریز بلا وجہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خورد نوازی کا ایک اور بار مشاہدہ ہوا۔ ۹۰ کی دہائی میں اور بعد میں شادی نکاح کے سلسلے میں کفاءت کا مسئلہ اخبارات و رسائل میں موضوع بحث بن گیا۔ خاص طور سے روزنامہ ''قومی آواز'' میں اس کے متعلق مخالف و موافق مضامین و مراسلات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ خاکسار نے بھی مضامین و مراسلات لکھے۔ پھر یہ ہوا کہ تامل ناڈو کے وانمباڑی شہر کے اسلامیہ اسکول میں مسئلہ کفاءت اور اشاعت اسلام کے عنوان پر ایک سیمینار حضرت الاستاذ مولانا عبدالخالق مدراسی کی صدارت میں منعقد کرنے کا فیصلہ وہاں کے کچھ ذمہ داروں نے کر لیا۔ اس میں مولانا محمد اقبال قاسمی شیخ الحدیث جامعہ مدرسہ باقیات الصالحات ویلور، جناب پرویز نصر اللہ اور مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی خاص طور سے پیش پیش تھے۔ راقم سطور کو سیمینار میں موضوع سے متعلق مقالہ پڑھنا تھا۔ مولانا محمد اقبال قاسمی ۱۹۹۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کے شعبۂ اصلاح معاشرہ کے ناظم تھے۔ ہم دونوں دہلی سے وانمباڑی گئے۔ مقررہ و متعلقہ تاریخ اور مقام پر مولانا مدراسی مدظلہ کی صدارت میں سیمینار ہوا اور خاکسار نے اس میں ایک مقالہ پڑھا، جو بعد میں کتابی شکل میں وانمباڑی اور دہلی کے قاضی پبلشر سے شائع ہوا، جہاں کتابی شکل میں شائع مقالہ پر چند رسالوں نے تبصرہ کیا۔ وہیں ماہنامہ ترجمان دارالعلوم دیوبند میں قسط وار شائع بھی ہوا۔ دیوبند کے کتب خانہ نعمانیہ سے بہت سے حضرات نے کتاب حاصل کر کے مطالعہ بھی کیا۔ زیر بحث گفتگو موضوع کے تحت مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا حوالہ بھی آیا ہے۔ راقم نے ان سے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا۔ قومی آواز کے مضامین و مراسلات میں وہی طرز و اسلوب تھا، کچھ لوگوں نے حضرت فدائے ملتؒ سے مسئلے کو ذرا گھما کر کچھ دوسرے انداز میں بیان کیا، لیکن اُن کو میرے موقف سے مجموعی طور سے اتفاق تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اطمینان نہیں ہے، اختلاف ہے تو عبدالحمید سے تحریری یا زبانی بات کر لے، اس نے اپنے دلائل دیئے ہیں، میرے حوالے سے جو واقعہ اس نے بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، یہ میں نے بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت فدائے ملتؒ نے راقم سطور سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ جب دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، ملاقات پر خاکسار سے بس اتنا کہا کہ آپ کی تحریریں مسئلہ کفاءت پر دیکھیں۔ حضرت تھانویؒ کا حوالہ بھی تحریر میں آیا ہے۔ آپ کے موقف اور کہیں کہیں اسلوبِ بیان سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن غلط نہیں کہا جا سکتا ہے۔ گفتگو میں موضوع کا ذکر آتے ہی ہمیں اندیشہ تھا کہ حضرت مہتمم صاحب ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور مذکورہ جملہ کہہ کر بات ختم کر دی۔ معاملہ فہمی میں تو بے مثال تھے، ان سے اپنے اپنے معاملات میں جن جن کو واسطہ پڑا ہے، وہ حضرت مہتمم صاحبؒ کی اس طرح کی خوبیوں کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آدمی چلا جاتا ہے، لیکن یادیں اور خوبیاں اپنے خوردوں کے درمیان انھیں بڑا بنانے اور خوبیاں اپنانے کی دعوت زبان حال و قال اور کردار سے دے جاتا ہے۔ یہ کام حضرت مہتمم صاحبؒ نے بھی کیا ہے، اگر وہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے یادوں باتوں میں زندہ ہیں، اور نام جریدہ عالم میں ثبت ہو گیا ہے، تو جانا، جانا کیا ہے۔ جانے کے باوجود اچھی یادوں میں رہ جانے کا مطلب یہ ہوا کہ سب کچھ رہ ہی گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں اور مزارِ قاسمی کی حاضری کی دعاؤں میں زندہ ہیں:

نہ کچھ بھی رہا، تو سب کچھ رہا
تری یاد دل میں اگر رہ گئی

□□

# مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

مولانا ندیم الواجدی

عالمی سطح پر معروف دینی درس گاہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کی صبح یوپی کے مردم خیز شہر بجنور میں وفات پائی۔ وہ قمری ماہ وسال کے حساب سے سو سال اور شمسی حساب سے چھیانوے برس کے تھے۔ طویل عمری خدا کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور بہت کم لوگ ایک صدی کا سفر پورا کرکے اس نعمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ پھر آگے یہ طویل سفر کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھرپور ہو تو یہ نعمت عظیم ہی نہیں عظیم ترین بن جاتی ہے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے زندگی کے آخری تیس سال دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں بسر کیے جو عالم اسلام کا ایک عظیم دینی، تعلیمی ادارہ بھی ہے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد اسلامیانِ ہند کی نشاۃِ ثانیہ کی اوّلین تحریک بھی۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کی جبینِ عقیدت اس عظیم تحریک سے وابستہ علماء کی قربانیوں کے آگے جھکی جاتی ہے۔ ۱۹۸۹ء سے پہلے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ بلاشبہ وہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، مگر مدت تک ان کی شخصیت بجنور سے دیوبند کے محدود فاصلے میں گم رہی۔ اچانک ۱۹۸۰ء کے بعد تقسیم دارالعلوم کا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا اور مولانا کی شخصیت سب کی توجہات کا مرکز بن گئی۔ سب سے پہلے تو مجلس شوریٰ کے اراکین کی نظر ان پر پڑی۔ اس وقت ہندوستان کی ممتاز ترین شخصیتیں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شامل تھیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اس نازک دور میں اگر کوئی شخص بزرگوں کی اس ڈوبتی کشتی کو ساحل سے ہم آغوش کرسکتا ہے تو وہ مولانا مرغوب الرحمٰن ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے خاموشی کے ساتھ دوراندیشی اور تدبر کے ساتھ کام میں لگے رہنے کا جذبہ بھرپور طریقے پر ودیعت کیا ہے۔ بزرگوں کا خیال صحیح تھا، انھوں نے اپنی شخصیت کے اس پہلو کے اعتراف پر سب کو مجبور کردیا کہ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی کام کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر سات دہائیوں کے قریب پہنچ چکی تھی۔ کمزور اعصاب کے لوگ اس عمر میں کسی بارِ گراں کے تحمل کا تصور بھی نہیں کرسکتے مگر وہ اس وقت بھی عزم وحوصلے کے اعتبار سے جوان تھے اور اس عمر میں بھی بلند حوصلہ رہے۔ جب وہ اپنی زندگی کی سو بہاریں دیکھ کر رخصت ہوا چاہتے تھے حضرت مولانا ہم سے رخصت ہوگئے مگر اپنی خدمات سے تاریخِ دیوبند کا ایک باب روشن کرگئے، بلکہ ایک ایسی تاریخ بنا گئے جسے آنے والی نسلیں دیر تک یاد رکھیں گی۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی پیدائش ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اس ادارے کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانیؒ جیسے معروف نام شامل ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۳۲ء میں فارغ ہوئے، فراغت کے بعد کچھ وقت کے لیے تعلیمی انقطاع ہوا مگر بہت جلد انھوں نے حصولِ علم کا اپنا سفر دوبارہ شروع کردیا اور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ افتاء میں داخل ہوکر فقہ وفتاویٰ کی تعلیم حاصل کی۔ اس طرح وہ عالم دین کے ساتھ ساتھ مفتی بھی بنے۔ مولانا کا خاندان بجنور کے رؤسا کا خاندان کہلاتا تھا۔ زندگی بھر وہ رئیس بجنور کی حیثیت سے معروف رہے۔ زمینیں، باغات، حویلیاں اس خاندان میں پشتہا پشت سے موجود ہیں، اس لیے ان کی پرورش بڑے نازونعم میں ہوئی۔ فراغت کے بعد مولانا نے آبائی زمینوں کی دیکھ بھال میں زندگی بسر کی۔ ان کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ امام العصر حضرت مولانا انورشاہ کشمیری ان کے رفیق درس تھے۔ اس خاندان کو دارالعلوم دیوبند سے فکری مناسبت کے ساتھ ساتھ قلبی تعلق بھی رہا۔ حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب سے منتقل ہوکر یہ تعلق ان کے لائق فرزند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوا اور آخر وقت تک برقرار رہا۔ یہاں تک کہ وہ آخری ایام میں جب مستقل صاحب

فراش تھے تب بھی ان کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ وہ اپنے آخری لمحات دارالعلوم دیوبند ہی کے روحانی ماحول میں گزاریں۔ دیوبند کے مشہور قبرستان قاسمی میں ان کی تدفین بھی اسی تڑپ اور آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش ہے جس کے لیے ان کے ورثاء اور اہل بجنور تعریف و توصیف کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنا عظیم سرمایہ سرزمین دیوبند کے سپرد کردیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے، وہ پابندی کے ساتھ مجلس شوریٰ کی نشستوں میں شریک ہوتے رہے۔ ان کی رائے نہایت وقیع سمجھی جاتی تھی۔ ان کے فہم وتدبر کے سب ہی معترف تھے۔ تقویٰ ان کے کردار و عمل سے جھلکتا تھا۔ وہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے جلسوں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے، لیکن قیامِ دارالعلوم سے باہر اپنے ایک محبّ قدیم کے دولت کدے پر کرتے، کھانا ناشتہ سب ان ہی کے دسترخوان پر ہوتا۔ دارالعلوم دیوبند کا ایک پیسہ بھی ان کی ذات پر خرچ ہو یہ انھیں گوارا نہیں تھا۔ ۱۹۸۰ء میں صدسالہ اجلاس کے بعد دارالعلوم دیوبند کو جو نظر بد لگی اور اس کے نظام میں خلل واقع ہوا تو انھیں ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معاون کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ جب حالات مزید ابتر ہوئے اور دارالعلوم کے قریب ایک کیمپ کا قیام عمل میں آیا تو ان کو کارگزار مہتمم بنادیا گیا اور جب حضرت قاری صاحبؒ کو منصب اہتمام سے بے دخل کردیا گیا تو مجلس شوریٰ نے ۱۹۸۲ء میں ان کو مہتمم کے منصب پر فائز کردیا۔ اس وقت عام تاثر یہ تھا کہ زمیندارانہ ذہن ومزاج رکھنے والے یہ خاموش طبع عالم دین رکن شوریٰ اس بارِ گراں کا تحمل نہیں کرپائیں گے۔ ہوسکتا ہے خود ہی ہمت ہار بیٹھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ماحول ان کے خلاف ہوجائے اور ان کے پاس گھر بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان کے جوہر کھلتے چلے گئے، لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ خاموش آتش فشاں محض راکھ کا ڈھیر نہیں ہے بلکہ اس کی تہہ میں آگ کے طوفان خوابیدہ ہیں جو شعلہ بداماں ہوں گے تو مخالفوں کی امنگوں کو جلا کر راکھ کردیں گے۔ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ تیس سال کا سفر پورا کیا اور اپنے خونِ جگر سے ایک تاریخ لکھی، جس کا ایک ایک لفظ ایثار، اخلاص، تدبر، تیقظ، تدین اور تقویٰ وپرہیزگاری کا روشن عنوان ہے۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کے دور کی کامیابیاں قندیلوں کی طرح سر رہ گزر روشن ہیں۔ دارالعلوم کا ہر ذرّہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ جیسا مخلص، بے لوث اور دیانت دار قائد اس ادارے کو مشکل ہی سے ملے گا۔

ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے بے مثال ترقی کی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں اس ادارے کا بجٹ ایک کروڑ سے بھی کم تھا، آج وہ تیرہ چودہ کروڑ ہے۔ ان کے دور میں کئی شاہکار عمارتیں وجود میں آئیں خاص طور پر مسجد رشید جس کی رعنائی وزیبائی قابل دید ہے، ان ہی کے دور میں کروڑوں کے صرفے سے تعمیر ہوئی۔ شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ اور حکیم الامتؒ جیسے اکابرین کی طرف منسوب لاجواب عمارتیں ان ہی کے دور میں بنیں۔ لائبریری کی عظیم الشان آٹھ منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد ان ہی کے دور میں رکھا گیا۔ جدید دارالاقامہ کی تعمیر کا آغاز ان ہی کے دور میں ہوا۔ تعلیمی اعتبار سے بھی ان کا دور نہایت تابناک رہا۔ نصاب کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا گیا، کئی تعلیمی شعبے کھولے گئے، افتاء کی تعلیم میں زبردست پیش رفت ہوئی۔ شعبۂ صحافت قائم کیا گیا، بیش قیمت موضوعات پر تحقیقی کتابوں کی اشاعت کے لیے شیخ الہند اکیڈمی قائم ہوئی۔ انگلش کی تعلیم اور کمپیوٹر کی ٹریننگ کا آغاز ہوا، ختم نبوت کی تحریک کے تن مردہ میں جان ڈالی گئی اور اس کے لیے باقاعدہ دفتر کا قیام عمل میں آیا۔ ملک بھر کے مدارس کو فکر وعمل کی ایک زنجیر میں منسلک کرنے کے لیے رابطۂ مدارسِ اسلامیہ کا شعبہ قائم ہوا، یہ اور اس طرح کے بہت سے کام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دور میں ہوئے۔ اگر یہ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ ان کا دورِ اہتمام ہر اعتبار سے مثالی رہا ہے۔ ملازمین اور اساتذہ کی تنخواہیں بار بار بڑھائی گئیں۔ طلبہ کے وظیفوں میں اضافہ کیا گیا۔ تعلیمی نظام کو مستحکم کیا گیا، ان کے کامیاب اہتمام کا سب سے تابناک پہلو یہ رہا کہ ان کے تیس سالہ دور میں کبھی کوئی شورش برپا نہیں ہوئی۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھی دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا۔ سیاسی طور پر بھی اس کا وزن محسوس کیا گیا۔ اگرچہ دارالعلوم دیوبند کا اپنا کوئی سیاسی نظریہ نہیں ہے، نہ پہلے تھا اور نہ آج ہے، مگر ہر سیاسی جماعت اس بات کے لیے کوشاں رہی کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اس کے اکابر کی خوشنودی حاصل کرکے ملک کے مسلمانوں کا اعتماد جیت لے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی تناظر میں مدارس کو

بدنام بھی کیا گیا، دہشت گردی کے الزامات لگائے گئے، بطور خاص دارالعلوم کونشانہ بنایا گیا،حضرت مولانا نے پورے حوصلے کے ساتھ اس الزام کا جواب دیا، دارالعلوم کے وسیع کیمپس میں دہشت گردی کے خلاف کانفرنس کاانعقاد ان کے دور کی کامیابیوں میں سرفہرست ہے۔

طلبہ سے ان کو بڑی محبت تھی اور وہ ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ ناسمجھ طلبہ نے دارالعلوم دیوبند کے قریب واقع دکانداروں کا مالی نقصان کر دیا، تمام دکانداروں کو بلا کر حضرت نے فرمایا کہ جس کا جو نقصان ہوا ہے مجھے بتلادے، میں اپنی جیب سے اس کی تلافی کروں گا۔ طلبہ بچے ہیں، نادانی میں ان سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے۔ حضرت کی اس پیش کش کا دلوں پر اس قدر اثر ہوا کہ دکانداروں کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور کسی نے بھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔

یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ دارالعلوم کے بزرگوں نے اپنی طویل خدمات سے اس ادارے کو جو وقار اور اعتبار عطا کیا تھا حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے اس میں اضافہ ہی کیا ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آنے دی۔ ہر معاملے میں ان کی احتیاط اور اصابت رائے قابل تعریف تھی۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی ایشوز پر ان کی رائے وقتاً فوقتاً میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچتی تھی لیکن کبھی کسی نے اس پر انگلی نہیں رکھی۔ انھوں نے کسی کو تنقید کا موقع نہیں دیا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ مسائل پر ان کی نظر گہری تھی اور وہ جرأت کے ساتھ ہر مسئلے پر اظہارِ خیال کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے نزاع کے معاملے میں ان کا کردار مثالی رہا ہے۔ جب وہ مصالحت کی اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام ہوگئے تو انھوں نے شوریٰ کے ذریعے یہ فیصلہ کرایا کہ وہ لوگ جو اس قضیہ میں سرگرم ہیں دارالعلوم کے کلیدی عہدوں سے مستعفی ہوجائیں تاکہ جمعیۃ کے نزاع کی تپش دارالعلوم کی دیواروں تک نہ پہنچے۔ اس دوررس فیصلے کے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور مخالف وموافق سبھی نے اس فیصلے کو خوش آمدید کہا۔

بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی متقی اور پرہیزگار انسان بھی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کو انھوں نے خدمت کی جگہ سمجھا اور عبادت سمجھ کر اس کی خدمت انجام دی۔ نہ اسے ذریعۂ شہرت بنایا اور نہ اس سے مالی فوائد حاصل کیے، بلکہ ہر سال اپنی جیب خاص سے دارالعلوم دیوبند کی مالی خدمت کرتے رہے۔ مالیات کے باب میں انتہائی محتاط تھے۔ جائز حدود میں رہ کر بھی وہ دارالعلوم دیوبند کا ایک پیسہ اپنی ذات پر استعمال نہیں کرتے تھے۔ تیس سال تک دارالعلوم کے خادم بن کر رہے، مگر اپنا کھایا، اپنا خرچ کیا، جس کمرے میں رہے اس کا کرایہ اور بجلی کا خرچ بھی ماہ بہ ماہ ادا کرتے رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دارالعلوم کا ایک پیسہ بھی انھوں نے اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، وہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ دارالعلوم کا سرمایہ غیر ضروری طور پر خرچ نہ ہو، وہ سامان کی خریداری کے بل نہایت باریک بینی کے ساتھ چیک کیا کرتے تھے اور اگر کسی بل میں کوئی بات قابل استفسار ہوتی تو متعلقہ شخص کو بلا کر پوچھتے، اگر یہ شبہ ہوتا کہ کسی جگہ زیادہ رقم خرچ کی گئی ہے تو اس پر اعتراض کر کے کاغذ دفتری کارروائی کے لیے واپس کر دیتے، جو لوگ بہ کار مدرسہ سفر کر کے واپس آتے ان کے مصارف کا پرچہ بھی غور سے دیکھتے اور کبھی کبھی تجربے کی بنیاد پر مصارفِ سفر پر سوالیہ نشان بھی لگا دیتے۔ ان کی خدمت میں بل پیش کرنے سے پہلے سو بار سوچا جاتا تھا اور اس کی نوک و پلک درست کی جاتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کا سالانہ بجٹ اب کروڑوں میں ہے، راست طریقے پر بھی عطیات اور صدقات آتے ہیں اور سفراء بھی ملک و بیرونِ ملک میں گھوم پھر کر چندہ کرتے ہیں۔ جو سفراء زیادہ چندہ جمع کر کے لاتے ان کی ہمت افزائی ضرور کرتے۔ حضرت کی نظر تکثیر چندہ پر رہتی اور اس کے لیے ہر ممکن جتن کرتے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے اصولِ ہشگ گانہ میں تکثیر چندہ پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت مولانا اس اصول پر پوری طرح کاربند تھے اسی لیے دارالعلوم کا بجٹ ہر سال بڑھ جاتا تھا اور اسی اعتبار سے آمد کی بھی بڑھ جاتی تھی۔

اس پیرانہ سالی میں بھی ان کی انتظامی صلاحیت پوری طرح برقرار تھی۔ ہر شعبے پر ان کی نظر تھی، کہاں کیا ہو رہا ہے اس سے پوری طرح واقف رہتے تھے۔ دفتر اہتمام میں ان کی نشست بڑی طویل ہوتی اور یہ پورا وقت کام میں گزرتا۔ قیام گاہ پر واپس آنے کے بعد بھی لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ہمہ وقت دارالعلوم کے کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے۔ مہمانوں سے ملاقات کا سلسلہ بھی چلتا رہتا۔ ضیافت بھی چلتی رہتی، فون پر بھی بات ہوتی تھی۔ اس عمر میں اتنے مسلسل کام، حیرت ہی ہوتی ہے کہ وہ کس طرح کرتے ہوں گے۔ بجنور کے قیام کے دوران

بھی ٹیلی فون کے ذریعے دارالعلوم سے رابطے میں رہتے۔ ضروری کاغذات ملاحظہ کرنے ہوتے تو گھر پر منگوا لیتے اور مناسب کارروائی کے لیے ہدایات لکھ کر واپس کر دیتے۔

آج جو لوگ ان کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے ہیں ان میں یہ تاثر ہر شخص کا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے اس طرح دارالعلوم کا نظم چلایا کہ کسی کو حرف گیری کا موقع نہیں ملا۔ ہر شخص ان کے ورع وتقویٰ کا اعتراف کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ کہنا نہایت آسان ہے کہ فلاں شخص نہایت متقی ہے لیکن واقعتاً کسی کا متقی ہونا بہت مشکل ہے۔ حدیث شریف میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو شخص ان مشتبہات میں پڑ گیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے جانور جو کسی چراگاہ کے قریب چر رہا ہو اس کے متعلق یہ اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جائے گا، آگاہ رہو کہ اللہ کی چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔'' (صحیح البخاری، ۱/ ۲۸، رقم الحدیث ۵۲) جہاں تک میرا خیال حضرت مولانا اس حدیث پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ وہ مشتبہات سے بھی بچتے تھے اور یہی تقویٰ کا اعلیٰ معیار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مالیات کے سلسلے میں ان کے روپے کو دیکھ کر بعض غیر محتاط قسم کے لوگ ان کو بخیل بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ واقعی وہ بخیل تھے مگر صرف دارالعلوم کے مالیات میں ورنہ فی نفسہٖ وہ بڑے مخیّر اور مہمان نواز انسان تھے۔ ہوسکتا ہے ان کی اس احتیاط پسندی سے بعض لوگوں کو نقصان ہوا ہو لیکن خود انھوں نے اپنی ذات کا اور دارالعلوم کا نقصان ہونے نہیں دیا اور اس عمل سے انھوں نے مدارسِ اسلامیہ کے ان اربابِ انتظام وانصرام کے لیے ایک مثال بھی قائم کردی جو قوم وملت کا سرمایہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور انھیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ قوم نے یہ سرمایہ اس لیے آپ کو نہیں دیا کہ آپ اسے بے دریغ لٹائیں۔ آج کتنے لوگ ہیں جو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ جیسی احتیاط کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ بظاہر تو کوئی مثال نہیں ہے، ویسے اللہ زیادہ جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ مردانِ کار ورع وتقویٰ کی اسی شاہراہوں پر گامزن ہوں جو حضرت مولاناؒ نے اپنے لیے پسند کی تھی۔

ان کی ذات کو نشانہ بھی بنایا گیا، ان پر تنقیدیں بھی کی گئیں، اصل میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ صرف داد وتحسین ہی کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ان پر لعن طعن بھی کیا جاتا ہے۔ یہ کام ان کی طرف سے کیا جاتا ہے جن کے مفادات متاثر ہوتے ہیں، ان کی سخت گیری سے کچھ لوگوں کے مالی مفادات ضرور متاثر ہوتے تھے، اسی لیے انھوں نے بیرونِ دارالعلوم کچھ لوگوں کو استعمال کرکے ان کے خلاف نازیبا تحریریں بھی شائع کرائیں۔ ایک صاحب نے ان کے خلاف کافی کچھ لکھا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ فرشتہ صفت انسان ضرور تھے لیکن بہرحال فرشتہ نہیں تھے۔ ان تحریروں سے ان کے دل پر اثر بھی بہت ہوا، مجبور ہو کر انھوں نے یہ معاملہ مجلس شوریٰ میں رکھا۔ مجلس شوریٰ کے اراکین نے حضرت مولانا پر زور دیا کہ مضمون نگار کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کریں اور دارالعلوم کے مصارف پر کریں۔ اس وقت یہ بات طے ہوگئی کہ دارالعلوم کی طرف سے دعویٰ دائر ہوگا لیکن مجلس کے اختتام کے بعد جب حضرت کو فرصت ہوئی تو اس معاملے پر از سرِنو غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ دعویٰ دائر کرنا ٹھیک نہ ہوگا بلکہ اس معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو لرز کر رہ گیا۔ دل میں خیال آیا کہ کاش حضرت یہیں انتقام لے لیتے اور اسے یومِ احتساب پر نہ چھوڑتے۔

وہ ۱۹۶۲ء سے دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن تھے۔ دورِ طالب علمی میں ہم دیکھا کرتے تھے کہ طویل قد وقامت کے ایک بزرگ شوریٰ کے دوران دارالعلوم کے قریب واقع ایک محلے کے مکان میں مقیم رہتے ہیں اور میٹنگوں میں شرکت کے لیے دفتر اہتمام میں تشریف لاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ بجنور کے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ہیں جو دارالعلوم کا نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ کرایہ لیتے ہیں اور نہ اس کے مہمان خانے میں قیام کرتے ہیں۔ دل پر اس کا بڑا اثر ہوا، مگر وہ مزاجاً یکسو سے رہتے تھے، طلبہ سے گھلنا ملنا انھیں پسند ہی نہیں تھا۔ کئی مرتبہ ہم طلبہ کے بعض معاملات میں ان سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے مگر انھوں نے ہماری ہمت افزائی نہیں کی بلکہ دوسرے اراکین کی طرف ٹال دیا۔ جب وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بن کر تشریف لائے تو طالب علمی کے دور کا یہ تاثر ہمارے دل ودماغ پر حاوی تھا، لیکن بعد میں ہم نے دیکھا کہ یہ شخصیت اس شخصیت سے بالکل مختلف ہے جس سے ہم نے طالب علمی کے دور میں ملاقات کی تھی۔ ہم جب بھی ان سے ملے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے۔ کئی مرتبہ ان کی قیام گاہ پر بھی حاضری کی سعادت

حاصل کی اور ہر مرتبہ ضیافت سے بہرہ ور بھی کیا۔ مسئلہ کیا ہوتا تھا یہی داخلے وغیرہ کی سفارش ہوا کرتی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم کبھی ناکام و نامراد لوٹے ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے کسی طالب علم کی درخواست پر سفارش لکھی، کچھ دنوں کے بعد خیال بھی نہیں رہا کہ سفارش لکھی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں عصر کی نماز کے بعد ہم پر حضرت کی نظر پڑی تو قریب بلاکر فرمایا کہ تم نے فلاں طالب علم کی سفارش کی تھی اسے میرے پاس بھیج دو، اتنی درخواستوں میں نام یاد رہ جانا اور خود اس کے متعلق کچھ فرمانا بڑا حیرت انگیز تجربہ تھا۔ جب تک حضرت کے پاس داخلے کے لیے سفارشوں کا کوٹہ رہا ہم دل کھول کر سفارش لکھتے رہے، ہر سال ایک دو داخلے ہماری سفارش کی بنیاد پر ہو جایا کرتے تھے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ حضرت اپنے چھوٹوں پر شفقت بہت فرمایا کرتے تھے اور ان کی کوئی درخواست رد نہ فرماتے تھے۔ میں نے اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر دارالعلوم کا وسیع وعریض پلاٹ جو اعظمی منزل کے سامنے ہے حاصل کرنا چاہا، اس سے پہلے نہ یہ پلاٹ کسی کو دیا گیا تھا اور نہ کسی نے مانگنے کی جرأت کی تھی، میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، فوراً منظوری مرحمت فرمادی۔ بعد میں کچھ اور لوگوں نے بھی حاصل کیا، لیکن ان کے غیر محتاط اقدامات کی وجہ سے یہ سلسلہ ختم بھی ہو گیا۔ احقر نے یاسر ندیم کی شادی کا دعوت نامہ بھجوادیا تو فوراً ہی فون پر مبارکباد بھی دی اور بارات میں شرکت پر معذرت بھی ظاہر کی، لیکن جب میں نے ازخود حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی شرکت ہمارے لیے بڑی سعادت اور برکت کا باعث ہوگی تو منظور فرمالیا۔ بارات میں شرکت کے لیے دہلی تشریف بھی لے گئے۔ مسجد عبدالنبی پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ فون پر بات ہوئی تو فرمایا کہ میں تو آ گیا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے نکاح میں شرکت نہیں کرسکوں گا۔ انوار کو بھیج رہا ہوں۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن بجنوری تشریف لائے۔ ہر سال آم کی دعوت فرماتے تھے۔ دارالعلوم کے جملہ ملازمین اس میں شریک ہوتے۔ شہر کے بہت سے لوگوں کو بھی دعوت دی جاتی تھی۔ احقر بھی اس فہرست میں شامل تھا، ایک سال میں نہیں گیا تو ملاقات پر ارشاد فرمایا کہ اس بار تم آم کی دعوت میں نظر نہیں آئے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اتنے بہت سے آدمیوں میں یہ یاد رکھنا کہ فلاں شخص نہیں آسکا اور پھر اس سے پوچھنا، یہ محبتیں اور شفقتیں اب کہاں ملیں گی۔

اسی سال جنوری میں ملت اکیڈمی سرکرہ ضلع بجنور کے تعلیمی سیمینار میں شرکت کے لیے جانا ہوا۔ دیوبند سے ہی ارادہ تھا کہ راستے میں کچھ دیر بجنور ٹھہر کر حضرت کی عیادت کروں گا۔ معلوم ہوا تھا باتھ روم میں گر گئے تھے۔ اس وقت صاحبِ فراش ہیں۔ دولت کدے پر پہنچا تو معلوم ہوا مولانا انوار صاحب کسی کے انتقال میں گئے ہوئے ہیں، ارادہ ہوا کہ واپس ہو جاؤں۔ حضرت کے ایک خادم دیوبند سے ہی ہماری گاڑی میں تھے۔ انھوں نے زور دیا کہ ٹھہر جائیں۔ اسی دوران اندر حضرت کو اطلاع دی گئی، حکم آیا بٹھالو۔ ہم لوگ کمرۂ انتظار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ایک شخص کے سہارے سے تشریف لائے۔ بڑی شرمندگی ہوئی کہ ہم نے بلاوجہ زحمت دی، مگر حضرت کے چہرے پر کوئی کبیدگی نہیں تھی۔ بڑی محبت اور شفقت سے ملے۔ خیر خیریت دریافت کی، چائے وغیرہ سے ضیافت کی، اصرار کر کے کھلایا، دیر تک باتیں کرتے رہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے قصّے سناتے رہے کہ وہ ہمارے والد کے ہمراہ تعطیلات میں ہمارے مکان پر آجایا کرتے تھے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے بارے میں بتلایا کہ وہ جب بھی ہمارے مکان پر تشریف لاتے ہماری والدۂ محترمہ ان کی تلاوت ضرور سنتی تھیں۔ ان دنوں وندے ماترم کا مسئلہ اخبارات میں زیر بحث تھا۔ دارالعلوم کا فتویٰ اس کی مخالفت میں چھپا تھا، دیوبند اور سہارنپور میں فرقہ پسند عناصر ہنگامہ کر رہے تھے، میں نے بھی اس سلسلے میں مضامین لکھے تھے۔ فرمایا تمھارا مضمون میں نے پڑھا تھا، اچھا تھا۔ اب تو دیوبند میں کوئی بات نہیں ہے، یہ یادداشت، یہ تیقظ، یہ حاضر دماغی، بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس ملاقات کا دل ودماغ پر اچھا اثر لے کر واپس ہوا۔

ان کی شخصیت نہایت دل آویز تھی۔ انتہائی وضع دار، متواضع، ملنسار، مہمان نواز، بااخلاق انسان تھے۔ یہ تمام خوبیاں اس وقت رخصت ہوگئیں جب ۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء کی شب گیارہ بجے علماء، صلحاء، طلبہ اور عوام کی ایک بڑی تعداد نے ان کے جسد خاکی کو اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر قبرستانِ قاسمی تک پہنچایا اور بزرگوں کے پہلو میں لٹا کر یہ کہتے ہوئے باچشم نم رخصت ہوئے:

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

## قافلۂ ملت کے سالار امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ

# دارالعلوم دیوبند کے ایک مثالی سربراہ

محمد سالم جامعی

''تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم'' کے مصداق آج ملت اسلامیہ کی علمی و دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند پیہم سانحات سے دوچار ہے۔ اسی سال فروری میں دارالعلوم کے سابق صدرالمدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب قدس سرہٗ اپنی پینسٹھ سالہ علمی و دینی خدمات کا شاندار ذخیرہ لے کر اپنے حقیقی رب کی بارگاہ میں پہنچ گئے تھے کہ ۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم دیوبند ہی کے کارگزار مہتمم اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے قدیم رکن حضرت مولانا غلام رسول خاموش قدس سرہٗ نے مختصر علالت کے بعد اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر کے اسی مزارِ قاسمی میں اپنا مسکن بنالیا جہاں درجنوں اکابر دارالعلوم دیوبند محوِ استراحت ہیں۔ وائے افسوس کہ ابھی ان ہر دو بزرگوں کے سانحۂ ارتحال کے غم واندوہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہو پائی تھی کہ ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز بدھ صبح ساڑھے دس بجے وہ حادثۂ فاجعہ پیش آ گیا جس نے نہ صرف دارالعلوم دیوبند کی فضا کو ہی غمناک نہیں کیا بلکہ پوری ملت اسلامیہ آج آہ وفغاں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہماری مراد دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال سے ہے جن کی حیاتِ مبارکہ کے پچھتّر سال دارالعلوم دیوبند کے سایہ میں گزرے ہیں۔ دراصل آپ کی شخصیت ایک ایسے شجرِ سایہ دار کے مانند تھی جس کی ٹھنڈی اور دل آویز چھاؤں میں یاس وحرماں کے انتہائی افسردہ ماحول میں فرحت بخش ہوا کرتی ہے۔ مولانا مرحوم کی ایک سو سالہ زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے قیمتی پچھتّر سال یا تو دارالعلوم کے زیر سایہ طلب علم میں گزرے یا بحیثیت رکن شوریٰ ومعاون مہتمم یا پھر بحیثیت مہتمم ہی گذرے ہیں۔ اس طرح آپ کی تین چوتھائی زندگی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں ہی گذری جس کی تحریک آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

مولانا مرحوم کی ولادت ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں شمالی ہند کے ایک مردم خیز شہر بجنور میں ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ فاضل دارالعلوم دیوبند وتلمیذ رشید شیخ الہندؒ مولانا مشیت اللہ صاحبؒ کے گھرانہ میں ہوئی۔ مولانا مشیت اللہ صاحبؒ دل کے غنی، عقیدہ کے مومن، عمل کے مسلمان، بھولے پن اور سادگی کے پیکر تھے۔ زمیندار ہوتے ہوئے بھی دنیاوی کرّوفر سے کوسوں دور رہتے تھے۔ مہمان نوازی اور علماء پروری کے لیے دور دور تک مشہور تھے۔ معمولی لباس کرتا پائجامہ استعمال کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنی زمینداری کی نگرانی کے علاوہ مادرِ علمی دارالعلوم میں مسلسل حاضری، رفقاء و اساتذہ کی خدمت اور بحیثیت رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم کے انتظامی امور میں معاونت مولانا مرحوم کا خاص شیوہ تھا۔ ''الولد سر لابیہ'' کے مصداق آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ بھی آپ کا ''پرتو'' ثابت ہوئے اس لیے کہ یہ ظاہر ہے کہ ایسے دیندارانہ اور عقیدتمندانہ وخادمانہ ماحول میں جو بچہ جنم لے گا وہ اس ماحول سے لازمی طور پر متاثر ہوگا۔ چنانچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ مولانا مرغوب الرحمٰن مرحوم بھی اپنے والد مرحوم کی طرح انتہائی سادہ، منکسر المزاج اور خادمانہ مزاج کے حامل تھے۔

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی تعلیم کی ابتدا مدرسہ رحیمیہ بجنور سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ، حضرت العلامہ مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور دیگر اکابر اساتذۂ دارالعلوم سے شرفِ تلمذ حاصل کرتے ہوئے ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ بھی اپنے آبائی پیشے زمینداری کی نگرانی کرنے لگے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کو مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی طلب پر آپ کو مجلس شوریٰ نے معاون مہتمم کے منصب پر فائز کیا اور پھر ۱۹۸۲ء میں حضرت حکیم الاسلام کے استعفیٰ کی منظوری کے بعد آپ کو مہتمم دارالعلوم کا عظیم منصب سپرد کر دیا گیا جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔ اپنی ان جملہ خدمات کا آپ نے کبھی دارالعلوم سے نہ صرف کوئی معاوضہ نہیں لیا بلکہ اپنی جیب خاص سے رہائش گاہ، پانی اور بجلی کے لیے ایک خطیر رقم عطا فرماتے رہے۔ آپ کا ویسے بھی دارالعلوم کے خصوصی معاونین میں شمار ہوتا رہا ہے۔

امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی شخصیت دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک عظیم نعمت اور مثالی سربراہ کا درجہ رکھتی تھی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ۱۹۸۲ء کے بعد پیدا ہوئے سخت ترین حالات اور عبوری دور سے باہر نکالا۔ ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے مثالی ترقی کی ہے۔ انھوں نے ایشیا کی سب سے بڑی مسجد رشید تعمیر کرائی اور ان کے ہی دور میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں معیاری انگلش، کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات شامل کیے گئے اور ان کے لیے باضابطہ شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ تحفظ ختم نبوت اور رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مہم مولانا مرحوم کے اہم کارناموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے دورِ اقتدار کی خاص بات یہ رہی کہ طلبا و ملازمین ان سے ہر طرح مطمئن رہے۔

مولانا مرحوم جرأت اور اصابت رائے کے لیے مشہور تھے۔ وہ مفادِ دارالعلوم میں جو بھی فیصلہ لیتے انتہائی غور وفکر کرنے کے بعد لیتے اور جو فیصلہ لے لیتے اس پر پوری طرح قائم رہتے تھے۔

مولانا مرحوم نے بیرونی ممالک بالخصوص مغربی ممالک میں کافی شہرت حاصل کی۔ عالم اسلام کی اہم شخصیات میں سب سے پہلے جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکہ کو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد کہا تھا۔ انھوں نے اپنے دورِ اہتمام میں ہمیشہ دارالعلوم کو سیاست سے دور رکھا۔ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اپنی تہذیب وروایات اور اقدار کے لحاظ سے جس قدر خلیق، متواضع اور حلم مزاج و ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے تھے اسی قدر دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور اور مفادِ دارالعلوم میں لیے گئے فیصلوں کو نافذ کرنے میں سخت گیر بھی تھے، جس کے سبب وہ کئی بار ہدف تنقید بھی بنے لیکن دارالعلوم دیوبند کے تحفظ اور اس کے فروغ کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مفادِ دارالعلوم ان کے یہاں ہر اعتبار سے مقدم تھا۔

مولانا مرحوم ایامِ طفلی سے ہی بیشمار خوبیوں اور ہمہ صفت و ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتی ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو حضرت فدائے ملتؒ کے انتقال کے بعد ۲۰۰۶ء میں امیرالہند کے منصب پر فائز کیا گیا جس پر آپ تادم واپسیں قائم رہے اور اپنی علمی و دینی وجاہت سے اس عہدۂ جلیلہ کو عظمت بخشی۔ آپ نے مسلسل تیس سال تک دارالعلوم دیوبند کے عہدۂ اہتمام کو زینت بخشی۔ اس دوران آپ نے اپنے پروقار برتاؤ سے نہ صرف طلباء واساتذہ کو متاثر کیا بلکہ من جانب اللہ عطا کردہ تربیت کے خصوصی انداز کو بھی آخر تک زندہ رکھا۔ آپ کی زیرتربیت دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت لے کر نکلنے والے ہزار ہا ہزار ایسے طلباء کی جماعت موجود ہے جن میں نہ معلوم کتنے عارف باللہ قطب وقت دین کے رمز شناس اور علم وعمل کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں اور جن کی ایک بڑی تعداد آج مختلف معتبر اداروں میں مسند انتظام واہتمام انتہائی سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے حیاتِ اُخروی کے لیے یہ آپ کا ایک ایسا سرمایہ ہے جو آپ کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے۔

امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کے دینی وعلمی حلقوں کا ایک ایسا عظیم نقصان ہے جس کی تلافی بظاہر حالات ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس وقت حضرت مرحوم ومغفور ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ وہ اپنے رب کے پاس اپنے اعمالِ خیر کا صلہ پانے کے لیے پہنچ چکے ہیں۔ اب ہم ان کی رحلت پر ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت اور ظاہری طور پر اپنی آنکھوں سے آنسو بہانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کی صبح ساڑھے دس بجے جیسے ہی مولانا مرحوم نے اپنی آخری سانس لی فوراً ہی اس کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے کونہ کونہ میں پھیل گئی۔ پورا ماحول سوگوار ہوگیا اور عوام کا ایک ہجوم بجنور اور دیوبند کی طرف چل پڑا۔ پہلے بجنور میں بعد ظہر چار بجے نمازِ جنازہ ہوئی پھر جنازہ دیوبند کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں جگہ جگہ عوام کا ہجوم حضرتؒ کے دیدار کے لیے پلکیں بچھائے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔ رات کو نو بجے جنازہ دیوبند پہنچا جہاں پہلے دس ہزار سے زائد طلباء، علماء اور عوام نے حضرت کے جسدِ خاکی کی زیارت کی اور پھر رات کو گیارہ بجے دوسری نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن نے پڑھائی اور اس کے بعد پرنم آنکھوں کے ساتھ آپ کو مزارِ قاسمی میں پیوند خاک کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے، آمین۔

بہر حال مولانا مرحوم اس دُنیا میں آئے اور اپنی زندگی کے ایک سو برس انتہائی کامیاب و بامراد طریقہ پر گزار کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے جو تابناک علمی وعملی نقوش چھوڑے ہیں وہ انشاء اللہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ اس لیے کہ زندگی بھر انھوں نے ایمان وایقان، صبر واستقلال، تزکیۂ نفس اور علم وعمل کی جو صدائیں لگائی ہیں وہ آنے والے افراد، اداروں اور دارالعلوم کے عزیز تلامذہ کی برابر رہنمائی کرتی رہیں گی، کیونکہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اشتہار پورا صفحہ

مدرسہ قادریہ دعوت القرآن ٹملی

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ایک عبقری شخصیت

مولانا جمیل احمد، استاذ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند ان عبقری اور نابغۂ روزگار شخصیتوں میں سے تھے جنہیں حق تعالیٰ شانہ حالات و ماحول کے مطابق دنیا میں بھیجتے ہیں، جو اپنی عبقریت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر وقت کے تقاضوں اور سماج کے چیلنجوں سے نبرد آزما ہوکر برق وباد کی مخالفتوں اور طوفان بلاخیز کی موجوں کا رخ اپنی حکمت عملی، فراست ایمانی اور حزم و مصلحت اندیشی سے موڑ دیتے ہیں۔

آپ کا تیس سالہ دور اہتمام اس کی زندہ مثال ہے، جس زیرکی ودانائی، خلوص ومحبت، اتحادِ عمل اور حسن تدبیر سے ادارہ کی خدمات کا دائرہ وسیع کیا ہے اور اس شجر ثمر آور کے سائے میں تشنگانِ علم ومعرفت کو سکینت وسیرابی حاصل ہوئی ہے وہ آپ کی پیہم کاوشوں ومخلصانہ دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

حضرت مولانا دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ تو مشیت ایزدی ہے۔ ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا، ان اجل اللّٰہ اذا جاء لا یؤخر افراد آتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور تا قیامت چلتا رہے گا لیکن کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیچھے بہت سی یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں۔ دنیا جن پر آنسو بہاتی ہے۔ انھیں اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرتی ہے، ان کی یادیں و باتیں سینے میں بساتی ہے۔ ان کے تذکروں سے سکون ملتا ہے، اور آنے والوں کیلئے اس میں درسِ عبرت پنہاں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کی شخصیت یقیناً انھیں افراد میں سے ہے، جنھیں برسوں یاد کیا جائے گا۔ ان کی یادیں و باتیں ملت کے افراد کو تڑپاتی رہیں گی، آپ کے انتقال سے ایسا خلا محسوس ہوتا ہے جسے پر کرنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے پہلے رکن شوریٰ اور پھر مہتمم رہے ان پر پوری ملت کی ذمہ داری تھی۔ اس ادارے کو بارگاہِ ایزدی سے یہ شان عطا ہوئی ہے کہ یہاں کے عمل ورد عمل اور یہاں کی خوبی وناخوبی کا اثر پوری امت پر پڑتا ہے۔

ملت کے بہت سے قلوب اس سے وابستہ ہیں۔ اس کا فیض دنیا کے بے شمار مقامات پر پھیلا ہوا ہے اس لئے اس کے دھڑکنے سے وہ قلوب دھڑکتے ہیں یہاں کی خوشی سے وہ جھومتے ہیں اور یہاں کے اضطراب سے ان میں بے کلی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کی بصیرت، معاملہ فہمی اور حسن انتظام وانصرام نے ملت کے دردمند وغیور دلوں میں اتحاد باہمی کی فضا پیدا کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا، آپ نے اہتمام کے منصب جلیل پر فائز ہونے کے بعد امت کے اعتماد و وقار کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا، تعلیمی وتعمیری اعتبار سے دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ طلبہ میں بھی اطمینان کی فضا رہی۔ اساتذہ وملازمین کا بھی آپ پر بھرپور اعتماد رہا، اندرونی حالات پر بھی آپ کا کنٹرول رہا اور باہر سے اٹھنے والے فتنوں کا آپ نے بہت صبر وتحمل، محتاط لب ولہجہ اور متانت وفکری بلندی سے جواب دیا۔ اسلام کے خلاف اٹھنے والے مسلسل حملوں نے دارالعلوم کو اپنا ہدفِ تنقید بنایا اور خاص طور پر یہاں سے اٹھنے والی تحریکوں اور یہاں کے فارغین کو اپنا مرکزی نقطۂ نگاہ بنا کر انھیں دہشت گرد، رجعت پسند قرار دیا جانے لگا۔

آپ کے دور اقتدار میں نہ یہ کہ اس کا جواب دیا گیا بلکہ آپ نے اقدام کر کے خود سامراجی دنیا کو ملزمین کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کر دیا اور دارالعلوم کی خدمات اور اس کے وقار واحترام کو اور بلند کیا۔ یہ بھی آپ کی بصیرت ودور اندیشی ہے کہ آپ نے دارالعلوم کو کسی خاص سیاسی نظریہ کا جامہ نہ پہننے دیا۔ اسے پولیٹیکل سے دور رکھا اور اخلاقی سطح پر اس کے معیار کو بلند کیا۔ دارالعلوم کو آپ نے بہت وقت دیا، آپ کی یہی سوچ رہتی کہ اس کی ترقی کیونکر ممکن ہے، اس آخری دورِ علالت میں بھی آپ نے اسے ہی اوڑھنا بچھونا بنایا اور یہ خدمات فی سبیل اللہ انجام دیں، کبھی کوئی مشاہرہ نہیں لیا، بلکہ بہت سے طلبہ کو آپ اپنی طرف سے وظائف دیتے، بہت سے غریبوں، بیواؤں، مسکینوں اور مفلوک الحال لوگوں کی خبرگیری کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی دولت بھی عطا

فرمائی تھی۔

حضرت مولانا کی شخصیت شرافت طبعی، حسن اخلاق، مروت وحمیت، علم وعمل، فضل وکمال اور پاکیزہ زندگی کا مجموعہ تھی۔ آپ خلیق، حلیم الطبع، منکسر المزاج، متواضع، شگفتہ رو اور کشادہ فطرت تھے۔ اپنے بیگانے اور وہ افراد بھی جنہیں آپ سے معاصرانہ چشمک تھی آپ کی عالی ظرفی، خوش اخلاقی، نرم روی، بلند حوصلگی اور فطری شرافت کے قائل تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی باوقار مجلس میں بہت سے حضرات تشریف فرما تھے خادم بھی مجلس میں حاضر تھا۔ ایک صاحب نے دوران گفتگو عرض کیا کہ یہ حضرت دارالعلوم کے باوقار منصب اہتمام پر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو فائز کردیا۔ اس پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا۔ وہ بڑے رکھ رکھاؤ کے آدمی ہیں۔ سادہ مزاج، شریف الطبع اور خلیق ہیں۔ پھر ان آنکھوں نے ان کا دورِ اہتمام بھی دیکھا ہے کہ کس طرح آپ نے اپنے ماتحتوں ورفقاء کے ساتھ خوش خلقی وعالی ظرفی کا مظاہرہ کیا سب کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی عزتِ نفس کا برابر خیال رکھا ملازمین ومدرسین سبھی آپ سے مطمئن تھے اور احترام وعقیدت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ اپنوں وبیگانوں کے ساتھ کمال شفقت سے پیش آتے۔ پورے اعتدال وتوازن وجامعیت کے ساتھ ادارہ کی ترجمانی فرماتے اور اس اسلامی قلعہ کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط کرنے میں مصروف رہتے۔

لکھنے والے حضرات، حضرت مولانا کی گوناگوں صفات اور ان کے متنوع کمالات کا بھرپور تذکرہ کریں گے، تذکرہ نگار اور قلمکار ان کے تذکرے وسوانحی خاکے لکھیں گے جن سے دلوں کو تسلی بھی ملے گی اور بعد میں کام کرنے والوں کیلئے ایک راہ بھی متعین ہوگی۔ ان کے نقوش زندگی سے افسردہ طبیعتوں کو ہمت وحوصلہ ملے گا آپ کی زندگی کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جنہیں یقیناً قدرت نے آپ کی فطرت میں ودیعت فرمائے تھے اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے بہت نازک حالات میں دارالعلوم کی قیادت آپ کو عطاء فرمائی تھی۔

آپ نے ان حالات کا بڑی خوش اسلوبی، معاملہ فہمی اور درک وبصیرت کے ساتھ مقابلہ کیا اور دلوں کو مجروح کئے بغیر حوصلہ واستقامت کے ساتھ ایسے فیصلے کئے جو دارالعلوم کی تاریخ کو نیا موڑ عطا کرتے ہیں اور اسے بام عروج پر پہنچانے میں آپ کی حکمت وفراست، بصیرت وتحمل اور چابک دستی کو کلیدی کردار حاصل رہا ہے۔ آپ کی ذاتی زندگی بھی دیانت وامانت، اخلاق وکردار اور شرافت ومروت کا مجسمہ تھی۔ رہن سہن، رفتار وگفتار، وضع، قطع حد درجہ شریفانہ تھا۔ جذب وسوز، اخلاص وایقان اور تعلق مع اللہ کی کیفیات سے بھی سرشار تھے۔ یہ دین متین ظاہرو باطن کے حسن کا جامع ہے اور یہ جامعیت حضرت مولانا کی زندگی کا جزلاینفک تھی آپ کے تذکرہ نگار یقیناً ان تمام گوشوں کو اجاگر کریں گے یہ بے بضاعت اور قلم وقرطاس سے بے بہرہ کیا لکھ سکتا ہے؟

اس خاکسار کی تقرری میں جس حسن اخلاق، دلچسپی بلکہ عالی ظرفی اور انبساط وسرور کا مظاہرہ کیا یہ ان کے بڑکپن اور خردنوازی کی دلیل ہے آپ نے کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ گزرے ہوئے واقعات بھی نہاں خانۂ دل میں محفوظ ہوسکتے ہیں۔ ملاقات پر محبت وخلوص اور اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرماتے بار بار پوچھتے کہ آپ سے متعلق کون سے اسباق ہیں ہر ملاقات پر ان کی کرم فرمائی اور اپنی نیازمندی میں اضافہ ہی ہوتا گیا انتقال پر ملال سے ہفتہ عشرہ قبل جب ان کے وطن بجنور عیادت کیلئے حاضری ہوئی اس وقت بھی کمالِ شفقت کا مظاہرہ کیا اپنے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ بھائی مولانا جمیل صاحب کو ناشتہ بھی کرایا ہے بار بار دعاء دیتے رہے ان کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ چہرے بشرے سے گرچہ معلوم ہورہا تھا کہ مدت کا تھکا ہارا دنیا کا یہ مسافر اپنی اصلی آرام گاہ کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف ہے ہم نے واپسی کی اجازت لی اور دیوبند واپس آگئے، پھر جس کا اندیشہ تھا جلد ہی حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون، انّ لِلّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی. وکل شیء عندہ باجل مسمّٰی.

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

فوز وفلاح صرف اس کے لئے ہے جس نے دنیا کو صرف گزرگاہ بنایا اور یہاں رہ کر آخرت کیلئے زادراہ تیار کیا ہمیں یقین ہے کہ مالک کائنات کی رحمت کا شامیانہ ضرور حضرت مولانا کی قبر پر سایہ فگن رہے گا صحیح بات یہ ہے کہ ہم کس کو تعزیت کا پرسا دیں ہم خود تعزیت کے مستحق ہیں، صدمہ شدید ہے لیکن صبر عزیز ہے اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو معطر فرمائے اور قیامت میں ان کا حشر صالحین کے ساتھ فرمائے، آمین۔ ◻◻

# اہتمام دارالعلوم دیوبند۔۔پس منظر اور پیش منظر

مولانا محمد عمران قاسمی بھگیانوی (ایم اے علیگ)

امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جن کو سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھنے کی قلم کو کافی مشق کرنی پڑے گی، ابھی تک تو جیسے ذہن یہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں تیسرے سب سے طویل دور کے مہتمم اب اس دارِ فانی سے کوچ کر کے دارالبقاء کو رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی جو طویل عرصہ تک خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش اور قابل تقلید ہیں۔ ہر شخصیت اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ جاتی ہے جس کو من کل الوجوہ پُر کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے، الا ماشاء اللہ۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اوّل سے لے کر مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ تک جتنے حضرات اس عہدے پر فائز رہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ اس عہدے نے ان کو سرفرازی اور عزت افزائی کا موقع دیا، وہ سب ہی کسی نہ کسی ایسی خصوصیت کے حامل رہے ہیں جو بعد میں آنے والے ان کے جانشینوں میں نہ مل سکی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعد میں آنے والی شخصیت اپنی کسی دوسری انفرادی خصوصیت کے سبب اپنی پیش رو شخصیت سے زیادہ مشہور ہوگئی۔ دارالعلوم دیوبند کے عہدے اہتمام پر طویل عرصہ تک فائز رہنے والی شخصیات پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے اندر جو ہمت و جرأت تھی، حکومت قاہرہ سے دارالعلوم دیوبند کو بچانے کی حکمت عملی، تعلیمی و تدریسی ترقی کے ساتھ ساتھ مالی اور اخلاقی حمایت کے حصول کے لیے انھوں نے دارالعلوم کے مالی وسائل بڑھانے اور انگریزی حکومت کی ٹیڑھی نگاہ سے اس کی حفاظت کے لیے نظام حیدرآباد کی حکومت میں چیف جسٹس کا عہدہ قبول کیا، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نظام حیدرآباد انگریزوں کا ہمنوا تھا۔ ان کے باپ (یعنی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کی تلاش میں انگریز حکومت دیوبند کی گلیاں تک چھانتی پھر رہی ہو، اس کا دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے کا ذمہ دار ہو کر اُس کو انگریز کی دست برد سے بچانا بلکہ اس کو انگریز حکومت کا ایک بڑی جاگیر کے ساتھ شمس العلماء کے خطاب کی پیشکش کرنا، یہ مولانا محمد احمد صاحب کی فراست وزیرکی کا کمال ہی کہا جائے گا۔ اس معنی میں دیکھیں تو ان سے زیادہ مدبر و فریس اور بھنور سے کشتی نکالنے والا اُن کے بعد کوئی نظر نہیں آتا۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مردم سازی اور داخلی انتظام وانصرام میں جس منفرد اور بے پناہ صلاحیت کے مالک تھے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ چنانچہ یوں تو دارالعلوم دیوبند میں ہر دور کے اندر علمی، تدریسی، تصنیفی، تحریری، انتظامی، ملّی اور سیاسی شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں، لیکن مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے دور میں جس قدر ہیرے تراشے گئے ان کی کیفیت کے حسن کے ساتھ ساتھ کمیت بھی بڑی تعداد میں ملتی ہے۔ ان کے دور کی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تاریخِ دارالعلوم کی زیادہ تر شخصیات اسی دور کی ہیں جن میں سے اکثر تو مولانا عثمانیؒ کے شاگرد ہیں اور جو باضابطہ شاگرد نہیں، ان کی علمی واخلاقی تراش خراش میں بھی ان کا اہم کردار ہے۔ اس معنی میں دیکھا جائے تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کا ثانی ان کے بعد عہدۂ اہتمام کو نصیب نہ ہوسکا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی علمی اور انتظامی اعتبار سے جو خدمات انجام دیں وہ بھی اپنے لحاظ سے منفرد ہیں۔

علامہ عثمانیؒ زبردست علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ جس ملکی اور ملّی فراست کے مالک تھے، ان کے جانشینوں میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا۔ ان کی علمی بلند قامتی کی خوشبو تو دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں میں مہک رہی تھی، لیکن ان کے سیاسی تدبر اور ملکی وملّی خدمات کی صلاحیت پاکستان میں کھل کر سامنے آئی، جہاں انھوں نے ایک نوپید اسلامی مملکت کے وجود کی بقا اور اس کے خدوخال طے کرنے میں اہم کردار نبھایا، جس کے بغیر اس پاکستان کی تعمیر ممکن نہ تھی جو آج بڑی سے بڑی علمی اور مادّی طاقت کا حلیف بننے اور اپنی اہمیت تسلیم کرانے کا اہل ہے۔

پاکستان میں جو آج دارالعلوم دیوبند کے ہم مشرب اداروں کا ایک طویل جال پھیلا ہوا ہے، اور جو اسلافِ امت کی ہر روایت اور ہر جو ہر کو کسی نہ کسی شکل میں پروان چڑھا رہے ہیں، اس میں یقیناً اس کا بڑا دخل ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وہاں کے علماء کے سرخیل بنے اور پارلیمنٹ کے اندر و باہر انھوں نے اس ملک بلکہ پوری امت مسلمہ کی رہنمائی کا اہم فریضہ انجام دیا۔ اگر ان کی ہمہ جہت شخصیت کو مرکز توجہ بنایا جائے تو بعد والوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کا دورِ اہتمام سب سے طویل رہا ہے۔ اگر ان کی شخصیت پر ایک اُچٹتی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا

کہ دیوبندیت کی تشریح، مسلکِ دارالعلوم دیوبند کی حفاظت واشاعت، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حوالے سے زبردست ملّی خدمات، ملت اسلامیہ کے مختلف العقیدہ ومنتشر الرائے مکاتب فکر کو ایک اسٹیج پر لانے، اسلامی علوم کی اپنی تصانیف وخطابات سے ترویج واشاعت، متکلمین اسلام کی روایات کو آگے بڑھانے، دارالعلوم کی ہمہ جہت ترقیات اور اپنی سادگی وبے نفسی کے جو نقوش انھوں نے چھوڑے بعد میں آنے والا اب تک اپنے نقشِ پا کو ان کے مماثل نہ بنا سکا۔ اس معنی میں دیکھا جائے تو تاریخ دارالعلوم میں وہ ایسی بے مثال شخصیت گزری ہے جس نے اگر اپنے پیش روؤں کی بہت سی خصوصیات کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا تو بعد میں آنے والوں کے لیے وہ ایک مثال اور نمونہ بن گئی۔ اس لیے کہنا چاہیے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد ان کا صحیح معنوں میں جانشین بھی کوئی نہ بن سکا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کی ان شخصیات کی تابندہ روایات کو آگے بڑھایا جنھوں نے سادگی و للّٰہیت کا پیکر رہتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی بےلوث خدمات انجام دیں۔ حافظہ میں کئی ایسی شخصیات کے نام محفوظ ہیں جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے کوئی تنخواہ نہیں لی، اور ایسے تو بہت ہیں جنھوں نے برائے نام مشاہرہ لیا، یا بڑی بڑی تنخواہوں پر دارالعلوم دیوبند کی معمولی تنخواہ کو ترجیح دی، بلکہ زیادہ مشاہروں کی ملازمت چھوڑ کر دارالعلوم کی بہت کم تنخواہ پر بخوشی اس ادارے کی خدمات انجام دیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ نے جس طرح دارالعلوم کے اساتذہ وطلباء کی راحت رسانیوں کا خیال رکھا اور بہت زیادہ وقت دارالعلوم اور اس کے کارکنوں کو دیا، اس میں وہ منفرد نظر آتے ہیں۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ کئی سال قبل دارالعلوم کے اطراف کے دکانداروں سے طلبہ دارالعلوم دیوبند کا تنازعہ ہوگیا جس میں بات یہاں تک بڑھی کہ کچھ شرپسند عناصر نے (جنھیں دارالعلوم کے طلبہ لکھتے ہوئے قلم ہچک رہا ہے) متعدد دُکانوں میں توڑ پھوڑ کردی۔ اگلے روز مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے دکانداروں کو بلایا اور کہا کہ بھائی آپ قانونی کارروائی نہ کریں، یہ بھی ہمارے اور آپ کے بچے ہیں، مشتعل ہوگئے، جوش میں غلطی کربیٹھے۔ آپ حضرات اپنے نقصان کی فہرست بنا کر دے دیجیے، میں بخوشی اپنی جیب سے اس کو ادا کروں گا۔ مہتمم صاحب کی اس سادگی، حسن اخلاق اور کریمانہ پیشکش کا یہ اثر ہوا کہ کسی بھی دُکاندار نے کچھ لینا قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ ہمارے ہی بچے ہیں، جو ہوا ہمیں اس کا کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اپنی بعض گوناگوں صفات کے سبب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بھی اپنے پیش روؤں کے لیے نیک نامی اور اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک نمونہ بن گئے۔ اب تک چند سابقہ مہتمم حضرات کی ایک مختصر سی جھلک پیش کی جارہی تھی، گویا کہ ایشیا بلکہ دنیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے عہدۂ اہتمام کا یہ ایک پس منظر تھا۔ اب ایک نگاہ پیش منظر بھی بھی ڈالنی ضروری ہے۔

ایک ہندی روزنامہ کے مطابق مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی کو فی الحال ایک ماہ کے لیے اس اہم عہدہ پر فائز کیا گیا ہے، جو یقیناً ان کے لیے باعث فخر اور لائق صد شکر وامتنان ہے۔ میری مندرجہ ذیل سطور کو کسی کی شخصیت کو مجروح کرنے اور کسی خاص فضا کے ہموار کرنے پر محمول نہ کیا جائے۔ میں ایک طفل مکتب ہوں، کسی طرح کی علمی یا انتظامی شناخت بھی میرے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے۔ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک عام اور گمنام سا طالب علم رہا ہوں، اور خوش قسمتی سے دارالعلوم دیوبند کے علاقے علمی سرزمین مظفرنگر کی پیداوار ہوں۔ دارالعلوم دیوبند سے محبت اور اکابر دارالعلوم سے نسبت کو اپنے لیے سرمایۂ نجات تصور کرتا ہوں۔ اس عظیم درسگاہ سے خوشہ چینی کے سبب جو کچھ اپنے دامنِ علم میں سمیٹ سکا، جو ادنیٰ سمجھ اور شعور اس ادارے اور وہاں کے اساتذہ کے طفیل پروان چڑھ سکی اسی کی روشنی میں یہ حقیر گزارشات پیش کررہا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند ایک ایسا ادارہ ہے جو پورے ملک ہی نہیں بلکہ اپنے ہم مشرب مدارس ومکاتب کے لیے اپنے ہر عمل سے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس لیے اس کی تعلیم وتدریس کے اعلیٰ معیار کے ساتھ اس کے انتظام وانصرام اور ضابطے کے عہدوں میں بھی ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ آج کل دینی مدارس میں بھی ملّی اور ملکی سیاست کے مسموم اثرات گھس آئے ہیں، ایسے میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ مدارس کے ذمہ دار (اور خاص طور پر امّ المدارس دارالعلوم دیوبند کے) وہ حضرات بنیں جو خالص علمی اور دینی مزاج رکھتے ہوں۔

جو مدارس کی روح اور مسلک کے حامل ہی نہیں بلکہ علمبردار ہوں، وہ کسی گروہ بندی کے رفیق اور فریق تو کیا روادار تک نہ ہوں، وہ اسلاف کی روایات کو آگے بڑھانے والے ہوں، نہ کہ حالات کے سامنے خودسپردگی کرنے والے، وہ زمانہ ساز ہوں نہ کہ زمانہ باز۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی اہم بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص کسی ادارے کا ذمہ دار بنے وہ اس کے تعلیمی، تدریسی اور انتظامی معاملات سے ایک معقول عرصہ تک جڑا رہا ہو، کیونکہ زمینی سطح (یعنی طلبہ ومدرسین اور عام کارکنوں) سے جڑنے کے بعد ہی بہت سی مرتبہ وہ انتظامی بصیرت پیدا ہو پاتی ہے جو صرف گاہے گاہے کی حاضری اور دریافتِ احوال سے پیدا نہیں ہو پاتی۔

دارالعلوم دیوبند جیسی جگہ میں باہر سے کسی مہتمم کا تقرر کرنا محاسن سے

زیادہ مفاسد کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔اس سے ایک تو یہ بے اعتمادی جھلکتی ہے کہ پہلے سے مقرر شدہ نائب مہتمم صاحبان اپنے اصل عہدے کے اہل نہیں ہیں، جبکہ ہر انتظامی ادارے میں (خواہ وہ حکومت کے اعلیٰ عہدے ہی کیوں نہ ہوں) نائب کے لیے تقرر اسی شخص کا ہوتا ہے جو درحقیقت اصل عہدے کا حقدار ہوتا ہے، چنانچہ بوقت ضرورت اصل ذمہ دار کی جگہ بلاتکلف ان کو اختیارات اور ترقی دی جاتی ہے۔ ایسے میں دو دو نائب مہتمم صاحبان کے ہوتے ہوئے ایک عارضی مدت کے لیے بھی ان کو اس عہدے پر پروموٹ نہ کرنا خوش آئند علامت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ مہتمم دارالعلوم کو دارالعلوم ہی نہیں بلکہ دیوبند، اہلِ دیوبند، علاقائی مدارس اور اطرافِ دیوبند میں بھی ایک متعارف اور واقفِ حالات شخصیت ہونا چاہیے۔ ہر علاقے کی کچھ خصوصیات اور اثرات ہوتے ہیں جس کو اہلِ علاقہ یا وہاں کی طویل مجالست وملازمت ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں، خصوصی اہلِ علاقہ اور عموماً پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے میں علاقائی اثرات، ذوق ومزاج، باشندگانِ اطراف کی مزاجی خصوصیات سے ناآشنائی ایک مہتمم کے لیے ترقی کے بجائے سامانِ تنزلی بہم پہنچانے کا کام کرسکتی ہے۔

عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دارالعلوم کے قریبی اضلاع میں جو مدارس ہیں وہاں کام کرنے والے فضلائے دارالعلوم وقتاً فوقتاً دارالعلوم آتے رہتے ہیں، بلکہ یہاں ہونے والے تمام پروگرام اور علمی مجالس کو کامیابی کے اُفق پر لے جانے کا سہرا انھیں کے سر رہتا ہے، ایسے میں اگر کسی ایسی شخصیت کے ہاتھ میں اس ادارے کی باگ ڈور دی جائے جو ابھی تک یہاں دارالعلوم اور اس کے اطراف میں مرجعِ خواص وعوام نہ رہی ہو بلکہ ہندوستان کے کسی دوسرے علاقے کی مشہور اور نمائندہ ہو تو اس سے موانست وہم آہنگی میں کافی وقت لگ سکتا ہے اور یہ بہت سی تعلیمی وتدریسی اور انتظامی سرگرمیوں میں تعطل پیدا کرسکتا ہے، جس سے بعد میں پیچیدگیاں جنم لے سکتی ہیں۔ ایک بہت بڑا مفسدہ باہر کی کسی شخصیت کو ایسے مرکزی عہدے پر لا بٹھانے کا یہ ہے کہ اب تک تو اداروں کی داخلی چپقلش ہی موضوعِ بحث اور تگ ودو کا میدان رہتی تھی، چنانچہ مدارس کے اہتمام کے حصول کے لیے آئے دن ملک بھر کے مدارس سے جو ناخوشگوار واقعات سامنے آتے رہتے ہیں وہ اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اب یہ مسابقت ملکی پیمانے پر دارالعلوم دیوبند جیسے اداروں کے عہدے حاصل کرنے کے لیے شروع ہوجائے گی جس سے مدارس کے روحانی نظام کی موت یقینی ہے۔□□

# کیا خوب مہتمم تھے، خدا مغفرت کرے

ظفر سعیدی، حیدرآباد

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن ایک جید عالم دین، خداترس انسان اور مشہور ومعروف جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ، ملتِ اسلامیہ کے بزرگ قائد اور جامع صفات کے حامل شخص تھے۔ آپ کی ولادت ۱۹۱۰ء میں صوبہ اُترپردیش کے تاریخی قصبہ بجنور کے ایک بڑے زمیندار اور علم دوست صدیقی خاندان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اس وقت کے مایہ ناز علمائے دیوبند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کا تعلق ایک انتہائی متمول گھرانے سے تھا جن کے پاس ایک ہزار...... سے زائد زرعی اراضی موجود تھی۔ ان کے والد مرحوم مولانا مشیت اللہ صدیقی جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم رکن تھے۔ والد ماجد کی نصیحت کے مطابق وہ ہمیشہ جمعیۃ سے منسلک اور ہر طرح کے حالات میں جمعیۃ کی پالیسی سے متفق رہے۔ جمعیۃ علماء ہند سے ربط و تعلق کے سبب ہی جمعیۃ کے سابق صدر نے آپ کو امیر الہند منتخب کیا اور تاحیات وہ اس منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وہ اپنے گھر کی چہار دیواری تک محدود ہوگئے۔ زندگی کے پانچویں عشرے (۱۹۶۲ء) میں انھیں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا گیا جس کے بعد وہ ملّی واسلامی مفادات کے تئیں عملی طور پر متحرک ہوئے۔ آپ بیحد خاموش طبیعت انسان تھے۔ اسی وجہ سے مجلسِ شوریٰ کی نشست میں عموماً اراکینِ شوریٰ کی توجہ ان پر مرکوز رہتی۔ وہ مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن فیصل تھے جن کی ذات پر مجلسِ شوریٰ کے حتمی فیصلے کا انحصار ہوتا تھا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن دارالعلوم دیوبند کے آٹھویں مہتمم تھے۔ آپ نے تقریباً تیس سال تک دارالعلوم کے مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۱ء میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے آپ کو اپنی کبرسنی کی وجہ سے اپنا معاون مہتمم بنانے کی سفارش کی۔ اراکینِ شوریٰ نے اجلاسِ صدسالہ کے بعد ان کو مددگار مہتمم کے منصب کے لیے منتخب کیا اور ۷۰ سال کی طویل عمری میں جبکہ عموماً لوگ خارجی مشاغل سے لاتعلق ہوجاتے ہیں۔ ان کو ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم کا مہتمم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ وہ بھی ایسے زمانے میں جب دارالعلوم دیوبند تاریخ کے ایک انتہائی نازک صورتِ حال سے دوچار تھا، آپ نے منصبِ اہتمام پر فائز ہوتے ہی دارالعلوم کے شوریدہ حالات کو پرامن بنانے کی سعی کی اور اپنی پوری جانفشانی سے دارالعلوم دیوبند کو ہر طرح کے شرور وفتن سے پاک کیا، نیز اپنی بہترین انتظامی صلاحیت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے دارالعلوم کو غیر معمولی ترقی سے ہمکنار کیا۔ متعدد نئی عمارتیں ان کے دور میں تعمیر ہوئیں اور نئے نئے شعبے معرضِ وجود میں آئے۔ ان ہی کے دورِ اہتمام میں مسجد رشید کی تعمیر ہوئی جو کہ فنِ تعمیر میں ایک بہترین شاہکار ہے۔ آپ نے تعمیرات کے ساتھ تعلیم وتربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ کمپیوٹر اور دیگر جدید تعلیم کی طرف پیش قدمی کی۔ انھوں نے دارالعلوم کو نہ صرف تعلیمی اور انتظامی لحاظ سے مضبوط کیا بلکہ اپنی تنظیمی صلاحیت سے اس کے تعلیمی اور انتظامی ڈھانچے کو بھی ٹھوس اور مستحکم کیا جس سے غیر ممالک میں دارالعلوم کی عزت وشہرت ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی، انتظامی اور تعمیری لحاظ سے سب سے زیادہ ترقی ان کے دور میں ہوئی۔ اسی سبب ان کا عہد اہتمام زرّیں عہد رہا۔ آپ کو دارالعلوم کی عمدہ کارکردگی سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ آپ نے دارالعلوم کی موجودہ قیام تک رسائی کے لیے جو کردار ادا کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ وہ ایک عبقری شخصیت تھے۔ ان کی خودداری اور اعلیٰ ظرفی بے مثال تھی۔ آپ نے سلف صالحین کے اصول کے مطابق کبھی بھی حکومت سے اپنے ذاتی یا دارالعلوم کے کسی کام کے لیے کوئی درخواست نہیں کی۔ اگر حکومت دارالعلوم کو کچھ دینا بھی چاہتی تھی تو آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آپ نے ملک وقوم کی خیرخواہی کے جذبے سے دارالعلوم کے لیے متعدد اہم فیصلے کیے، جس میں ایک اہم فیصلہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے دہشت گردی مخالف فتویٰ کا اجراء تھا۔ وہ ایک بے خوف اور حق پرست عالمِ دین تھے۔ اسی سبب وہ بیباک بیانات میں اپنی مثال آپ تھے اور دنیا ان کے بیانات کو بغور سنتی اور اس پر عمل بھی کرتی تھی۔ اسی لیے دنیا کی اہم ترین شخصیات میں ان کا شمار تھا۔ گزشتہ تین عشرے میں مادرِ علمی کے مہتمم اعلیٰ کی حیثیت سے جو آپ نے مثالی خدمات انجام دیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کا دورِ اہتمام دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک حصہ ہے۔ دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ میں ان کا جو مثالی کردار رہا ہے وہ انتہائی قابلِ قدر ہے۔ ان کی فہم وبصیرت کے سبھی لوگ معترف تھے۔ آپ نے خاموشی، متانت و سنجیدگی سے دارالعلوم کی خدمت کی۔ سخاوت، فیاضی، سادگی ان کی خاص خوبیاں تھیں۔ ان کا شمار معروف علمائے اسلام، دانشورانِ قوم اور بزرگانِ دین میں تھا۔ آپ نے پیرانہ سالی میں دارالعلوم کے منصب اہتمام کے فرائض بحسن

وخوبی انجام دیئے حتیٰ کہ شدید علالت کے باوجود آپ کو دارالعلوم کے معاملات سے گہری دلچسپی رہی۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند سے اپنی خدمات کے عوض نہ کبھی تنخواہ لی اور نہ ہی دارالعلوم پر کسی قسم کے ذاتی مصارف عائد کیے بلکہ دارالعلوم میں اقامت کی جب ضرورت پیش آئی تو اپنے صرفہ سے ایک کمرہ تعمیر کروایا اور اس کمرہ کا کرایہ ہر ماہ دارالعلوم کے محاسبی میں جمع کیے۔ ان کا خادم اور باورچی الگ ہوتا، جس کے اخراجات وہ خود برداشت کرتے۔ رکن شوریٰ ہونے کے دوران بھی جب کبھی مجلسِ شوریٰ کی نشست میں شرکت کے لیے ان کی دیوبند حاضری ہوتی تو کھانا دارالعلوم کی بجائے اپنے رشتے دار مولانا گل محمد کے ہاں کھاتے، مزید یہ کہ وہ ہر سال اپنی جیب خاص سے دارالعلوم کی لاکھوں روپے سے اعانت کرتے رہے اور بعض مواقع پر دارالعلوم کو درپیش مالیاتی بحران میں اپنے ذاتی صرفہ سے دارالعلوم کی ضروریات کی تکمیل کی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی زندہ دلی تھی کیونکہ زندگی دراصل زندہ دلی ہی کا نام ہے۔ وہ مضبوط اصولوں کے قائل، نہایت متحمل مزاج اور علم دوست انسان تھے۔ وہ خوش اخلاقی کے پیکر اور بین الاقوامی سطح پر بھی شہرت کے حامل تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ تعلقات کی برقراری کے لیے وہ دارالعلوم کے اساتذہ سے بے تکلف تھے۔ آپ نے اپنے تیس سالہ دورِ اہتمام میں کبھی ایک گھنٹہ فضول کام میں ضائع نہیں کیا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے ترقی کی جو منزلیں طے کی ہیں ماضی میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ وہ اکابر علمائے دیوبند کی ان برگزیدہ شخصیات میں سے ایک تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی دولت کے علاوہ اخلاص و عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ آپ عصرِ جدید میں اکابرینِ دیوبند کی بہترین یادگار اور نمونہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو مختلف اوصافِ حمیدہ اور خصوصیاتِ جمیلہ سے نوازا تھا۔ وہ اعتدال و توازن میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی زندگی پوری ملت اسلامیہ کے لیے موجبِ برکت تھی۔ برصغیر اور پوری دنیا میں قائم مدارسِ اسلامیہ اور وابستگانِ دیوبند کے لیے ان کی ذات ایک شجرِ سایہ دار کی مانند تھی۔ آپ نے دارالعلوم میں تعلیمی اور تعمیری ترقی کے ساتھ ساتھ فرقِ باطلہ کا بھی مستعدی سے مقابلہ کیا اور اس ضمن میں کسی سے قطعی سمجھوتہ نہیں کیا اور بہرصورت دارالعلوم کے عقائدِ صحیحہ کا دفاع کیا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن کے دور میں دارالعلوم کی ہر پہلو سے بے مثال ترقی ہوئی۔ طلبہ کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہوئی، تعلیمی و تربیتی شعبوں کا اضافہ ہوا، بیشمار تعمیرات وجود میں آئیں، امت کی اصلاح اور حق کے دفاع کے لیے مساعی عمل میں آئی۔ مجموعی اعتبار سے دارالعلوم کے مقاصد تاسیس پر سنجیدگی کے ساتھ عمل ہوا، جس کے نتیجے میں دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا اور ہر حلقۂ فکر میں اس کی آواز سنی گئی اور یہ سارے امور ان کی خاموش قیادت میں انجام پائے۔ ان کی دیانت و امانت، اصابتِ رائے، تحمل و تدبر، معاملہ فہمی و دوراندیشی اور دارالعلوم کے لیے ان کا بےنظیر خلوص ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ان کے حسنِ اخلاق اور تواضع کا ہر شخص معترف ہے۔ بلاشبہ وہ امتیازی اوصاف و کردار کے لحاظ سے اپنے اسلاف و اکابر کے عکسِ جمیل تھے۔ وہ قوم کے دیئے ہوئے پیسے کو امانت اور اس کے استعمال میں انتہائی محتاط تھے۔ اسی لیے دارالعلوم کے پیسے میں انتہائی بخیل اور اپنے پیسے میں حاتم طائی تھے۔ وہ اپنے علم و تقویٰ کے سبب علماء کے تمام طبقہ میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا شمار ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جو کہ صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ علامہ اقبال کے شعر:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کے مصداق تھے۔ چنانچہ عصرِ حاضر میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ انھوں نے نازک موقع پر دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داری قبول فرمائی اور بڑی ہی خوش اسلوبی اور بہترین نظم ونسق کے ساتھ عالمِ اسلام کے اس ممتاز ادارہ کو چلایا۔ آپ نے اسلام کے پیام کو عام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ اور عوام میں ایک تال میل کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ انھوں نے ملت اسلامیہ کے تئیں ہمدردی اور ذمہ دارانہ خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ آپ ہمیشہ شفقت، ہمدردی اور سادگی پر زور دیتے تھے۔ مہتمم ہونے کے باوجود طالب علموں سے انتہائی محبت سے ملتے اور ان کے مسائل پر ان سے بالمشافہ گفتگو کرتے تھے اور غریب طلبہ کی بسا اوقات مالی امداد بھی کرتے تھے۔ اسی سبب وہ طلبہ میں بے حد مقبول تھے۔

گذشتہ ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو صبح کے ۱۰:۳۰ بجے ان کا اپنے آبائی وطن بجنور میں انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ چند ماہ سے ضعف وعلالت کے سبب بجنور میں قیام پذیر تھے۔ وہیں اپنے گھر پر انھوں نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ ان کا جسدِ خاکی بعد نماز عصر بجنور سے دیوبند لے جایا گیا جہاں بعد نماز عشاء دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ مولسری میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور گورِ غریباں معروف بہ قاسمی قبرستان دیوبند میں تدفین عمل میں آئی:

کہتے ہیں مرغوب اس جہاں سے گزر گئے
کیا خوب مہتمم تھے خدا مغفرت کرے

مولانا کا انتقال امت مسلمہ بالخصوص ابنائے قدیم کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ سارا عالم اسلام ایک شفیق مربی اور عظیم قائد کے سایہ سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کو نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ ☐☐

# یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

مفتی مسعود اختر قاسمی (استاذ مفتاح العلوم ہندوستانی مسجد، بھیونڈی)

اسلامی نئے سال کا آغاز عالم اسلام بالخصوص دارالعلوم دیو بند کے فضلاء و منتسبین و متعلقین نیز ہمدردان و بہی خواہان کے لیے اس روح فرسا افسوسناک خبر کے ساتھ ہوا کہ عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ، دانش گاہ تربیت گاہ اور بیسویں صدی میں علوم اسلامی کے سب سے بڑے مرکز جس کی دینی، علمی و عملی، اصلاحی اور تحریکِ آزادی کی بے مثال ولازوال قربانیوں کا زمانہ معترف ہے۔ دارالعلوم دیو بند کے روح رواں، قافلۂ سالار، سربراہِ اعلیٰ و مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم و مغفور حضرت مہتمم صاحبؒ کے سانحہ ارتحال سے عالم اسلام بالخصوص ایشیائی ممالک کے مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ مرحوم کی وفات سے ملتِ اسلامیہ کا جو نقصان ہوا ہے وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ یہ ایک ایسا خلاء ہے جس کا پر ہونا بظاہر بہت مشکل نظر آتا ہے۔ **للہ ما اخذ و ما اعطیٰ ولکل شئی اجل مسمی۔**

یہ تاثرات صرف اس راقم عاجز کے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے ہو سکتے ہیں، جس کا حضرت مہتمم صاحبؒ سے ملاقات، بات چیت کا اتفاق ہوا ہے۔ دارالعلوم دیو بند جیسے عظیم ادارہ کا مہتمم اس قدر سادگی پسند، متواضع، بااخلاق، منکسر المزاج، حلیم الطبع، ہر خاص و عام سے اتنی شفقت و محبت کے ساتھ ملنے والا ہوگا یہ ہر شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن جب ایک مرتبہ ملاقات اور گفتگو کا موقع مل جائے تو وہ یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ:

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوش سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

یا بقول فراقؔ گورکھپوری:

آنے والی نسلیں تم کو یاد کریں گی ہم عصرو
جب یہ کہو گے تم ان سے ہم نے فراق کو دیکھا تھا

**ولادت و ابتدائی تعلیم:**

مرحوم و مغفور مہتمم صاحبؒ یوپی کے ضلع بجنور میں ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب اپنے علاقے کے رئیس، زمیندار ہونے کے ساتھ اہل اللہ وعلمائے ربانیین کی صحبت یافتہ عالم دین تھے۔ اکابرین دیو بند اور بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور آپ کے خانوادے سے ان کو بڑا خاص تعلق تھا۔ مرحوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم مدرسہ رحیمیہ بجنور میں حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۲۹ء میں اپنے اکابر واسلاف کے مرکز دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے۔ اس وقت کے یگانہ روزگار، سلاطین علم، صاحبانِ نسبت واہل دل علماء کرام بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع احمد صاحب (صاحب معارف القرآن) وغیرہ حضرات سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شعبہ عالمیت سے فراغت اور سند فضیلت کے حصول کے بعد آپ نے مشہور کہنہ مشق حضرت مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگل پوری اور دیگر حضرات کی خدمت میں رہ کر افتاء کی تکمیل کی۔ اس طرح آپ ایک عالم ہی نہیں بلکہ باضابطہ مفتی بھی تھے۔ لیکن اپنی سادہ مزاجی کے سبب آپ نے اپنی اس قابلیت اور ڈگری کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

**شوریٰ کی رکنیت اور اہتمام:**

شعبۂ عالمیت اور تکمیل افتاء سے فراغت کے بعد ایک عرصے تک غالباً آپ اپنے وطن ہی میں رہے جہاں اپنے مورث اعلیٰ کے باغ اور کاشتکاری کی زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ بہ حیثیت ایک عالم دین اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے رہے۔ تا آں کہ قسمت نے یاوری کی اور ۱۹۶۲ء میں آپ ایک مرتبہ پھر دارالعلوم دیو بند سے وابستہ ہوئے لیکن یہ وابستگی دارالعلوم کے طالب علم یا استاذ کی حیثیت نہیں بلکہ اس عظیم ادارہ اور مرکز علم وفن کی موقر مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے ہوئی۔ مادرِ علمی دارالعلوم کے رکن شوریٰ مقرر ہونے کے بعد آپ نے پوری زندگی بڑی تندہی سے اپنی اس ذمہ داری کو نبھایا۔ شوریٰ کے اجلاس میں پابندی سے شرکت فرماتے اور نہایت سنجیدگی اور وقار سے اپنی قابل قدر رائے

پیش فرماتے جو دارالعلوم کے حق میں مفید تر ہوگی۔ یہ زمانہ تھا جب دارالعلوم دیوبند کی مسند اہتمام پر دنیائے علم وفن کے عظیم المرتبت وجلیل القدر عالم دین، خطیب بے مثال حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ جلوہ افروز تھے اور جنھوں نے ساٹھ سال کے طویل عرصے تک زمامِ اہتمام کو سنبھالا۔ دارالعلوم کو تعلیمی اور تعمیری ترقیات سے نوازا۔

اجلاس صدسالہ کی ہمہ گیر مصروفیات نے جب آپ کو ایک معاون کی ضرورت کا احساس دلایا جس کا آپ نے اراکین شوریٰ سے اظہار کیا تو اس عظیم شخصیت کے معاون کی حیثیت سے اراکین شوریٰ نے مرحوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا نام ہی طے کیا، اس طرح آپ رکن شوریٰ کے ساتھ معاون مہتمم بھی ہوئے۔ بعدازاں اسی سال ۱۹۸۱ء میں صدسالہ اجلاس کے بعد دارالعلوم میں جو ناگفتہ بہ اور سنگین حالات پیدا ہوئے جس نے سارے عالم اسلام کے مسلمانوں کو مضطرب اور بے چین کردیا اور یہ مرحوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے سامنے دارالعلوم کے منصب اہتمام کا معاملہ تھا۔ اس لیے کہ حضرت قاری طیب صاحبؒ کی قدآور اور خاندانی شخصیت کے بعد اس اہم ترین منصب کی نازک ترین ذمہ داری ''کانٹوں بھرا تاج'' کے مصداق تھی۔ اگرچہ اس وقت دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور اراکین شوریٰ میں مشاہیر علماء کرام نامور مقررین، مایہ ناز مصنّفین کی بڑی تعداد تھی۔ اور پورے عالم اسلام کی نگاہیں دارالعلوم کے نئے مہتمم کے انتخاب پر تھی۔ حیرت انگیز طور پر دارالعلوم کی شوریٰ نے ایک ایسی شخصیت کو منصب اہتمام کے لیے منتخب کیا جو نہ تو شعلہ بیان مقرر تھے نہ صاحب طرز ادیب جن کی تحریر و تقریر سے دنیا ان کو جانتی پہچانتی ہو۔ بلکہ ایک شریف النفس، حلیم الطبع، کم گو، اور سادہ مزاج غیر معروف، لیکن دیانت دار اور صاحب ثروت شخص تھے۔ جنھیں دنیا میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے نام سے جانا اور پہچانا گیا۔ یہ انتخاب حیرت انگیز ضرور تھا لیکن جو لوگ مولانا مرحوم کی ذات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف تھے ان تمام لوگوں نے اس انتخاب پر اطمینان و اعتماد ظاہر کیا اور اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ ۱۹۸۱ء سے دسمبر ۱۹۸۰ء سے دسمبر ۲۰۱۰ء تک تقریباً پورے تیس سال تک آپ نے دیانت داری اور شفافیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا کہ اب اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

**دارالعلوم دیوبند ایک بے مثال تحریک کا نام ہے:**

دارالعلوم کے اہتمام اور اس کی ذمہ داریوں کی عظمت کو سمجھنے کے لیے دارالعلوم کے مقام و مرتبہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ یا ادارہ یا یونیورسٹی کا نام نہیں۔ بلکہ ایک ایسی تحریک کا نام ہے جس نے نہایت نازک اور ناگفتہ بہ حالات میں ملّت اسلامیہ کی دستگیری اور قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ ایک طرف تحریکِ آزادی کو دینی اور مذہبی تحریک بنا کر اس کو جلا بخشی اپنے فرزندان کو باضابطہ اس میں عملاً شریک کیا اور دنیا کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اور اس کاروانِ آزادی کے سرخیل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، امیر المجاہدین حاجی امداد اللہ مہاجر مکی وغیرہ حضرات کی شکل میں مجاہدینِ آزادی کے امام عطا کئے جن کی امارت و سربراہی میں لاکھوں مسلمانوں نے تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ اور ہزاروں علماء کرام نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ تحریکِ آزادی میں دارالعلوم کے اس کردار کا انکار پوری تاریخ آزادی کا انکار ہے۔ دوسری طرف دارالعلوم نے پورے ملک کے گوشے گوشے میں مدارس و مکاتب کا جال بچھا کر دین و اسلام کی حفاظت کا سامان کیا تو تیسری طرف عیسائیت، قادیانیت، آریہ سماج اور دیگر فرق باطلہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے افراد کی ایک فوج تیار کی جس نے اپنی تصانیف، تقاریر، مناظرہ وغیرہ کے ذریعہ عقائد باطلہ کا پرزور مقابلہ کرکے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ما انا علیہ و اصحابی کی روانی میں عقائد حقہ کے ثبوت اور ترویج واشاعت کا ایسا بے نظیر کارنامہ انجام دیا، جس سے آج امت مسلمہ افراط وتفریط کے درمیان ایک معتدل مسلک و مذہب پر گامزن ہے۔ اور چوتھی طرف دعوت وتبلیغ نیز، اخلاق وتصوف کے ذریعہ تزکیہ نفوس کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت دیتا رہے گا۔ ایک ایسا ادارہ ایک ایسی تحریک جس کا قیام الہامی طور پر من جانب اللہ ہوا ہو اس ادارہ اور مرکز علم کے اہتمام کی ذمہ داری کس قدر اہمیت کی حامل ہوسکتی ہے۔

**حضرت مہتمم صاحب کی دیانت داری اور تقویٰ:**

مرحوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم کو اپنی

منفعت اور اپنی شناخت کا ذریعہ نہیں بنایا، مالیات کے باب میں عموماً اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران سے کمی اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے۔اور وہ یہ کہہ کر اس سے احتیاط نہیں کر پاتے کہ ''اتنا احتیاط ممکن نہیں'' بلکہ آج کے تعلیمی اداروں میں اقتدار اور رکنیت کے حصول کے لیے جھگڑے اسی بنیاد پر ہوتے ہیں کہ لوگ اسے اپنی بالائی آمدنی یا کم از کم قوم وملت کی جمع کردہ بڑی رقموں کے استعمال کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔لیکن حضرت مولانا مرحوم نے اپنے ۳۰ سالہ اہتمام کے صاف شفاف دور میں دیانتداری اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ایسی مثال پیش کی ہے کہ آپ کا بڑے سے بڑا دشمن اور ناقد بھی آپ کی دیانتداری پر شک نہیں کر سکا۔اپنے اہتمام کے اس طویل عرصے میں آپ دارالعلوم پر کبھی بار نہیں بنے بلکہ دارالعلوم میں قیام کے لیے متعین کردہ کمرے، اس کی لائٹ اور پانی نیز اپنے کھانے تک کا معاوضہ اپنی جیبِ خاص سے ادا فرماتے۔اہتمام قبول کرنے کے لیے جب دارالعلوم کے لیے بیرون ملک اسفار کی ضروریات پیش آئی تو آپ نے یہ شرط رکھی کہ میں یہ سفر دارالعلوم کے خرچ سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی رقم سے کروں گا لیکن دارالعلوم کے اراکین شوریٰ نے آپ کے بعد آنے والے افراد کی سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ سے اصرار کیا تو آپ نے بادلِ نخواست اس حکم کو قبول کرلیا۔اور جہاں تک ممکن ہوسکا آپ نے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ دارالعلوم پر خرچ کیا۔اگرچہ آپ کے اس قدر محتاط عمل نے دوسروں کے لیے اہتمام کی اس ذمہ داری کو بہت مشکل بنا دیا۔لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس محتاط اور دیانتداری کی زندگی میں اداروں اور تنظیموں کے ان ذمہ داران و نظماء کے لیے قابلِ تقلید نمونہ موجود ہے۔جو قوم وملت کے مال پر اپنا حق سمجھ کر تصرف نہیں کر سکتے تو کم از کم اسے حصول منفعت کا ذریعہ نہ بنائیں۔مولانا مرحوم کو دارالعلوم کا مفاد اتنا عزیز تھا کہ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔چنانچہ مولانا مرحوم اپنے اساتذہ اور اکابر علماء کرام کی اولاد کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔لیکن دارالعلوم کے مفاد کے مقابلے میں آپ نے ان کا بھی خیال نہیں کیا۔وہ اقرباء پروری سے دُور رہتے ہوئے دارالعلوم کے مفاد کو سب سے مقدم رکھتے تھے۔

**خلوص و للّٰہیت:**

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کثرت استعمال کے سبب الفاظ اپنی حقیقت کھودیتے ہیں۔عصر حاضر میں خلوص، اخلاص اور مخلص جیسے الفاظ کا بھی یہی معاملہ ہے ہر کس و ناکس کے عمل کو خلوص وللّٰہیت اور اس کی ذات کو 'مخلص' سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ اخلاص وخلوص کی کوئی علامت ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتی۔جن حضرات کو یوپی کے مختلف علاقوں کے مدارس کی زیارت کا اتفاق ہوا ہو وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان علاقوں میں اداروں کی تعمیرات میں بڑے بڑے کتبے لگانے کا عام مزاج ورواج ہے۔جس میں عام طور پر ''بزمانۂ اہتمام فلاں بن فلاں'' جلی حرفوں میں نظر آتا ہے۔حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے تیس سالہ زمانہ اہتمام میں دارالعلوم میں جدید تعمیرات کا مسلسل سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان کی بے نظیر و عالی شان وسیع وعریض مسجد رشید، رواق خالد، اعظمی منزل، دارالقرآن، دفتر تعلیمات، دار جدید مدرسہ، ثانویہ وغیرہ کی خوبصورت تعمیرات حضرت مہتمم صاحبؒ کے دور اہتمام میں ہوئیں۔لیکن ان تمام تعمیرات کے کسی بھی گوشے میں آپ کا نام یا زمانہ اہتمام کا کوئی کتبہ نظر نہ آنا آپ کے اخلاص کی واضح دلیل ہے۔

**سادگی اور انکساری:**

مرحوم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ایک صاحب ثروت اور زمین دار شخص تھے۔کھانے کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے ایک وقت کا کھانا، دوسرے وقت نہ کھاتے کہ اس میں مہمان نوازی بھی تھی اور ذوق سلیم کا دخل بھی۔حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں بھی آپ نے مدرسہ کا کھانا نہیں کھایا بلکہ مولانا گل صاحب کے مکان سے ان کے مزاج کے مطابق کھانا آتا تھا۔اسی طرح سفر حج کے علاوہ وطن سے باہر نہ جاتے۔اور اگر جاتے تو زیادہ ٹھہرتے نہیں تھے۔لیکن جب دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز ہوئے تو آپ نے اپنا گھر بار چھوڑا اور عمر کے اس اخیر حصے میں جو آرام اور سہولت پسندی کے متقاضی ہوئے تو آپ نے مستقل دارالعلوم میں قیام فرمایا اور وہ کھانا جو دارالعلوم میں بنتا تھا۔آپ وہی کھانا تناول فرماتے۔ یہاں آپ نے اپنے ذوق کی قربانی دے کر سادگی اور انکساری کو اختیار فرمایا۔آپ ہمیشہ صاف ستھرا لیکن سادہ اور معمولی کپڑا زیب تن فرماتے۔آپ کی سادگی، انکساری، حلم و بردباری نے ملکوں کے سفراء، علماء، امراء کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ یقین نہیں کر پاتے کہ اتنے عظیم ادارہ اور عالم اسلام کی معروف دینی یونیورسٹی کا سب سے بڑا ذمہ دار شخص اتنا سادہ مزاج ہوسکتا ہے۔

**اساتذہ کرام کے ساتھ تعلق کی منفرد مثال:**

آپ کو اساتذہ کرام سے اس قدر محبت وتعلق تھا کہ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر جہاں آپ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے قربانی کرتے وہیں دارالعلوم میں اپنے مشفق اساتذہ کرام مثلاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبِ علیہم الرحمہ وغیرہ حضرات کی طرف سے ہر سال پابندی سے قربانی کرنے کا اہتمام فرماتے۔ اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ محبت اور تعلق کی یہ ایک انوکھی اور منفرد مثال ہے۔

**جمعیۃ علماء ہند سے آپ کا تعلّق:**

آپ کا خاندان دارالعلوم دیوبند اور اکابرین دارالعلوم کا حد درجہ قدردان تھا۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام کے خاندان سے تو خاص ربط اور تعلق تھا۔ چنانچہ مولانا مرحوم بھی شروع ہی سے اکابرین دیوبند اور علماء دیوبند کی قائم کردہ ہندوستان کی سب سے بڑی اور مؤثر تنظیم جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے۔ ایک طویل عرصے سے آپ جمعیۃ علماء ہند کی موقر مجلس عاملہ کے رکن بھی تھے۔ اور مرحوم فدائے ملت سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد ۲۰۰۶ء سے آپ ''امیر الہند ثالث'' منتخب کیے گئے۔ جمعیۃ علماء سے آپ کی خاص وابستگی کا نتیجہ تھا کہ چند سال قبل جب جمعیۃ علماء ہند کے بعض بڑوں میں اختلاف اور جمعیۃ کی تقسیم کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا تو آپ اس واقعہ سے حد درجہ متاثر اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور آپ نے فریقین کے مابین مصالحت کی کوشش کی۔ یہ کوشش کچھ حد تک امید افزاء رہی اور مسلمانانِ ہند کو اختلاف کے ختم ہونے کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے مگر چند ماہ تک جاری یہ کوشش ایک فریق کے اعتماد کی کمی کے سبب ماند پڑگئی تو آپ نے حلم و بردباری کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''ابھی بھی وقت ہے کہ بزرگوں کی اس امانت کو دولخت ہونے اور انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے کچھ کیا جائے۔ اگر مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو جماعت دیوبند میں بھی ابھی ایسے اکابر موجود ہیں جو مجھ حقیر سے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور فہم وفراست میں بہتر ہیں۔ ان کو ثالث بنا کر اس تکلیف دِہ صورتِ حال کا کوئی دیر پا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اور اس تنازعہ کو ختم کیا جاسکتا ہے۔'' اللہ اللہ ان جملوں میں جہاں جمعیۃ کے تئیں آپ کے قلبی احساسات وجذبات کا پتہ چلتا ہے وہیں اس کا ہر ہر لفظ سے آپ کے خلوص وللّٰہیت، حلم و بردباری اور منکسر المزاجی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ خودغرضی اور مفاد پرستی کے اس دور میں اس عالی ظرفی کی مثالیں شاید ہی مل سکیں۔

**دارالعلوم کی ترقیات:**

آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم مستقبل کی راہ پر گامزن رہا۔ دارالعلوم کی جدید و بے مثالی تعمیرات، مسجد رشید کی تعمیر، فرقۂ باطلہ کے خلاف افرادسازی، ادارہ تحفظ ختم نبوت کا قیام، شیخ الہند اکیڈمی کا وجود نادر ونایاب اور مفید ترین کتابوں کی اشاعت عصر حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر کمپیوٹر کلاس اور دیگر شعبوں کی شروعات، آپ کے شاندار دور اہتمام کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ دارالعلوم دیوبند وہ ادارہ ہے جہاں پوری دنیا کی ایسی نظر ہوتی ہے کہ اگر ایک پتہ بھی وہاں گرتا ہے تو دنیا کو خبر ہوتی ہے ایسے ادارہ میں آپ کے ترقیاتی کاموں کا تو چرچا ہے لیکن آپ کی صاف شفّاف شبیہہ کو داغ دار کرنے والا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا۔ قصّہ مختصر یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم منصب اور ذمہ داری کے ساتھ اس کے مطابق گوناگوں خصوصیات سے بھی نوازا۔ چنانچہ عمدہ انتظامی صلاحیت، کام کا سلیقہ، دارالعلوم کے تمام شعبوں پر گہری نظر، ہر شعبے کے لیے اس کے لائق اور شایانِ شان افراد کا انتخاب، مزاج شناسی، امانت و دیانت داری، سادہ مزاجی، تواضع وانکساری، طلبہ کی راحت رسانی کے لیے فکرمندی، تمام کارکنان واساتذہ میں باہم ربط وضبط اور بقاء کی سعی وکوشش، طلبہ کے ساتھ آپ کی شفقتوں رواداری، مہمان نوازی اور خودداری وہ تمام خصوصیات وکمالات ہیں جو آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ گویا کہ آج کے اس دور قحط الرجال میں آپ اپنے اکابر واسلاف کے نمونہ کامل اور ان شاندار روایات کے امین تھے۔ آپ کی وفات ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ پورے سو سالہ اکابر واسلاف کی پاکیزہ روایات اور نمونہ کا خاتمہ ہے۔ ایسی ہستیاں، روز روز نہیں پیدا ہوتیں بلکہ ایسے مقبول خدا اور محبوبِ خلائق افراد صدیوں میں جنم پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی ان مساعی جمیلہ وحسنہ کو قبول فرمائے، آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پوری امت مسلمہ بالخصوص فضلاء دارالعلوم کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دارالعلوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

# ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے؟

مولانا اشتیاق احمد (مدرس دارالعلوم دیوبند)

یہ دنیا ہیشگی کی دنیا کا ایک نمونہ ہے، حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی ہے، اس دنیا میں آنا ہی واپس جانے کی تمہید ہے، دنیا اور آخرت کے درمیان موت ایک آڑ، ایک دیوار یا ایک پل ہے، موت کے ذریعہ ہی آخرت کی دائمی نعمت سے سرفرازی ہوتی ہے؛ اس لیے موت من جملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اسی کے ذریعہ اللہ کا عاشق اپنے معشوق سے ملتا ہے، اور دیدار سے مشرف ہوتا ہے، انسان چاہے کتنا ہی بڑا ہو موت سے دوچار ضرور ہوگا، کسی کے مرنے کے بعد اس کے دوست، احباب اور متعلقین کو صدمہ ہونا بھی انسانیت کا تقاضا ہے، جس سے جتنا تعلق ہوتا ہے اس کی جدائی اتنا ہی ستاتی ہے، آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کی افادیت کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہوتا ہے۔ وفات کے بعد غم واندوہ سے دوچار ہونے والے بھی اسی قدر کثیر ہوتے ہیں، اورمحبت کی قیمت بھی جدائی کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز چہار شنبہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بھی ایک دو نہیں ہزاروں، لاکھوں افراد رنج وغم اور تکلیف وکسک سے دوچار ہوئے۔ مرحوم کی وفات صرف دارالعلوم دیوبند کے طلبہ، اساتذہ، کارکنان اور انتظامیہ ہی کے لیے حادثہ نہیں ہے؛ بلکہ پورے ایشیا اور امتِ مسلمہ کے لیے یہ ایک بڑا حادثہ ہے، مرحوم اپنے صلاح وتقویٰ، اذکار واوراد، دعا و انابت، تدبر وتفکر، دیانت وامانت، تحمل وبردباری، فروتنی وتواضع، بےنفسی وعزلت نشینی، ہمدردی وغم خواری، قدردانی وخوردہ نوازی وغیرہ جیسی بلند وبالا صفات میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام کے حامل تھے، حضرت مولانا غلام رسول خاموش (کارگذار مہتمم) اور ان سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خاں صاحب شیخ الحدیث رحمہما اللہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب کی وفات سے دارالعلوم دیوبند عجیب سونا سونا سا لگ رہا ہے، جیسے کہ روحانیت وللّٰہیت کے تین اہم ستون یک لخت گر گئے، جن پر دارالعلوم دیوبند کی روحانی وعرفانی عمارت ٹھہری ہوئی تھی، دارالعلوم کے پورے ماحول میں ایک سناٹا سا چھا گیا، سچ ہے کہ:

انسانیت کی تاریخ میں ایسے دن بھی آتے ہیں کہ کیا کہیں؟ کس سے کہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ وقت دارالعلوم دیوبند کے لیے بڑا نازک ہے، اللہ تعالیٰ اس روحانی وعرفانی ادارہ کی حفاظت فرمائے۔

### مردے از غیب نماید و کارے بکند

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمر عنایت فرمائی، آپ کی زندگی ہجری لحاظ سے پوری ایک صدی پر محیط ہے، آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ میں غالباً صفر کے مہینے میں ہوئی، اور پوری زندگی صلاح وتقویٰ کے ساتھ گذری، اور یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ طَالَ عُمرُهٗ وحَسُنَ عَمَلُهٗ. اچھا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں، حضرت مہتمم صاحبؒ اس کے مصداق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سو سال کی عمر عطا فرمائی اور پوری زندگی حسنِ عمل کا نمونہ بنی رہی، حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم میں مسجد قدیم کے جنوب میں دفتر محاسبی کے بازو والے کمرہ میں رہتے تھے، جب تک طاقت رہی مسجد میں اوپر کی منزل میں جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھتے رہے، ایک جمعہ کو دیکھا کہ حضرت مہتمم صاحب اپنے کمرہ سے نکلے تو مسجد کے اوپر کے حصے میں کافی لوگ آ گئے تھے، پھر بھی اگر آگے بڑھتے تو اندر آ سکتے تھے، مگر دیکھا کہ اوپر راستہ ہی میں مصلیٰ بچھا کر سنت پڑھنے لگے، میں نے بعض احباب کو دکھایا کہ: یہ دیکھو مہتمم صاحبؒ کی تواضع؟ سب کے سب انگشت بدنداں رہ گئے!

میری معین مدرسی کے زمانے میں میرا کمرہ: ۲۶ (مسجد قدیم) جو ٹھیک ان کے کمرے کے سامنے اوپر ہی شمال کی جانب تھا، برابر دیکھتا تھا نماز کے بعد سارے طلبہ مسجد سے نکل جاتے تھے، حضرت مہتمم صاحبؒ تنہا نوافل و اذکار میں مشغول رہتے، پھر بڑی دیر تک دعاء کرتے، پھر آہستہ اٹھ کر دھیرے دھیرے سیڑھی کے راستے اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے، ان کی ساری نمازیں باجماعت ہوتیں، اور روزانہ ''دارالاہتمام'' میں اپنی نشست پر بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھتے تھے، شاید وہ نماز اشراق ہوگی۔ سنا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے باضابطہ مہتمم ہونے سے پہلے اپنے وطن میں جس مسجد میں پابندی سے نماز پڑھتے تھے اس میں پچیس سال تک باضابطہ تنخواہ دار امام رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئی، نہایت ہی پابندی سے نماز وامامت کی ذمہ داری بلا کسی معاوضہ کے ادا کرتے رہے، ہمارے لیے یہ چیز قابل اقتدا نمونہ ہے۔ شاید ان کی اسی نیکی اور انابت الی اللہ کی برکت تھی کہ

ان کے تیس سالہ زمانہ اہتمام میں کبھی کوئی بڑا فتنہ پیدا نہ ہوا جس سے ایک دن بھی تعلیم متاثر ہوئی ہو، دارالعلوم کا اپنے مشن پر بلا کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہنا اور ایک دن بھی تعلیم متاثر نہ ہونا کسی کرامت سے کم نہیں، سب کو ساتھ لے کر چلنا بھی اُن کا خاص امتیاز تھا، طلبہ، اساتذہ اور ملازمین پر بڑی شفقت فرماتے تھے، طلبہ کی شکایات بہت غور سے سنتے تھے، اور اسے حل بھی فرماتے تھے، ابتدائے مدتِ اہتمام میں طلبہ کے کمرے بھی چلے جاتے تھے، طلبہ اِس تواضع سے بہت متاثر تھے، مطبخ جاکر روٹی، شوربا وغیرہ کو چیک کرتے، ہر طالب علم ''دارالاہتمام'' جاکر اپنی درخواست پیش کرسکتا تھا، کسی آدمی کے لیے بھی کسی وقت رکاوٹ نہ تھی، میں نے بھی ایک مرتبہ وظیفۂ پارچہ وپاپوش نہ دیے جانے کی شکایت کی تو فوراً ہی مہتمم صاحبؒ نے محاسبی سے رپورٹ طلب کی تو وظیفہ بانٹنے والے منشی اشرف صاحب بہت پریشان ہوگئے، بعد میں مجھے افسوس ہوا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے! غرض یہ کہ حضرت مہتمم صاحب بڑے ہمدرد اور متواضع تھے، ان کے گھر جب بھی کوئی مہمان آتا، تو مہمانوں کے سامنے ساری چیزیں خود سے لاکر پیش کرتے، منع کرنے کے باوجود نہ مانتے، سفر میں بھی ساتھیوں کی ضیافت خود سے کرتے، چائے لالاکر پلاتے، پلیٹ فارم پر اتر کر کھانے کی چیزیں خریدتے اور ساتھیوں کو کھلاتے، ساتھ میں چھوٹے اور کم عمر رفقا کے ساتھ بھی یہی طرز اختیار کرتے۔

### تواضع کا ایک واقعہ

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم نے سنایا:

ایک بار حج کے سفر پر جارہے تھے، جھانسی ریلوے اسٹیشن پر اتر کر چائے کے برتن میں چائے لے کر آئے، یہ سوچ کر کہ ابھی چائے پی کر واپس کردیں گے، اتنے میں ٹرین چل پڑی، اب مہتمم صاحب بہت پریشان ہوئے، اتر کر برتن چائے والے کو دینا ناممکن ہوگیا؛ بالآخر اس برتن کو حفاظت سے رکھا اور پورے سفرِ حج میں اس کی نگہ داشت رکھی، جہاں جاتے ساتھ لے کر جاتے، جب واپسی ہوئی تو جھانسی اسٹیشن پر اتر کر چائے والے کو تلاش رہے تھے، گھوم گھوم کر پوچھ رہے تھے کہ یہ برتن کس کا ہے؟ بڑی محنت کے بعد معلوم ہوا کہ فلاں صاحب کا ہے؛ چنانچہ برتن اس کے حوالے کیا اور معذرت کی، اس کے بعد حضرت کو سکون ہوا کہ الحمدللہ! چلو امانت ادا ہوگئی؟

### دیانت داری کا ایک واقعہ

حضرت الاستاذ زید مجدہ نے ایک دوسرا واقعہ تعزیتی اجلاس ہی میں سنایا کہ: ابوالحسن نامی ایک آدمی نے حضرت مہتمم صاحب سے ایک باغ کے خریدنے کی بات چیت کی، جب بات مکمل ہوگئی تو اس نے بیعانہ کے طور پر پانچ ہزار روپے دیے، اور کافی عرصہ گذر گیا اس نے قیمت ادا نہ کی اور نہ ہی باغ کو اپنے قبضہ میں لیا، جب باغ میں پھل آگئے اور پھل کو فروخت کیا گیا تو اس کی قیمت حضرت مہتمم صاحبؒ نے اس کے حوالے کردی، اس نے بارہا انکار کیا اور کہا کہ حضرت ابھی تو میں نے قیمت نہیں دی ہے اور نہ ہی قبضہ کیا ہے، میں اس کا مستحق نہیں ہوں، لیکن حضرت مہتمم صاحبؒ نے اصرار کے ساتھ ساری قیمت ابوالحسن صاحب کو دے دی، اس وقت پھل کی قیمت کم وبیش پچیس ہزار روپے تھی۔

حضرت مہتمم صاحبؒ بڑے سادہ تھے، حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی زید مجدہ نے آب دیدہ ہوکر ایک واقعہ سنایا کہ: میں نے کئی بار بھائی انوارالرحمٰن (فرزند ارجمند حضرت مہتمم صاحبؒ) کو لے کر ان کے کمرے گیا اور عرض کیا کہ حضرت! لوگ دور دور سے آتے ہیں اور آپ سے ملاقات کرتے ہیں، ہم آپ کے کمرے کو جوں کا توں رکھتے ہوئے، کچھ لیپ پوت کر ٹھیک کیے دیتے ہیں؛ تاکہ اچھا دکھنے لگے، اور کمرہ مہتمم دارالعلوم کا معلوم ہو، مگر حضرت نے میری بات کی طرف بہت زیادہ توجہ نہ فرمائی، دوسری تیسری باتیں کرنے لگے، اور ہم لوگوں کو بچوں والی ٹوفی کھلاکر رخصت کردیا۔

### سخاوت اور کفایت شعاری

حضرت مہتمم صاحبؒ بڑے زمین دار اور سخی تھے، ہر سال اساتذہ، ملازمین اور معززینِ شہر کی دعوت کرتے، آم کا موسم آتے ہی مہتمم صاحب کی دعوت کا انتظار ہونے لگتا تھا، گذشتہ سال بھی اچھی خاصی دعوت ہوئی، کئی سو افراد پیٹ بھر بھر کر آم کھاتے تھے، اپنے گھر پر بھی نہایت پرتکلف دعوت کرتے تھے، ان کی مہمان نوازی بڑی مشہور تھی لیکن دارالعلوم کے مال میں نہایت کفایت شعاری سے کام لیتے تھے، بلب اور پنکھا بھی خود سے بند کرتے، دارالافتاء اور دوسرے دفاتر کا بلب اگر اتفاق سے جلتا رہ جاتا تو چپراسی کو بلاکر پوچھتے، امت کی امانت میں کفایت شعاری اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کا عمل بخل کی غمازی کرنے لگتا تھا، تیس سالہ مدتِ اہتمام میں کوئی آدمی ایک مثال نہیں پیش کرسکتا، جس سے یہ استدلال کیا جاسکے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے ضرورت سے زیادہ کہیں بھی خرچ کیا ہے۔

### بے تکلف مگر بارعب

حضرت مہتمم صاحب ساتھ والوں کے ساتھ بے تکلف رہتے تھے، لیکن (بہ قول حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ) درمیان میں پردہ ہوتا تھا، قریب سے قریب آدمی بھی حضرت کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تھا، دارالعلوم کے انتظامی امور کو بڑی ہی باریک بینی سے انجام دیتے تھے، ہر ہر جزء پر نہایت ہی گہری نگاہ ہوتی تھی، جس کی وجہ سے سامنے والے بے تکلف ہونے کے باوجود مرعوب رہتے تھے، بیدار مغزی اور حاضر دماغی

بھی بہت تھی، حافظہ بالکل صحیح وسالم تھا۔

**صائب الرائے**

آپ بہت زیادہ بولتے نہ تھے، جو کچھ بھی بولتے وہ بہت ہی نپا تُلا ہوتا تھا، آپ کی رائے کی پختگی کے سب لوگ قائل تھے، ''شوریٰ'' میں بھی آپ کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد اکابر واساطین اہل علم وفضل اراکین شوریٰ نے ۱۴۰۱ھ میں بحیثیت ''مددگار مہتمم'' آپ کو منتخب فرمایا اور ۱۴۰۲ھ میں ''بحیثیت مہتمم'' آپ کا انتخاب عمل میں آیا، جب کہ اس سے بیس سال قبل ۱۳۸۲ھ میں آپ کو مجلس شوریٰ کا باضابطہ رکن بنایا گیا تھا۔

**حضرت مہتمم صاحب اور دارالعلوم**

حضرت مہتمم صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہوئی، ابتدا سے متوسطات تک کی کتابیں مدرسہ رحیمیہ بجنور میں پڑھیں، ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ''ہدایہ'' کی جماعت میں داخلہ لیا، اس وقت آپ کی عمر شریف سترہ سال کی تھی، پھر جلالین، مشکوٰۃ اور دورۂ حدیث شریف کی جملہ کتابیں پڑھ کر ۱۳۵۲ھ میں سند فضیلت حاصل کی، فراغت کے بعد گھر کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ چونکہ بڑے زمین دار تھے، گھر میں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا، اسی کے ساتھ متعدد مدرسوں کی سرپرستی اور دیکھ ریکھ بھی کرتے رہے۔ شوریٰ کی رکنیت کے بعد دارالعلوم سے ایک گونا رغبت بڑھی اور جب مہتمم ہوگئے تو آپ کا جی گھر میں نہیں لگتا تھا، ضعف اور پیری کے باوجود یہاں آکر سکون سے رہتے، زیادہ وقت خلوت میں گذارتے، سنا ہے کہ اخیر میں وفات سے دو چار دن پہلے تک دارالعلوم آنے کے لیے اصرار کررہے تھے، ان کو دارالعلوم سے عشق تھا، ان کے زمانہ میں دارالعلوم نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے، یہ بھی قابل ذکر اُسوہ ہے کہ ان کے زمانۂ اہتمام میں بنی ہوئی کسی عمارت پر ان کے نام کا کتبہ نہیں لگایا جاسکا، وہ ساری خدمات اللہ کے لیے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائیں!

**خوش قسمتی**

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند نے سنایا کہ چند فضلائے دارالعلوم دیوبند نے طے کیا کہ ہم لوگ جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتے اس لیے عین نمازِ جنازہ کے وقت حضرت مہتمم صاحبؒ کے لیے طواف اور دعا کا اہتمام کریں گے چنانچہ ان لوگوں نے عین نمازِ جنازہ کے وقت فون کیا کہ وہ لوگ ملتزم سے لگ کر حضرت کے لیے دعاء کررہے ہیں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں! (آمین) ❑❑

# امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند

مولانا توحید عالم بجنوری، استاذ عربی دارالعلوم دیوبند

امیر الہند ثالث اور دارالعلوم دیوبند کے آٹھویں مہتمم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ نے از ہر ہند مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کی تقریباً نصف صدی تک خدمت انجام دی جس میں ابتدائی بیس سال مجلس شوریٰ کے مؤقر رکن رکین کی حیثیت سے اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے دارالعلوم کی آبیاری میں وافر حصہ لیا پھر اجلاس صد سالہ کے بعد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معاون مہتمم کی حیثیت سے ایک سال خدمت میں مصروف عمل رہے۔ اسی اثنا میں مادر علمی کی نشأۃِ ثانیہ ہوئی، لہٰذا حضرات اراکین شوریٰ نے جو اپنے وقت کی نامور ہستیاں اور جبالِ علوم نقلیہ وعقلیہ شخصیات تھیں مثلاً محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ، حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ، حضرت مولانا سید علی میاں صاحب ندویؒ اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی وغیرہ۔

ان تمام پاک باز اور پاک خصلت شخصیات نے مادر علمی کے اہتمام کا تاج ایک ایسے قلندر صفت انسان کے سر پر رکھا جو نظم وانتظام کے تجربے، تقریر وتحریر کے میدان اور درس وتدریس کی مسند سے یک گونہ بے تعلق تھا اور زمانہ بھی قحط الرجال کا نہیں تھا کیوں کہ خود حضرات اراکین میں اکثریت یگانۂ روزگار اور عبقری شخصیات کی تھی اسی لیے بعض زبانیں اور بہت سے قلم حیرانی کا اظہار کررہے تھے، لیکن آج جب وہی مرد گمنام اپنے دورِ اہتمام کے تیس سال مکمل کرکے اپنے خالق حقیقی سے جاملا اور اکابر واسلاف کے پہلو میں جاسویا تو آج اپنے ہی نہیں بلکہ غیر بھی اور حضرت کے متعلقین ومداح ہی نہیں بلکہ ناقدین بھی اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ پارہے ہیں کہ دارالعلوم نے جس بے داغ انداز سے تعلیمی انہماک اور تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے اس تیس سالہ مدت میں ہمہ جہت ترقیات کے جو زینے طے کئے ہیں شاید ہی کوئی دوسری شخصیت اس خوش اسلوبی اور حسن تدبیر وانتظام سے اس پرخار اور دشوار گزار راہ پر گامزن رہتے ہوئے وہ کارہائے نمایاں انجام دے پاتی۔

### حضرت کے عہد اہتمام میں دارالعلوم کی ترقیات

اس تیس سالہ دور میں مادر علمی نے ہمہ جہت ترقی کی ہے۔ تعلیمات ہو یا تعمیرات، مالیات کی فراہمی ہو یا طالبانِ علوم دینیہ کی کثرت، پورے ہندوستان کے مدارس اسلامیہ کو باہم مربوط رکھنے کے لیے رابطہ مدارس اسلامیہ کا قیام ہو یا فرقِ باطلہ کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے محاضراتِ علمیہ کا سلسلہ اور ترقیات کا یہ اجمالی خاکہ تھا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

### تعلیمات

دارالعلوم کا بنیادی کام عربی دینیات کے میدان کے شہسوار پیدا کرنا ہے لہٰذا تعلیمی بیداری اور طلبہ کی استعداد سازی پر حضرت قدس سرہ خصوصی توجہ فرماتے تھے اور اسباق کے تسلسل اور تعلیمی انہماک میں چستی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے تھے ازیں وجہ طلبہ کی حاضر باشی کے لیے جو از حد ضروری اور ناگزیر ہے ایک انعامی سلسلہ شروع فرمایا کہ پورے سال حاضری کا ریکارڈ بنانے والے تشنگانِ علم کو ایک ہزار روپئے کا نقد انعام دیتے تھے۔ تعلیمات کے تین امتحانات کو ختم کرکے دو امتحانات کرانے کی پہل کی اور دونوں امتحانوں کو چست اور مستحکم فرمایا، البتہ اوّل عربی تا سوم عربی کے طلبہ کی استعداد کو ٹھوس اور مضبوط کرنے کے لیے ماہانہ اور سہ ماہی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا گیا جس کا خاطر خواہ فائدہ سامنے آرہا ہے نیز امتحانات کی کاپیاں کوڈ نمبرات کے ساتھ جانچ کے لیے جانچ کنندہ حضرات کو دینے کی طرح ڈالی تاکہ امتحانات تمام تر شبہات سے پاک اور شفاف ہوں۔

حضرت نوراللہ مرقدہ کے عہد اہتمام میں جو نئے شعبے قائم کئے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) **تخصص فی الحدیث**: اس شعبہ میں ہر سال پانچ ایسے فضلاء دارالعلوم کا داخلہ ہوتا ہے جو دورۂ حدیث شریف میں اعلیٰ سے اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے ہوں نیز جو طلبہ تکمیل ادب عربی میں ممتاز نمبرات لاچکے ہوں ان کو ترجیح دی جاتی ہے سال اول میں ان کی کارکردگی اطمینان بخش ہونے کی صورت میں سالِ دوم میں ترقی دی جاتی ہے۔

(۲) **شعبۂ ختم نبوت**: اس شعبہ میں چار فضلاء دارالعلوم کا داخلہ ہوتا ہے جو سالانہ امتحان میں اوسط نمبرات سے کامیاب ہوئے ہوں ان طلبہ کو موضوع سے متعلق تحریری وتقریری مشق کرائی جاتی ہے۔

(۳) **شیخ الہند اکیڈمی**: اس شعبہ میں فضلاء دارالعلوم میں سے آٹھ طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے اور ان طلبہ کو مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کی مشق وتمرین

کرائی جاتی ہے۔

**(۴) شعبۂ رد عیسائیت:** اس شعبہ میں خوش بخت صرف دو طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے جو سالانہ امتحان میں اوسط نمبرات سے کامیاب ہوئے ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تحریری وتقریری جائزہ میں کامیاب ہوئے ہوں۔

**(۵) شعبہ تحفظ سنت:** غیر مقلدین کی بڑھتی ہوئی موشگافیوں سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے افراد سازی ناگزیر اور ضروری تھی، لہٰذا اس شعبہ کا قیام عمل میں آیا اور موضوع سے متعلق فضلاء میں اس قدر استعداد پیدا کی جاتی ہے کہ وہ جس علاقہ میں کام کریں عوام کو غیر مقلدین جیسی غالی جماعت اور ان کے گمراہ کن پروپیگنڈوں سے متنبہ کرتے رہیں۔

**(۶) شعبۂ تدریب المعلّمین:** اس شعبہ میں ہر سال ایسے چار خوش نصیب فضلاء کا انتخاب ہوتا ہے جو اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے ہوں نیز مجلس تعلیمی کے انٹرویو میں کامیاب قرار دئے گئے ہوں، ان فضلاء کو دو سال تک تین ہزار روپئے قیام وطعام کے ساتھ وظیفہ کی شکل میں دئے جاتے ہیں۔

**(۷) شعبۂ انگریزی زبان وادب:** اس شعبہ میں داخلہ کے امیدوار طلبہ کا حدیث، تفسیر، فقہ اور عربی زبان کا امتحان تحریری اور تقریری لیا جاتا ہے کامیاب پندرہ طلبہ کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

**(۸) شعبہ کمپیوٹر:** اس شعبہ میں ہر سال بیس طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے جو طلبہ اس شعبہ کے امیدوار ہوتے ہیں ان کو انگریزی، ہندی اور حساب کے مبادیات میں سوجھ بوجھ ضروری ہے۔

**(۹) مدرسہ ثانویہ:** مادر علمی کی نشأۃ ثانیہ سے قبل دارالعلوم میں عربی چہارم تک کی تعلیم برائے نام تھی اور توجہ مکمل اوپر کی تعلیم پر تھی لہٰذا پورے ہندوستان میں بالعموم اور مغربی اتر پردیش میں بالخصوص یہ بات مشہور تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں سال پنجم عربی سے داخلہ لینا چاہئے کیونکہ وہاں ابتدائی تعلیم پر توجہ نہیں ہے، لیکن اس تیس سالہ دور میں اس طرف بھی توجہ ہوئی اور مدرسہ ثانویہ کے نام سے ابتدائی تعلیم کو مستقل کیا گیا اور اس پر خاص توجہ مرکوز ہوئی جس کا ثمرہ یہ ہے کہ عربی اوّل سے عربی چہارم تک کے امیدواروں کی تعداد داخلہ کے وقت سیکڑوں سے متجاوز ہوکر ہزاروں میں پہنچ جاتی ہے اور چار سو سے زیادہ تشنگانِ علوم دینیہ اپنی علمی پیاس بجھانے میں مصروف ہیں۔

**(۱۰) دارالقرآن:** شعبۂ تحفیظ القرآن اور ناظرۂ قرآن کریم کا حال بھی عربی ابتدائی سے دیگر نہ تھا، لہٰذا یہ شعبہ بھی توجہ تام چاہتا تھا جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شرکاء کار حضرات نے محسوس فرما کر اس کے لیے دارالقرآن کے نام سے ایک تعلیم گاہ متعین فرمائی اور جس شعبہ میں دو چار اساتذہ سے زائد نہ تھے وہاں آج بیس اساتذۂ کرام خدمتِ قرآن کریم میں مشغول ومصروف ہیں۔

## حضرت نور اللہ مرقدہ کے عہد اہتمام میں تعمیرات کے حوالہ سے ترقیات

حضرت امیر الہند ثالث کا عہد اہتمام دارالعلوم کی عمر مسعود کا ایک خُمُس (پانچواں حصہ) ہوتا ہے کیونکہ قیام دارالعلوم کو ایک سو انچاس (۱۴۹) سال ہو رہے ہے، جس میں تیس سال کے قریب حضرت کا عہد اہتمام ہے اس مختصر دور میں مادر علمی نے جو تعمیری ترقیاں کی ہیں وہ ایک کرامت سے کم نہیں مثلاً:

(۱) جامع رشید کی وہ پرشکوہ عمارت جو دنیا کی چندگنی چنی عمارتوں میں سے ایک ہے۔ (۲) شیخ الہند منزل (اعظمی منزل) کی سہ منزلہ عمارت جو تقریباً ساٹھ بڑے کمروں پر مشتمل ہے (۳) شیخ الاسلام منزل (آسام منزل) بھی سہ منزلہ ہے جو ایک سو بیس بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل ہے (۴) حجۃ الاسلام منزل (مدرسہ ثانویہ) کی دو منزلہ عمارت ہے جس میں شعبۂ اطفال، اردو ہندی پرائمری تا فارسی پنجم اور عربی اوّل تا عربی چہارم کی مکمل درسگاہیں ہیں جن میں تقریباً پانچ سو نونہالانِ ملت اپنی علمی تشنگی دور کررہے ہیں (۵) حکیم الامت منزل (دارالقرآن) کی سہ منزلہ عمارت جس میں تحفیظ القرآن اور ناظرۂ قرآن کریم کی تقریباً پچیس درسگاہیں اور ان سے متعلق اساتذہ کرام اور طلبہ عزیز کی قیام گاہیں، ایک بڑا ہال جو جماعت خانے کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور دفتر وغیرہ ہیں (۶) دارالمدرسین کی دو منزلہ عمارت جس میں آٹھ اساتذۂ کرام کے اہل خانہ کے ساتھ قیام کا آرام دہ انتظام ہے (۷) رواقِ خالد کی درمیانی تحتانی منزل کے استثناء کے ساتھ تینوں عمارتیں جو پچاس سے زائد کمروں پر مشتمل ہیں (۸) دارالقرآن قدیم کے اوپر اساتذۂ کرام کے پانچ پرسکون گھر اور ان سے ملحق دارالاقامہ کے چند کمرے (۹) دار جدید کی نئی عمارت جو تا ہنوز ساٹھ بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل ہے جس میں عزیز طلبہ کی سہولت کے لیے سمینٹیڈ بیڈ بنائے گئے ہیں (۱۰) جامع رشید کے سامنے مکتبہ دارالعلوم، عظمت ہسپتال، ریلوے ٹکٹ گھر، بینک کی شاخ اور اے، ٹی، ایم کے لیے پانچ بڑی دوکانیں ہیں جو طلبہ کے لیے نہایت درجہ مفید ہیں (۱۱) دفتر تعلیمات کی عمارت جو پانچ ہال نما کمروں پر مشتمل ہے (۱۲) احاطۂ مولسری کی تزئین (۱۳) مہمان خانہ کی تجدید وتوسیع (۱۴) دارالاہتمام کی تزئین (۱۵) مسجد قدیم کی تزئین (۱۶) مسجد چھتہ کی تزئین (۱۷) پانی کی موجودہ دونوں ٹنکیاں (۱۸) شیخ الہند لائبریری کی وہ بے مثال عمارت جو قریب قریب تعمیر کے نصف مراحل سے متجاوز ہے اور ایک شاہکار عمارت کا مقام حاصل کرے گی (۱۹) دارالحدیث تحتانی میں ٹائلس وغیرہ سے تزئین کاری۔ نیز بہت سی آراضی کی خریداری وغیرہ۔

### شعبۂ تنظیم وترقی میں استحکام

مادر علمی کی نشأۃِ ثانیہ سے قبل دارالعلوم کا صرفہ پچاس لاکھ روپئے سے کم تھا

اورحضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے عہد اہتمام کے تیس سالہ دور میں یہ صرفہ بڑھ کر ساڑھے تیرہ کروڑ سے متجاوز ہے نیز حضرت سے قبل شعبۂ تنظیم وترقی کل صرفہ کا ایک تہائی بھی جمع نہیں کر پاتا تھا اسی لیے بہت سی الجھنیں اور دشواریاں پیش آتی تھیں، لیکن حضرت نور اللہ مرقدہ نے اس جانب خصوصی توجہ فرمائی، سفراء کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کیا جن کی تعداد فی الوقت پچاس ہے نیز سفراء میں تقابل وتنافس پیدا کرنے کے لیے زیادہ وصول کرنے والے یا زیادہ اضافہ کرنے والے کو سالانہ انعام سے نوازا جس کی بدولت آج الحمد للہ مادر علمی میں صرف ہونے والے کل صرفہ کے دوتہائی سے زیادہ کا شعبہ تنظیم وترقی خود کفیل ہے جو مادر علمی کے لیے ایک خوش آئند بات ہے۔

### طالبانِ علوم دینیہ کی کثرت

حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اہتمام کی باگ ڈور سنبھالنے سے پہلے مادر علمی میں تشنگانِ علوم کی تعداد سترہ اٹھارہ سو سے زائد نہ تھی لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جہد مسلسل اور نہ رکنے والی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ آج وارثین انبیاء کی تعداد دوگنا سے متجاوز ہوتے ہوئے تقریباً چار ہزار ہے۔

### رابطہ مدارس اسلامیہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس طرح ہمہ وقت دار العلوم کو ہر نہج سے بام ثریا تک پہنچانے کی تگ ودو میں مصروف رہتے تھے اسی طرح ملت اسلامیہ کا درد بھی حضرت کو ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا، لہٰذا حضرت اہل علم کی آراء اور مشوروں میں اگر ذرہ برابر بھی خیر محسوس کرتے تو فوراً اس پر عمل درآمد کرنے کا حکم فرماتے اسی لیے جب پورے ہندوستان کے مدارسِ اسلامیہ کو باہم مربوط کرنے کا مسئلہ سامنے آیا کہ ملت اور قوم کے اتحاد کی ایک بہترین صورت ہے تو حضرت نے بخوشی اس کی تصویب فرمائی اور دار العلوم کے پلیٹ فارم سے ایک فعال اور متحرک تحریک اور تنظیم بنام کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ کے قیام کی اجازت فرمائی اور قیام کے وقت سے تا زیست تنظیم کی صدارت اور سرپرستی فرماتے رہے جو حقیقتاً پوری ہندوستانی ملت کی فراموش نہ ہونے والی خدمت ہے۔

### فرقِ باطلہ کا تعاقب

عہد نبوت ورسالت سے دوری اور بعد کی وجہ سے خیر معدوم ہوتی جارہی ہے اور باطل اور شر اپنے بال وپر نکالنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے، لہٰذا دورِ حاضر میں باطل نام نہاد مسلمانوں کے روپ میں اسلامی لبادہ اوڑھ کر قصر اسلام کو نقصان پہنچانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے پس مدارس اسلامیہ کی یہ ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ اپنے فضلاء اور فرزندان اسلام کو ایسے ہتھیاروں سے لیس اور آراستہ کریں جن کے ذریعہ وہ اہل ہوا وہوس باطل فرقوں کا دنداں شکن اور منہ توڑ جواب دے سکیں۔ چنانچہ ام المدارس از ہر ہند دار العلوم دیوبند نے سب سے پہلے اس ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے محاضراتِ علمیہ کا سلسلہ شروع فرمایا جس کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مؤقر اساتذۂ کرام سے سات عنوانات پر علمی محاضرات تیار کرائے اور ہر موضوع سے متعلق چار چار پانچ پانچ چھوٹے چھوٹے رسالے تیار کئے گئے جن کو ہر ہفتہ جمعرات کے دن حضرات اساتذہ کرام طلبہ عزیز کے سامنے پیش فرماتے ہیں تکمیلات کے تمام طلبہ ان میں شرکت کرتے ہیں سال کے اخیر میں امتحان ہوتا ہے اور کامیاب فضلاء کو فن مناظرہ سے متعلق گرانقدر علمی کتابوں کا انعام سند محاضرات کے ساتھ دیا جاتا ہے اوراس سلسلہ محاضرات کا فائدہ اہل علم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔

### حرفِ آخر

حضرت عارف باللہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کو دار العلوم سے عشق کی حد تک محبت اور والہانہ عقیدت تھی اسی لیے ہر موقع پر دار العلوم کا مفاد مقدم رہتا تھا اور اس سلسلہ میں کبھی کسی سے نہ سمجھوتہ کیا اور نہ کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ مدنظر رکھا اسی لیے محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے تعزیتی اجلاس میں فرمایا تھا کہ حضرت سخاوت اور بخل دو متضاد صفات سے بیک وقت متصف تھے یعنی حضرت سخی اور بخیل بیک وقت ہوتے تھے۔ یعنی ذاتی زندگی میں اوراپنی جیب خاص سے خرچ کرنے میں حاتم وقت تھے، البتہ مادر علمی کے مالیات کے سلسلہ میں بخل آپ کا وصف مشہور تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امانت ودیانت کے اس مقام پر فائز تھے کہ شاید ہی دورِ حاضر میں کوئی نظیر ومثال مل سکے، مادر علمی دار العلوم کے مفاد میں جہد مسلسل، سعی پیہم اور نا تھکنے والا عزم رکھتے تھے۔ ساتھ ہی اپنی جدوجہد اور کوششوں کو کچھ نہ جانتے ہوئے خداوند قدوس سے گڑگڑا کر اور دیر تک رو، رو کر دعائیں مانگنا بھی آپ کا ایسا مسلسل عمل تھا کہ بعض حضرات کہتے تھے کہ دار العلوم تو حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی دعاؤں کی بدولت چل رہا ہے جیسا کہ محدثِ وقت استاذ محترم حضرت اقدس مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دار العلوم دیوبند نے تعزیت کے جلسہ میں فرمایا تھا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ ایسے خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جو پشتہا پشت سے رئیس اور زمین دار چلا آرہا ہے اور صاحب ثروت گھرانے کے افراد میں نمایاں ہونے کا جذبہ فطری ہوتا ہے لیکن حضرت فروتنی اور نفس کشی کے امام تھے لہٰذا ہم خردوں اور خوشہ چینوں کے لیے حضرت کی زندگی مشعل راہ ہے خداوند عالم ہم سبھی کو حضرت کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے اور حضرت کو کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ومرتبہ عنایت فرمائے اور تمام سوگواروں کو صبر جمیل کی دولت مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔ □□

# دارالعلوم دیوبند کا بیدار مغز مہتمم نہ رہا

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دینی اداروں اور انجمنوں کو اسلام کی اشاعت و حفاظت کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اور یہ نظام قرن اوّل سے ہی چلا آ رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر ہر پیش رو اپنے سلف کا صحیح خلف نہیں ہو پاتا، اس لیے کہ جس قدر خیر القرون سے بُعد اور دوری ہوتی جائے گی، اسی قدر امت کے رجال کار میں انحطاط اور تنزل ہوتا جائے گا، اور یہ بھی منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔

دارالعلوم دیوبند ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے، جس کی عظمت و عزت اور جس کا احترام وعقیدت ہر صحیح راسخ العقیدہ مومن کے دل میں ہے، یہ اور اس طرح کے ادارے اسلامی افکار ونظریات اور آسمانی تعلیمات و ہدایات کی نشر واشاعت کے ہیڈ کوارٹر یا پاور ہاؤس ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ بظاہر اسلام کی بقاء کے ضامن ہوتے ہیں، اس لیے جن کے ہاتھوں میں ان جیسے اداروں کی باگ ڈور ہوتی ہیں وہ خود بہت سعید، پاکباز، پاک طینت اور انسانیت کی کشتی کے ملاح اور اصطلاحی زبان میں وارثین انبیاء ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جس کی تاریخ درخشاں، جس کا ماضی شاندار، جس کا حال تابناک اور جس کا مستقبل روشن ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اچھا اہتمام کرنے والے، اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے والے، اس کے کاموں کو چار چاند لگانے والے، اس کے مشن کو آگے بڑھانے والے اور اس کے پیغام اور آواز کو چہار دانگ عالم میں پہنچانے والے نفوس قدسیہ اور اصحاب عزیمت افراد عطا فرمائے ہیں، جن کی عظمتوں اور جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جس کے میر کارواں و مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری جو یکم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو فیصلہ خداوندی کے مطابق واصل بحق ہوگئے، وہ اپنی اعلیٰ خصوصیات وصفات، اپنے اخلاق و کردار، اپنے انتظام وانصرام، اپنے حسن تدبیر وحسن تفکر اور اپنی بیدار مغزی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو چمکانے، اس کی تعمیر وترقی میں، اس کے پیغام ومشن کو عام کرنے میں، اس کے انتظام و انصرام کو بہتر کرنے میں جس اعلیٰ صلاحیت کا نمونہ پیش فرمایا ہے، یہ ناکارہ سمجھتا ہے کہ یہ سب منجانب اللہ، ان کے موفق من اللہ اور موہوب من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ بظاہر وہ نہ درس وتدریس کے آدمی تھے، نہ تقریر وتحریر کے، نہ تزکیہ واحسان کے، نہ مجلس ودیوان کے اور نہ اپنی ذات میں ایک انجمن کے، عوام تو عوام بعض دارالعلوم کے ملازمین بھی ان کو گونگا مہتمم کہتے تھے۔ مگر قربان جائیے مرغوب الرحمٰن کے مرغوبیت پر، محبوبیت پر، مرعوبیت پر، تدین پر، تقوی وطہارت پر، امانت و دیانت پر، صداقت وشجاعت پر جود وسخا پر، متانت وسنجیدگی پر، عظمت پر، تقدس پر، احترام پر اور ان کی اس مقبولیت پر کہ وہ ۳۰/سال کے قریب دارالعلوم جیسے ہمہ گیر ادارے کے اہتمام پر فائز رہے اور بظاہر کچھ باصلاحیت نہ ہوکر بھی باصلاحیت کی کشتی کو پار لگانے والے کامیاب ملاح قرار پائے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ۱۹۱۴ء میں بجنور کے ایک متمول اور رئیس خاندان میں پیدا ہوئے تھے، اور ان کے والد بھی دارالعلوم کے فاضل تھے، اور دارالعلوم سے ان کا قدیم خاندانی تعلق تھا، ابتدائی تعلیم انھوں نے بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، مگر اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں انھوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی اور فقیہ الامت مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جیسے سلاطین علم وادب سے علم حاصل کیا اور ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ وقت کے لیے تعلیمی انقطاع رہا، اس کے بعد انھوں نے پھر دارالعلوم کے شعبہ افتاء میں داخل ہوکر فقہ وافتاء میں تخصص کیا۔

چونکہ وہ خاندانی اعتبار سے زمیندار، رئیس تھے، اس لیے زیادہ تر وقت گھریلو کاموں میں صرف ہوا، ان کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری چونکہ دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، اور دارالعلوم سے ان کا خاندانی تعلق تھا، اس لیے ۱۹۶۲ء میں ان کو دارالعلوم کی شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا، اور انھوں نے شوری میں اپنی پابندی سے حاضری اور اپنے وقیع واہم مشورے اور اصابت رائے کی بنا پر اپنی صلاحیت، اپنے فہم وتدبر، اپنے تقویٰ وورع اپنی بیدار مغزی وتیقظ اور کردار عمل کا ایسا اثر چھوڑا کہ جب دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ضعیف ہوگئے تو ۱۹۸۱ء میں ان کو حضرت قاری صاحب کا معاون بنایا گیا، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں مجلس شوریٰ نے مستقل آپ کو دارالعلوم کے اہتمام کے منصب پر فائز کردیا، جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔

دارالعلوم دیوبند نے آپ کے ۲۸ ؍سالہ دور میں جو ترقی کی، وہ سب آپ کے نامہ اعمال میں ہے، اور دارالعلوم دیوبند کے ساتھ خود آپ کی زندگی کا ایک سنہرا باب ہے، تعمیراتی اعتبار سے جو ترقی ہے وہ جدید عمارات کی شکل میں سب کے سامنے ہے، مثلاً شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت جیسے اکابرین کی طرف منسوب عمارتیں، اور دارالعلوم کی پرشکوہ مسجد ’جامع رشید‘ جو قابل دید ہے، لائبریری کی آٹھ منزلہ عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد آپ کے دور میں رکھا گیا، دار جدید کی قدیم عمارت کی تجدید وتوسیع بھی آپ کے دور کا اہم کارنامہ ہے۔

ان کے ابتدائی دور میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ایک کروڑ سے بھی کم تھا، آج تیرہ چودہ کروڑ روپے ہے، تعلیمی اعتبار سے جو ترقی ہے، اس میں بہت سے نئے شعبوں کا افتتاح اور قیام عمل میں آیا، نصاب تعلیم میں کسی قدر عصری تقاضوں کے پیش نظر ہم آہنگی کی گئی، شعبہ انگلش، شعبہ کمپیوٹر قائم ہوا، شیخ الہند اکیڈمی اور دیگر تخصصات کے شعبے آپ ہی کے دور اہتمام میں قائم ہوئے، ابتدائی درجات کی تعلیم کا نظام بہت ٹھوس اور مضبوط بنایا گیا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے، رابطہ مدارس اسلامیہ مستقل ایک شعبہ قائم کیا گیا، غرضیکہ آپ کے دور میں دارالعلوم نے ہر اعتبار سے ترقی کی راہیں اختیار کیں، اور دارالعلوم کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوا، آپ کے دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ رہی کہ کوئی شورش برپا نہیں ہوئی، کوئی اسٹرائک نہیں ہوا۔

جن حالات میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مہتمم بنایا گیا، وہ انتہائی خطرناک اور آزمائش کے حالات تھے، مگر جس جوانمردی، پامردی، اخلاص وتوکل اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے، اس سے خود آپ کے اور دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا، آپ کی جہاں بہت ساری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب بھی دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، تو ہر شوریٰ واجلاس کے موقع پر اپنے اہل تعلق کے یہاں ٹھہرتے اور کھاتے، مہمان خانہ استعمال نہ کرتے، اور جب مہتمم بنائے گئے تب بھی دارالعلوم کا کوئی سامان اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، یہاں تک کہ جس کمرہ میں قیام رہتا تھا، اس کا اور بجلی کا ماہ بماہ کرایہ دفتر محاسبی کو جمع کراتے تھے، مہتمم تو بہت اور ایک سے ایک ملیں گے، مگر ان صفات کا حامل شاید و باید، بس اللہ ہی جس کو نوازدے۔

حضرت مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس بات کو کہتے تھے پورے تیقظ واتقان کے ساتھ، پورے استقلال اور جوانمردی کے ساتھ، اس میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی، ہر معاملہ میں ان کی رائے اور احتیاط قابلِ تعریف ہوتی تھی، انٹرنیشنل ایشوز پر بھی ان کی باتیں میڈیا کے ذریعہ عوام تک پہنچتی رہتی تھیں۔ لیکن کبھی کسی نے ان کی بات پر انگلی نہیں اٹھائی، انھوں نے کسی کو تنقید کا موقع نہیں دیا، اس لیے کہ حالات حاضرہ کے مسائل پر ان کی نظر گہری تھی اور وہ انتہائی زیرک، دور اندیش، مدبر اور مفکر انسان تھے، غرضیکہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین تھے۔

ایک مرتبہ غالباً فروری ۲۰۰۷ء کی تین یا چار تاریخ میں ایک جنوبی افریقہ کے مہمان کے ساتھ دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کا موقع ملا، اتفاق سے اس وقت ایک غیر ملکی انگریز حضرت مہتمم صاحب سے سوالات کرکے انٹرویو لے رہا تھا، وہ پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ اس کے ہر سوال کا جواب اطمینان بخش دے رہے تھے، اور جناب عادل صدیقی صاحب ترجمانی کر رہے تھے، اس وقت اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت مہتمم صاحب کو گونگا کہتے ہیں، یہ گونگا نہیں بلکہ یہ دارالعلوم کے بیدار مغز مدبر، مفکر اور دُور اندیش مرشد ومربی ہیں۔

ہم مانتے ہیں کہ وہ نہ لکھتے تھے، نہ تقریر کرتے تھے، مگر کتنے مصنّفین، محدثین، مقررین، مفسرین، بحرالعلوم اور امام المعقولات والمنقولات ان سے روحانی طاقت وقوت اور اسپرٹ حاصل کرتے تھے، اس لیے کہ وہ دارالعلوم کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے میر کارواں تھے، باقی جتنے تھے اور جس درجہ کے بھی ہوں، سب ان کے تابع تھے، اس لیے ان کو چاہے مہتمم دارالعلوم کہیں، یا رئیس العلماء کہیں یا ابوالعلماء کہیں، یا مشرف العلماء یا امیر العلماء والمحدثین والفقہاء جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، ان کے اندر جو صفات وخصوصیات تھیں وہ کم لوگوں میں ہوتی ہیں، مگر چونکہ اس دنیا کا ایک نظام ہے، جو یہاں آیا وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، اور جس نے یہاں کچھ کیا اور اس کی مزدوری اس کو آخرت میں ملنی ہے، اس لیے اسی راہ کو اختیار کرتے ہوئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے بھی یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ ؍دسمبر ۲۰۱۰ء صبح کے وقت اپنے وطن بجنور میں سفر آخرت اختیار کرلیا، اور قمری ماہ وسال کے حساب سے تقریباً سو سال اور شمسی حساب سے چھیانوے سال اس عارضی وطن میں زندگی گزار کر چلے گئے، اور اسی دن شب میں دیوبند میں مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی، باقیات الصالحات میں علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند اور ہر اہل تعلق مسلمان کو چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو غریق رحمت کرے، اوران کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! □□

# نابغۂ روزگار ہستی — مولانا مرغوب الرحمٰنؒ

عادل صدیقی، دیوبند

الہامی مدرسہ کے روحِ رواں، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک، نام ونمود کی خواہش سے بے پرواہ، تعلیم وتعمیر سے پوری طرح وابستہ، دارالعلوم کے احوال ومسائل کے حل کے تئیں بیدار رہنے والے، دارالعلوم کو فعال اور متحرک بنانے والے، معاندینِ اسلام سے شیریں بیانی سے پیش آنے والے، امیر الہند کے منصب کو عزت ورفعت دلانے والے، خوش کلامی سے اپنوں اور غیروں کو متاثر کرنے والے، مخالفوں کی غلطیوں کو معاف کرنے والے، خدمتِ خلق کو زندگی کا مقصد قرار دینے والے، صلہ کی تمنا سے بے نیاز رہنے والے، لذائذِ حیات سے دور رہ کر عملِ پیہم میں یقین رکھنے والے کون؟ یہ تھے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ جن کو مرحوم کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ بجنور کے محلّہ قاضی پاڑہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حکیم مشیت اللہ بجنوری تھا۔ آپ مہمان نوازی کے لیے بے حد مشہور تھے۔ احقر کو اس کا تجربہ اُس وقت ہوا جبکہ میں سیوہارہ میں مسلم قدرت انٹر کالج میں تھا اور وہاں سے اکثر چند معزز ہستیوں کے ساتھ بجنور جانا ہوتا تھا اور آپ کے یہاں قیام وطعام کی لذتوں سے آشنا ہوتا تھا۔ آپ بھی فاضل دارالعلوم تھے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد تھے۔ مولانا مشیت اللہ ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاحیات رکن شوریٰ کے منصب پر فائز رہے۔ مولانا مرغوب الرحمٰن کا سن ولادت ۱۹۱۴ء ہے۔ آپ نے مدرسہ رحیمیہ مدینۃ العلوم جامع مسجد بجنور میں ابتدائی تعلیم پائی۔ آپ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی سے صحیح بخاری جامع ترمذی پڑھی۔ آپ نے دارالعلوم کے شعبۂ افتاء میں صدرِ شعبہ حضرت مولانا سہول بھاگلپوری اور مفتی محمد شفیع دیوبندی سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں گھر آگئے۔ دیوبند میں آپ نے حضرت مولانا اعزاز علیؒ، مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ اور دیگر بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ تعلیم مکمل کر لینے کے بعد مدرسہ رحیمیہ مدرسۃ العلوم میں درس دینا شروع کر دیا مگر گھر پر جائیداد کے انتظام کے لیے وقت نکالنا ضروری ہوا اور اس ضرورت کے تحت آپ نے درس کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ۱۴۰۱ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں کارگزار مہتمم کی حیثیت سے خدمت انجام دینے کے لیے بلائے گئے اور ۳۰ ؍مئی ۱۹۸۱ء کو آپ نے یہ منصب سنبھالا اور تقریباً ۲۹ سال تک آپ دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ آپ کے دورِ اہتمام میں دومحاذوں تعلیمات اور تعمیرات پر پر توجہ دی گئی۔ آپ کے دور میں مسجد رشید کی تعمیر ہوئی جس میں آئے دن باہر کے مہمان آ کر نماز ادا کرتے ہیں اور ان کی زبان سے اکثر یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ یہ دیوبند کا تاج محل ہے۔ اس کی تعمیر وتشکیل میں نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آج بھی وہ دارالعلوم کے لیے ایک بڑی لائبریری کی تعمیر کرانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ آپ کا دورِ اہتمام بہت سے مسائل سے دوچار رہا ہے۔ اس جمہوری ملک کی سیاست نے اس مدرسہ کو آلۂ کار بنا کر اس سے سیاسی مفادات حل کرنے کی کوشش کی، مگر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی دوراندیشی اور ان کی فراست نے اسے سیاسی ادارہ نہ بننے دیا۔ آئے دن باہر کے سیاست داں آتے رہے، ان کو دارالعلوم کی تعلیمی اور ثقافتی نیز جنگ آزادی میں اس ادارے کے رول کو واضح کر کے ان کو یہ بتایا گیا کہ یہ صرف ایک تعلیمی ادارہ ہے اور اس کا تعلق کسی ایک سیاسی جماعت سے نہیں ہے۔ آپ کے دور میں بی بی سی لندن، واشنگٹن پوسٹ، ایشین وال پیپر کے نمائندے آئے۔ الجزیرہ کے نمائندے آئے۔ پیرس، انگلینڈ، امریکہ، جرمنی، اٹلی کے نمائندے آئے۔ آپ نے سب سے گفتگو کر کے اوران کو دارالعلوم کی تعلیمی خدمات سے واقف کرا کر ان کو مطمئن کر کے لوٹا دیا مگر دیوبند کو کسی بھی پارٹی یا سیاسی مسلک سے جڑنے نہ دیا۔ آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں ہر سیاسی موضوع پر بیان ضرور جاری کیا مگر اس سے نہ کسی کو شکایت ہوئی اور نہ ہی وہ بحث کا موضوع بن سکا۔ یہ ان کی سیاسی بصیرت کا ہی فیض تھا کہ دارالعلوم ایک ایسا ادارہ رہا جو صرف تعلیمی مسائل سے ہی جڑا رہا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن نے قاری محمد طیب صاحبؒ کی جگہ منصبِ اہتمام کو سنبھالا جو ایک بہت مشکل وقت تھا۔ قاری طیب صاحب بلاشبہ عالمی شہرت کے مالک عالم تھے۔ ان کی جگہ جب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے یہ منصب سنبھالا تو اکثر لوگوں نے طرح طرح کے شبہات ظاہر کیے۔ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی جانے لگیں۔

مثلاً یہ کہ وہ تحریر وتقریر کے آدمی نہیں ہیں۔ درس وتدریس کے مشغلہ سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہیں وغیرہ وغیرہ، مگر آپ نے اس مشکل دور میں بھی خاموشی سے انتظام وانصرام کے مشکل مراحل بہت صبر وضبط اور دانشمندی سے طے کیے۔ آپ نے یہ سب خدمات بغیر کسی معاوضہ یا تنخواہ کے ادا کیں۔ گھریلو مصروفیات کو ترک کر کے دارالعلوم کو ہمہ وقت خدمت کو زندگی کا مقصد بنالیا۔ اس طرح بظاہر ایک معمولی شخصیت نے دارالعلوم کی جس انداز پر تندہی سے خدمت کی، اس کو ہمیشہ مجلسِ شوریٰ نے سراہا اور آپ کے فیصلوں سے پوری طرح اتفاق کیا۔ آپ کو تعلیمات کے ساتھ ساتھ تعمیرات سے بھی خصوصی دلچسپی تھی۔ چنانچہ جب آپ کی صحت نے اجازت دی، آپ ہمہ وقت تعمیرات کا بذاتِ خود موقع پر جا کر جائزہ لیتے رہتے۔ دارالعلوم کا نقصان آپ کو کسی قیمت پر برداشت نہیں تھا۔ محاسبی کے ارکان کو بار بار بلاکر ان سے یہ سوال کیا جاتا رہا کہ دارالعلوم نے جس جس شخص کو علیٰ الحساب رقم دے رکھی ہے، اس نے اس کا حساب کیا یا نہیں؟ جو لوگ اس کام میں تساہل برتتے تھے، ان کو آپ بار بار تنبیہ فرماتے رہے اور ان سے حسابات طلب کرتے رہے۔ اساتذہ کے لیے فیملی کوارٹر کی تعمیر سے بھی آپ کو خصوصی دلچسپی رہی۔ کتب خانے کی توسیع وترقی سے بھی آپ کو خاص شغف رہا۔ دارالعلوم دیوبند میں طلباء کے کھانے پینے اور رہائش کا معقول انتظام بھی آپ کی توجہ کا مرکز رہا۔ آپ نے ہاسٹل کی تعمیر وتوسیع پر خاص زور دیا۔ محلّہ خانقاہ میں بہت سے مکانات خریدے گئے، آپ کے دور میں تخصص فی الحدیث اور تکمیل العلوم کے شعبہ جات کا قیام عمل میں آیا۔ شعبہ ختم نبوت قائم ہوا، رابطہ مدارس اسلامیہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی اور مولانا شوکت بستوی کو تمام مدارسِ اسلامیہ سے رابطہ بنانے کے لیے کہا گیا۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو آپ نے اپنی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ آپ کے دور میں دارالعلوم میں کمپیوٹر کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ انگریزی زبان کی تعلیم دی جانے لگی، شیخ الہند اکیڈمی کے قیام کے ذریعے تصنیف وتالیف کے کام کو آگے بڑھایا گیا اور طلباء کو صحافت کا نصاب پڑھایا جانے لگا۔ چنانچہ یوسف رامپوری، اعجاز ارشد اور دیگر بہت سے صحافی آج صحافتی دُنیا میں اپنی شناخت بنا چکے ہیں۔ انٹرنیٹ کے شعبہ کے حوالے سے ''کرلو دُنیا مٹھی میں''، پرعمل درآمد کرایا گیا۔ آج دارالعلوم کی خدمات، خاص کر دارالعلوم کے فتاویٰ پوری دُنیا کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کے دور میں فرقہ باطلہ کے رد کے لیے محاضرات کا مستقل نظام وجود میں آیا اور تحفظ ختم نبوت نیز شعبۂ ردّ عیسائیت جیسے شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ آپ کے دور میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ آپ کے دور میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ چودہ کروڑ روپے سے بھی زیادہ تک پہنچ گیا۔ خیال رہے کہ قاری طیب صاحب کے دور میں دارالعلوم کا بجٹ صرف ساٹھ لاکھ روپے سالانہ تھا۔ دارالعلوم کی تعلیمی، اقتصادی اور دیگر متفرق سرگرمیوں کی باریک بینی سے جانچ پڑتال آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ آپ کے دور میں دس روپے بھی آپ کی اجازت کے بغیر خرچ میں نہیں آئے۔ مولانا مرغوب الرحمٰن عجلت پسند نہ تھے اور ہر فیصلے کو سوچ سمجھ کر اور دانشوروں کے مشورے کے بعد ہی عملی جامہ پہنانے کی اجازت دیتے۔ مختصراً یہ کہ مولانا دارالعلوم کے تیس سالہ دور اہتمام میں ہمیشہ دارالعلوم کے مفاد کو مقدم جانا۔ آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد ہر مسلک اور ہر پارٹی کے لوگ بڑی بےصبری سے آپ کی تعزیت کو آئے اور آپ کی خدماتِ عالیہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یکم محرم الحرام یومِ چارشنبہ کو آپ نے اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور پورے عالم اسلام کو غم و الم کے آنسوؤں سے تر کر گئے۔ آپ کی ہمہ گیر خدمات دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کی خدماتِ عالیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی جائے جہاں آپ کی علمی، تعمیری، سیاسی بصیرت کے حوالے سے آپ کی خدماتِ عالیہ پر روشنی ڈالی جائے۔ آپ کے فیصلوں اور آپ کی رائے عالی کو مجلس شوریٰ کس قدر اہمیت دیتی تھی، یہ ایک مستقبل باب ہے۔ کسی بھی وقت آپ کے فیصلوں سے مجلس شوریٰ کے ارکان کو اختلاف نہ ہوا۔ بہرطور مولانا مرغوب الرحمٰن کی ذاتِ گرامی ایک فعال اور متحرک انسان کی عملی مثال تھی۔ بقول شاعر:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دارالعلوم کو ایک مشکل وقت میں کامیاب ادارے کی شکل میں آگے بڑھانا آپ کا ایک ایسا روشن ترین کارنامہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو آپ کی جانشینی کا مسئلہ حل کرتے وقت ہر وقت آپ کی صفاتِ جمیلہ اور دوراندیشی کو خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ آپ نے جمعیۃ علماء ہند میں رہتے ہوئے امیرالہند کے منصب کو جو اعزاز بخشا وہ اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ آپ ہمیشہ اتحاد واتفاق کے حامی رہے ہیں اور دارالعلوم کو بامِ شہرت پر پہنچانے والے ایک ایسے آدمی ہیں جن کے دور میں پوری دُنیا کے دانشور، صحافی، سیاستداں ہر وقت دارالعلوم آتے رہے اور یہاں سے مطمئن ہوکر لوٹے۔ آپ کی حکمت، فراست، مستعدی آنے والی نسلوں کے لیے یقیناً مشعلِ راہ ہے۔□□

# نجم تاباں کا غروب

مولانا خورشید حسن قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند

یوں تو ہر ایک انسان کو جہان فانی سے دارالبقاء کی طرف جانا ہے جس کا ایک وقت مقرر ہے لیکن کچھ حضرات ایسے ہوتے ہیں جن کی وفات کے بعد اُن کی لافانی یادیں اور ملت کیلئے ان کی خدمات ہمیشہ ہمیشہ یاد رہتی ہیں اور ان کی لافانی یادیں تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصہ بن جاتی ہیں۔ ایسا ہی المناک حادثہ، عالم اسلام کی ایک برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی وفات حسرت آیات کی صورت میں پیش آیا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا خانوادہ اعیان بجنور میں شمار ہوتا ہے جن کی ذاتی شرافت، تواضع، اخلاق عالیہ، مہمان نوازی، صلۂ رحمی، زبان زد خاص وعام ہے۔ حضرتؒ کے والد ماجد مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ کی ذات گرامی محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

حضرت امیر الہندؒ کے والد ماجد مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ نے بھی طویل عرصہ تک رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کی بے لوث خدمات انجام دیں اس طرح آپ کا خانوادہ تقریباً ایک صدی سے دارالعلوم دیوبند کی خدمات انجام دیتا آرہا ہے۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کا راقم الحروف سے غیر معمولی تعلق تھا راقم الحروف رویت ہلال کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے پابندی سے ہر ایک ماہ خدمت اقدس میں چاند ہونے یا نہ ہونے کی اطلاع جس وقت دینے کیلئے حاضر ہوتا تو غیر معمولی شفقت فرماتے اور کافی وقت خاندان کے بزرگوں اور راقم الحروف کے آبائی محلّہ، محلّہ بڑے بھائیان میں زمانہ طالب علمی میں وقت گزارنے اور خاص طور پر شاعر انقلاب علامہ انور صابریؒ اور جد المکرّم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ حضرتؒ راقم الحروف کے جد المکرّم مولانا نبیہ حسن صاحبؒ (جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے خاص تلمیذ تھے) کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور فرماتے کہ تفسیر جلالین شریف میں نے آپ کے دادا سے پڑھی ہے ۱۹۹۸ء میں جس وقت برادر مکرم مولانا شاہد حسن صاحب قاسمیؒ کے انتقال پر تعزیت کیلئے محلّہ بڑے بھائیان تشریف لے گئے تو حضرتؒ نے مولانا خورشید عالم صاحب دامت برکاتہم محدث وقف دارالعلوم دیوبند اور دیگر اہل محلّہ کی موجودگی میں ارشاد فرمایا:

''میں جس وقت تفسیر جلالین شریف کا امتحان دینے کیلئے مولانا نبیہ حسن صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت موصوف کتابِ مذکورہ کا امتحان لینے کے بجائے میرے لئے مکان کے اندر سے بریانی اور زردہ کی پلیٹ لے کر تشریف لائے اور فرمایا کہ بھائی پہلے یہ کھاؤ اور امتحان بعد میں دینا۔''

حضرت مہتمم صاحبؒ نے ایک واقعہ اور بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ مشکوٰۃ شریف کے درس میں حضرت الاستاذ مولانا نبیہ حسن صاحبؒ کو درسی تقریر میں لکنت طاری ہوگئی اور درس مشکوٰۃ آگے نہ بڑھ سکا۔

حضرت الاستاذ تمام طلبہ کو درس گاہ میں اسی طرح سے بیٹھے رہنے کا ارشاد فرما کر خود کسی جگہ تشریف لے گئے طلباء نے خاموشی سے دیکھا کہ آپؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے مزار مبارک پر چادر اوڑھ کر مراقب ہیں کچھ دیر کے بعد مزار مبارک کے مراقبہ سے فارغ ہوکر درسگاہ تشریف لاکر درس جاری فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرت الاستاذ یعنی شیخ الہندؒ نے اس مسئلہ میں اس طرح فرمایا ہے۔

بہرحال حضرتؒ کا راقم الحروف کے خانوادہ سے خاص تعلق تھا۔ رمضان المبارک سے قبل جس وقت عم المکرّم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ہندوستان تشریف آوری کی حضرتؒ کو اطلاع ملی تو دو مرتبہ احقر کو بلا کر فرمایا، مفتی تقی صاحب کو دیوبند تشریف لانے کے بعد دارالعلوم تشریف لانے کیلئے آپ تمام رشتہ داروں کو ضرور کوشش کرنی چاہئے اور ہم لوگ بھی اپنے طور سے دعوت دے رہے ہیں۔ چنانچہ جس وقت مفتی تقی عثمانی صاحب حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ کی مسرت لائق دید تھی۔

بہرحال حضرت مہتمم صاحبؒ ہمیشہ خانگی مسائل میں بھی احقر کے سرپرست تھے اور ہمیشہ ہی مربیانہ شفقت فرماتے، درحقیقت حضرت کی وفات حسرت آیات صرف برادرِ مکرم جناب مولانا انوار الرحمٰن اور ان کے اہل خانہ ہی کیلئے نہیں بلکہ عالم اسلام کیلئے ایک عظیم ناقابل تلافی نقصان ہے۔ خداوند قدوس حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ ☐☐

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی وفات — ایک عظیم سانحہ

مولانا بدر الحسن القاسمی، کویت

افسوس ہے کہ ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے، انتقال تو ان کا اپنے وطن بجنور میں ہوا لیکن تدفین دیوبند کے ''مقبرہ قاسمیہ'' میں عمل میں آئی جو درگاہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد نامور بزرگوں کی آرام گاہ ہونے کی حیثیت سے خصوصی شہرت رکھتا ہے اور جہاں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ بھی آسودہ خاک ہیں۔ موت کا مرحلہ تو ہر جاندار کے لیے طے شدہ ہے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے بھی تقریباً سو سال کی اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد اس دُنیا کو الوداع کہا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سے تعارف تو طالب علمی کے زمانے سے تھا، کیونکہ وہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن تھے اور امیر شریعت حضرت مولانا سیّد منّت اللہ رحمانی صاحب مرحوم سے میری عقیدت اور وابستگی اور ان دونوں کے درمیان دوستانہ مراسم اس درجہ کے تھے کہ دارالعلوم کی داخلی سیاست میں فکر و توجہ کے اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے اور مجلسِ شوریٰ کی نشست ختم ہونے کے بعد مولانا محمد گل صاحب کے دیوان خانہ گل کدہ میں رات دیر گئے تک انتہائی بے تکلفی کے ماحول میں گذارا کرتے تھے، جہاں ہنسی مذاق اور قہقہے کی گونج رہا کرتی تھی اور تقریباً مساوی عمر کے زمانہ دیکھے ہوئے ساتھیوں کے درمیان باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ ہوا کرتا تھا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی وضع قطع اور چال ڈھال میں تمکنت اور وقار تھا اور خاندانی وجاہت و شرافت ان کے چہرے مہرے سے عیاں رہا کرتی تھی۔

میری طالب علمی کے بعد دارالعلوم میں تدریس اور عربی جریدہ الداعی کی ادارت کے زمانہ میں بھی ان کی طرف سے بزرگانہ شفقت اور میری طرف سے نیاز مندانہ سلام و کلام کا رشتہ برقرار رہا، زیادہ قریب اور بے تکلف ہونے کی نہ ضرورت تھی اور نہ موقع البتہ ملاقاتوں میں بجنور آنے اور خاص طور پر آم کے موسم میں اس کا لطف اٹھانے کی دعوت وہ ضرور دیا کرتے تھے اور ان کے صاحبزادے مولوی انوار الرحمٰن سے بے تکلفی کے تعلقات کی وجہ سے اس دعوت میں اور بھی زور پیدا ہو جایا کرتا تھا، لیکن بار بار کے وعدوں کے باوجود پوری مدت میں بجنور جانے کی نوبت ایک دو بار ہی آئی۔ اجلاس صد سالہ کے بعد جب دارالعلوم میں ہنگامہ آرائیوں اور طالع آزمائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ طبعی طور پر مولانا اسعد مدنی کے ساتھ تھے۔ جبکہ اپنا طبعی رجحان حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی طرف اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے ساتھ رہا، لیکن مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی ذاتی شرافت اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی ادا ایسی تھی کہ ان کے بارے میں احترام کا جذبہ ہمیشہ برقرار رہا۔ بہرکیف دارالعلوم کا سانحہ امت کی تاریخ کا نہایت ہی المناک واقعہ ہے اس کے بعد جب دارالعلوم دیوبند سے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو پورے طور پر بے دخل کر دیا گیا۔ تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے اہتمام کا عہد شروع ہوا اور بعد کے واقعات و حالات نے ثابت کیا کہ اس ہنگامہ خیز اور طوفانی ماحول میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا انتخاب ناموزوں نہیں تھا اور ان کی ذاتی شرافت ماحول کی آلودگیوں پر غالب رہی۔ دراصل دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام کی جو عظمت و رفعت تھی وہ تو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ذات اور ان کی حکیمانہ و خطیبانہ شان سے تھی، ساٹھ سال کے طویل عرصہ تک ان کا طوطی بولتا رہا اور ملک و بیرون ملک وہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت کو چار چاند لگاتے رہے، وہ روایتی منتظم سے زیادہ اکابر کے علوم کے ترجمان اور دارالعلوم کی علمی تاریخ کے محافظ و نگہبان تھے۔ وہ بلند پایہ عالم بے مثال خطیب اور غیر معمولی فضل و کمال کے انسان تھے، ان کی معصوم ادا اور منوّر صورت ہی اپنے اندر بہت سے مسائل کا حل رکھتی تھی، وہ جب بولتے تو موتی بکھیرتے اور یہ احساس دلاتے کہ:

بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

اس خصوصیت میں پورے برصغیر میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں تھی جو ان کی جگہ کو پُر کرسکتی یا ان کا علمی مقام لے سکتی اس لیے کوہ کن کی بات تو وہ کوہ کن کے ساتھ ہی چلی گئی۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم کے منصب اہتمام پر ایک خاص ماحول اور پس منظر میں آئے تھے اور انھوں نے انتظامی حد تک اس کا بھرم قائم رکھا اور مزید گراوٹ پیدا ہونے نہیں دیا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ علمی دنیا کے آدمی نہیں تھے لیکن علماء کی قدردانی ان کا آبائی وصف تھا، ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب نہ صرف ممتاز فضلائے دارالعلوم میں سے تھے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے معزز رکن بھی تھے علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور دیگر اکابر کو اپنے دولت کدہ پر بلانے اور ان کی میزبانی کرنے کو عبادت سمجھتے تھے ان کا خاندان اکابر دارالعلوم دیوبند سے شروع سے وابستہ رہا ہے چنانچہ اس خاندان کے ایک نمایاں فرد اور حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب کے ماموں حکیم رحیم اللہ

صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نمایاں شاگردوں میں تھے اور اپنے وقت کے طبیب حاذق بھی، حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ہونے والی ان کی مراسلت آج بھی اہلِ علم کے لیے گرانقدر علمی سرمایہ اور نہایت ہی قیمتی تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خانوادہ کو مال و دولت سے نوازا اور علاقہ میں وجاہت عطا کی ہے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اسی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور اپنی خاندانی روایات کے وارث۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد انھوں نے بھی درس و تدریس کا مشغلہ اپنانے یا مولویانہ پیشہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے لیے والد و دیگر اعزہ و اقرباء کی طرح زمین دارانہ ماحول ہی اپنانے کو ترجیح دی البتہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے عقیدت اور ان کے خانوادے سے تعلق اور دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کبھی ترک نہیں کی۔

غالبًا دارالعلوم کے ہنگامی حالات اور وہاں پیش آنے والے حادثات و واقعات سے پہلے خود مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ کبھی وہ بھی اس منصب پر فائز ہوں گے جس کی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ساٹھ سالہ دور اہتمام میں ایک خاص شناخت ہوچکی ہے اور مہتمم دارالعلوم دیوبند، کا لفظ ان کے نام کے ساتھ اس طرح چسپاں ہوگیا ہے کہ ان کے بغیر دارالعلوم کا تصور اور نہ دارالعلوم کے بغیر ان کا تصور ذہنوں میں آتا ہے۔

۲۳؍ مارچ ۱۹۸۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں جو سانحہ پیش آیا وہ سبھی کے لیے افسوس ناک تھا قدرت کا فیصلہ ایسا ہوا کہ ٹھیک ۲۰ دن بعد کویت میرے لیے نیا آشیانہ بن گیا اور صرف چند دنوں کے لیے آمد طویل اقامت کا عنوان بن گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر اس سانحہ کے اثر سے ذہن و دماغ کی حفاظت فرمائی اور محض اپنے فضل و کرم سے اپنی عطاء و بخشش کا سلسلہ جاری رکھا، چنانچہ میرے لیے جس طرح دیوبند کا ماحول دلچسپی اور الفت کا تھا اسی طرح کویت میں بھی اپنے علمی ذوق کی تسکین کے اسباب مہیا ہوگئے اور یہاں کے ماحول میں کسی طرح کی اجنبیت باقی نہیں رہی، و ذالک فضل اللّٰہ یو تیہ من یشأء۔

ظاہر ہے کہ اب نہ دیوبند کے مناظر ہمارے سامنے رہے اور نہ دارالعلوم کا اہتمام۔ سالہا سال گزر گئے نہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی شکل دیکھی اور ان کا طریقہ انتظام و انصرام، یہاں تک کہ ۲۰۰۸ء میں مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی نے جب ''وحدت امت'' کے عنوان سے عالمی کانفرنس منعقد کی تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ بھی اس کے شرکاء میں تھے، ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد جبکہ نہ میں ہی اپنی سابقہ حالت میں تھا اور مولانا پر بھی پیرانہ سالی کا اتنا اثر ہوگیا تھا کہ وہیل چیئر استعمال کرنے لگے تھے ملاقات ہوئی اور خوب ہوئی، بڑی محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا اور پھر بجنور آنے کی دعوت کا اعادہ فرمایا بلکہ چند دنوں کے لیے دارالعلوم دیوبند آ کر دارالعلوم کے شایان شان تعارف لکھنے پر بھی اصرار فرمانے لگے اور میں نے وعدہ بھی کرلیا، لیکن اس کا موقع میں نہیں نکال سکا جس کا افسوس ہے اور مولانا سے کیا گیا وعدہ ذہن و دماغ میں ایک قرض کی طرح آج بھی تازہ ہے، اس وقت ان کے ذہن و دماغ پر ایک خاص پس منظر میں دارالعلوم کے علمی تعارف کا مسئلہ بڑے زور و شور سے مسلط تھا، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ وہ اپنے ساتھ کھانے پر بھی اصرار فرماتے رہے، اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مولوی انوار الرحمٰن بھی تھے، جو دیوبند کے زمانہ میں میرے ساتھ کافی بے تکلف رہ چکے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک دن کویت کے نامور مخیرّ اور عالم اسلام کی معروف شخصیت عبداللہ علی المطوع سے میں نے مولانا کا تعارف کرایا تو وہ کویت آنے پر اصرار کرنے لگے، پھر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سے عمر پوچھی اور کہنے لگے کہ چند سالوں بعد میں بھی آپ کے ہم عمر ہوجاؤں گا، لیکن چند ماہ بعد ہی شیخ عبداللہ علی المطوع کا اچانک انتقال ہوگیا، جو یقیناً عالم اسلام کے لیے ایک زبردست خسارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند جس نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ جیسے رجالِ عظم پیدا کئے اس کے پہلے اور بعد کے عہد کو دیکھا جائے تو یہ احساس ہونا طبعی بات ہے کہ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن چلا گیا ہو۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے باحیات ہوتے ہوئے کسی اور کا مہتمم دارالعلوم کہلانا ایسا ہی تھا کہ جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے ہوتے ہوئے کوئی اور دارالعلوم کی صدارت تدریس کا دعویدار ہوتا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز ہوجانا ایک بحرانی صورت حال کا نتیجہ تھا جس میں خود ان کے اپنے اختیار کو دخل نہیں تھا لیکن انھوں نے تقریباً تین دہے اس کا اہتمام سنبھالا، وہ ایک اچھے منتظم اور بے لوث انسان تھے، ان میں فیصلہ کی غیر معمولی صلاحیت تھی، وہ کبرسنی اور ضعیف العمری کے باوجود اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک معاملہ فہمی مردم شناسی اور فیصلہ کرنے کی اپنی بھرپور طاقت کا استعمال کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں میں جگہ دے اور دارالعلوم کا عہدِ زریں پھر لوٹ آئے:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

تاکہ پھر وہاں سے ایسے انوار، محمود پیدا ہونے لگیں جن میں اسلاف کی علمی و دینی صلابت کے ساتھ عصر حاضر کا شعور اور ادراک بھی ہو۔ ☐☐

# اکابرواسلاف کی سچی یادگار

مفتی محمد عفان منصورپوری، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

۱۴۳۱ھ کی آخری شب اپنا دامن سمیٹ کر فارغ ہی ہوئی تھی، سورج نے ۱۴۳۲ھ میں آج پہلی مرتبہ اپنی ضیا بار کرنوں سے چہار دانگ عالم کو منور کرنا شروع کیا تھا، نظام قدرت دیکھئے کہ ایک طرف سال نو کے آفتاب کو سماء دنیا پر طلوع ہونے کا حکم ملتا ہے تو دوسری طرف علم وعمل، فضل وکمال، امانت ودیانت اورتقویٰ وپارسائی کے ایک نیر تاباں کو بے ثبات دنیا چھوڑ کر عالم ازل کی طرف رخت سفر باندھنے کا پروانہ ملتا ہے۔

۱۴۳۲ھ اللہ کے خاص مہینہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ، چہار شنبہ صبح کے ساڑھے دس بجے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے کھیون ہار، اکابر واسلاف کی سچی یادگار، امارت ملتِ اسلامیہ ہند کے تاج بردار اور سینکڑوں بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اورضرورت مندوں کے غم گسار، حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نوراللہ مرقدہٗ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) تقریباً ایک صدی تک اس جہاں رنگ وبو میں روشنی بکھیرنے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور سرزمین دیوبند میں ''قبرستانِ قاسمی'' کی اس خاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پنہاں ہوگئے۔ جہاں حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے اساطین علم آرام فرما ہوں، وہاں کے انوار وبرکات کا پوچھنا ہی کیا ہے، سعید وخوش بخت ہیں وہ لوگ جن کو وہ مٹی نصیب ہوئی اوراس بزم میں اللہ والوں کی رفاقت کا موقع ملے۔

حضرت مہتمم صاحب ۱۹۶۲ء میں مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رُکن منتخب ہوئے، ماہِ اگست ۱۹۸۱ء میں مددگار مہتمم بنائے گئے اور پھر نومبر ۱۹۸۱ء میں از ہر ہند کے منصب اہتمام پر فائز ہوئے اور تادم زیست اسی عہدۂ جلیلہ کو زینت بخشتے رہے۔ گویا انتظامی طور پر کم وبیش پچاس سال دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے، اور ایسی خوش اسلوبی، دیانت داری، فرض شناسی، عالی حوصلگی اور سادگی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے چلے گئے کہ دارالعلوم برابر شاہراہِ ترقی پر گامزن رہا اور خلفشار سے نجات کے بعد اس کو اتنا استحکام نصیب ہوا جس کی بظاہر توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مرحوم کا ایک بہت بڑا وصف ان کی بے پناہ سادگی اور بے تکلفانہ زندگی تھی، بہت بڑے ہونے کے باوجود بہت چھوٹوں سے بھی بڑی اپنائیت، محبت اورخوش دلی کے ساتھ پیش آتے تھے، ہم جیسا معمولی اور ادنیٰ سا طالب علم ان کے بھرپور رُعب وجاہت متانت اور سنجیدگی کے باوجود اپنے مدعیٰ کو بآسانی ان کے سامنے پیش کرتا اور گفتگو کے بعد مطمئن ہوکر واپس جاتا، کوئی بھی طالب علم اپنی درخواست لے کر خدمت عالیہ میں پہنچ جاتا، پوری توجہ کے ساتھ اس کی بات کو سنتے، کارروائی کی ضرورت ہوتی تو متعلقہ شعبہ جات کو احکامات صادر فرماتے، ورنہ حسبِ ضرورت فہمائش اور کلماتِ تسلی کا سہارا لے کر واپس بھیج دیتے، بات بات پر غصہ ہونا اور مخاطب کو غیر ثقہ کلمات سے نوازنا ان کا شیوہ نہ تھا، وہ بڑے حلیم، بردبار، نرم خو، کم گو اور زندہ دل واقع ہوئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام کو جس سلیقہ، حسن عمل، امانت داری اور احتیاط کے ساتھ آپ نے چلایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ بجا طور پر دارالعلوم کی خدمت کا حق ادا کرنے والے اور بلا مبالغہ بے لوث ''خادم دارالعلوم'' کہے جانے کے مستحق ہیں، دارالعلوم سے وابستگی کی اس طویل مدت میں آپ نے تمام تر خدمات کو بلا معاوضہ حسبۃً للہ انجام دیا ہے اور دارالعلوم سے کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل کرنا تو دُور کی بات حتیٰ کہ رہائش کے دوران کھانے پینے کے مصارف بھی اپنی جیب خاص سے ادا فرمایا کرتے تھے، ہم نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، دارالعلوم کے منصب اہتمام پر مہتمم صاحب ہی کو پایا، اور جیسا پہلے دن پایا تھا آخر تک اس میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کی، احاطۂ مسجد کی وہی قدیم اور معمولی رہائش گاہ، سادہ کھانا، بجنور آمدورفت اور دیگر مقامات پر جانے کے لیے اکثر وبیشتر ایک متعینہ کار، دارالعلوم جیسے عظیم ادارہ کے مہتمم اور خاندانی رئیس۔ اگر چاہتے تو اپنے معیار زندگی میں حسبِ منشاء تبدیلی کرسکتے تھے، لیکن غالباً ان کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی، وہ تو صرف اور صرف دارالعلوم کی خدمت، اس کی فلاح وبہبود کے منصوبے بنانا اور ان کو روبہ عمل لانا ہی جانتے تھے، یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنے بعد آنے والے لوگوں اور قومی ملی امانتوں کے ذمہ داران کے لیے اپنے محتاط رویہ اور شفاف کردار سے ایک ایسی ڈگر چھوڑی ہے جس کی برابری کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم کے تئیں ان کی بے پناہ عقیدت، عظیم سے عظیم تر خدمت کے جذبات، ہزاروں لاکھوں علماء اور اہلِ عمل کی سرپرستی اور رابطۂ مدارس عربیہ کے شہ نشین کی حیثیت سے ہزاروں مدارس کی بے تاج بادشاہت آپ کی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ، دونوں جہاں میں عزت و سربلندی کا ذریعہ اور ذخیرۂ آخرت ہے۔ کیا یہ اللہ کا خصوصی فضل وکرم نہیں کہ تقریباً سو سال عمر، اعضاء جسمانی نڈھال اور کمزور، چلنا یا اُٹھ کر بیٹھنا تو دُور خود سے کروٹ لینا بھی مشکل، لیکن دل ودماغ مکمل طور پر حاضر، سوچنے، سمجھنے اور

فیصلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت اور ذہنی استحضار اپنی جگہ بدرجۂ اتم موجود۔

رمضان سے قبل یہ حقیر بغرض ملاقات بجنور حاضر ہوا، مکان کے اندرونی حصہ میں صحن میں بچھی ہوئی چارپائی پر آرام فرما تھے، غالباً مغرب کے بعد کا وقت تھا، کچھ اندھیرا سا تھا، احقر نے قریب جا کر سلام کیا، نام بتایا، فوراً پہچان گئے، خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا: ''اب تو تم امروہہ آ گئے، قاری صاحب بھی دارالعلوم آنے سے پہلے وہیں تھے۔'' زیر درس کتابوں کے متعلق دریافت کیا، احقر کے جواب دینے پر حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرمائے، اور دعاؤں سے نوازا، میں یہ سوچتا رہا کہ اتنے ضعف، پیرانہ سالی اور نقاہت کے باوجود یہ حاضر دماغی یقیناً باری تعالیٰ کی عنایت خاصہ، دین متین کی خدمت اور دارالعلوم دیوبند سے گہری وابستگی اور عقیدت کا نتیجہ ہے۔

آپ کو اپنی اہمیت جتانے یا عظمت منوانے کا کوئی شوق نہ تھا، دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کام تو تھوڑا کرتے ہیں، جس کا معاوضہ بھی انھیں ملتا ہے، لیکن شور زیادہ مچاتے ہیں، آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا، معمولی سے معمولی کام ہو یا بڑے سے بڑا، اس کو خاموشی اور سبک رفتاری کے ساتھ اس طرح انجام کو پہنچاتے کہ لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو پاتا کہ کس کی کاوش اور جد و جہد اس میں کارفرما ہے، نام و نمود اور شہرت و ریاء سے کوسوں دُور تھے، کسر نفسی اور تواضع آپ کی زندگی میں نمایاں تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی پُرشکوہ اور عالیشان مسجد ''جامع رشید'' آپ کے دور اہتمام کی ایک زریں یادگار ہے، جب تک چلنے کی طاقت رہی، قیام دیوبند کے دوران تقریباً روزانہ بعد نماز عصر ''مسجد رشید'' تشریف لاتے، اور کاموں کا معائنہ فرماتے اور نماز مغرب پڑھ کر واپس ہوتے۔ مدرسہ ثانویہ کی عمارت ''شیخ الاسلام منزل''، ''حکیم الامت منزل''، ''جدید دارالاقامہ'' اور اس کے علاوہ تعلیمی شعبوں کا قیام جیسے تخصص فی الحدیث الشریف، تحفظ ختم نبوت، ردفرق باطلہ کے سلسلہ میں محاضرات علمیہ کا اجراء، شعبہ ردعیسائیت اور اس جیسی ہمہ جہت خدمات و قربانیاں آپ کے تذکرہ کو ہمیشہ باقی اور زندہ و جاوید رکھیں گی، انشاء اللہ۔

ملکی اور ملی حالات کے تناظر میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے نظریات کے آپ کٹر حامی تھے، عرصۂ دراز تک جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے سرگرم رُکن رہے اور تاحیات سرپرستی فرماتے رہے، جمعیۃ علماء سے آپ کی وابستگی کوئی رسمی نہ تھی، بلکہ اس کو ایک فرض سمجھ کر نبھایا کرتے تھے، اور اس حقیقت کا اظہار بھی کرتے تھے کہ: ''میرے والد مرحوم نے یہ وصیت کی تھی کہ تاعمر جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہنا'' یہی وجہ تھی کہ آپ دلچسپی کے ساتھ جمعیۃ علماء کے پروگراموں میں حصہ لیتے، گراں قدر مشوروں سے نوازتے اور اس کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں اور دُعاگو رہتے۔ باری تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائیں، آمین۔ □□□

# تحمل، امانت اور بے لوثی کا عظیم نمونہ

مفتی عمران اللہ قاسمی

دنیا میں وجود پانے والے افراد میں سے بعض خوش نصیب افراد شخصیت کا رتبہ حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ان میں سے بھی بعض شخصیت سے بلند ہو کر عبقریت کے بلند منصب پر فائز ہو جاتے ہیں، عموماً علوم کی پختگی، فنون کی مہارت یا تدریس وتقریر کا کمال، تصنیف وتالیف کی کثرت وجودت یا تصوف وسلوک کی بلندی یا پھر سیاسی امور سے اشتغال جیسے افعال کو اس عظیم ترقی کا سبب قرار دیا جاتا ہے اور عبقریت کا ہدف پانے کی تمنا رکھنے والوں کو انھیں اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی جاتی ہے، مگر بعض شخصیتیں مذکورہ اوصاف کی تو کامل طور پر حامل نہیں ہوتیں، پھر بھی وہ اپنی پختگیٔ کردار، کمالِ اخلاق، حسنِ کارکردگی اور عظیم تر بے لوث خدمات کی بنا پر عبقریت کے رتبہ کو آسانی سے پا لیتی ہیں، ایسی شخصیات اگرچہ خال خال ہی ہوتی ہیں، مگر ان کی ذات عظمت وشوکت اور محبت ومودت کا ایسا مرکز بن جاتی ہے جو نسل نو کے لیے مثال اور نمونہ ہوتی ہے، اسی طرح کی شخصیات میں امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو شمار کیا جا سکتا ہے، جو یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز بدھ تقریباً سو سال پر مشتمل اپنا دنیاوی سفر پورا کر کے اخروی سفر کے لیے روانہ ہو گئے، اور رب حقیقی سے جا ملے، آپ کے چلے جانے سے کاروانِ قاسمی خصوصاً اور ملتِ اسلامیہ عموماً سوگوار ہو گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

**ولادت و بچپن:**

مغربی یوپی کے مشہور اور زرخیز شہر بجنور کے محلّہ قاضی پاڑہ میں ۱۳۳۲ھ غالباً ماہ صفر میں حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے میں آپ نے آنکھیں کھولیں، والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ بڑے زمیندار، رئیس زادے تھے، دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید نیز حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص رفیق درس اور مخلص دوست تھے، دورانِ تعلیم شاہ صاحب سے خوب حق رفاقت نبھایا تھا، سلسلۂ تعلیم منقطع ہونے کے بعد بھی آخر زندگی تک حضرت علامہ اور ان کے اہل وعیال سے رفیقانہ مراسم باقی رکھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور دیگر علماء کرام کی آپ کے درِ دولت پر بکثرت آمد ورفت رہتی، آپ کا گھرانہ دارالاضیاف بنا رہتا تھا، نیز آپ کے ماموں حکیم رحیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے اعتماد یافتہ اور ٹی بی کے ماہر معالج تھے، علم پرور اور علماء وصلحاء کے قدرداں شمار ہوتے تھے، ان کے پاس بغرض علاج اور بقصد زیارت وملاقات آنے والے علماء وصلحاء کی بھی کثرت تھی، جس کی بنا پر حضرت مہتمم صاحب کو بچپن ہی میں بڑے بڑے نامور علماء وصلحاء کی خدمت کرنے کے مواقع حاصل ہوئے، اسی خدمت وزیارت کی بدولت آپ کو بچپن سے ہی علماء وصلحاء کی شفقتیں حاصل رہیں۔

**تعلیم و تربیت:**

آغاز تعلیم کے لیے مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بجنور میں داخل ہوئے، وہاں ناظرہ قرآن کریم اور ابتدائی درجات کے ساتھ درس نظامی کی شرح تہذیب تک کی تعلیم مکمل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، اور باضابطہ طور پر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس وقت دارالعلوم دیوبند کی انتظامی باگ ڈور بالترتیب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسے اصحابِ کمال کے ہاتھوں میں تھی، اور یہی حضرات دارالعلوم کے جز وکل پر چھائے ہوئے تھے، دارالعلوم کے مسانید درس پر علوم و فنون کے ماہرین اساتذہ جلوہ افروز تھے، اور دارالعلوم کا علمی وروحانی ماحول نہایت مثالی تھا، آپ نے دارالعلوم میں جن اصحابِ کمال حضرات سے اکتسابِ فیض کیا ان میں حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ قابلِ ذکر ہیں، البتہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے گھر آمد ورفت کے دوران متعدد کتابوں کا امتحان لیا ہے اور حضرت مہتمم صاحب نے ان کی خدمت کا شرف اٹھایا ہے۔ ۱۳۵۲ھ شعبان میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد مختلف امراض کے شکار ہونے کی وجہ سے تقریباً تین سال تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا، مزید علمی سیرابی کے لیے دوبارہ دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا، اور حضرت مفتی محمد سہول صاحب بھاگل پوریؒ اور دیگر اصحابِ افتاء سے فتویٰ نویسی کی مشق کی، اساتذۂ کرام کے حکم سے متعدد فتاویٰ بھی تحریر کئے جن کی نقلیں آج بھی

دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کے رجسٹروں کی زینت ہیں۔

**عملی زندگی:**

فتاویٰ کی مشق وتمرین سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن بجنور واپس آ گئے اور والد محترم بھائی محبوب الرحمٰنؒ، مطلوب الرحمٰنؒ کے ہمراہ گھریلو مشاغل کاشتکاری وغیرہ میں مصروف ہوگئے، لیکن والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ جو علماء صلحاء سے گہری عقیدت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے بھی قلبی وابستگی رکھتے تھے، نیز دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے مؤقر رکن بھی تھے، وہ اپنے بیٹے (مولانا مرغوب الرحمٰن) دیوبند سے اس واپسی پر مطمئن نہ تھے، وہ کہا کرتے: ''اللہ جانے میری خواہش تھی کہ یہ دارالعلوم ہی میں رہتا'' (اللہ جانے والد محترم کا تکیہ کلام تھا) یہ یقین کامل ہے کہ والد محترم اپنی اس تمنا کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور دُعا کرتے رہتے ہوں گے، جس کی قبولیت کی بنا پر ہی صاحب زادے دارالعلوم کے بے لوث خادم قرار پائے۔

والد محترم دارالعلوم کے رُکن رکین، بے لوث خادم تھے، دارالعلوم کے ہر معاملہ میں نہایت دلچسپی لیتے، اس کی ترقی کے لیے مسلسل کوشاں رہتے اور جس قدر ممکن ہوتا دارالعلوم کی خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیے رہتے، والد محترم کے یہی انداز واداا اور اسی بےلوثی کی جھلک حضرت مہتمم صاحب میں بھی پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ آپ کو بھی ابتداء ہی سے مادر علمی سے قلبی اُنسیت اور پُرخلوص لگاؤ تھا، آپ بھی دارالعلوم کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

**باضابطہ انتظامی ذمہ داری:**

والد محترم کی طویل خدمات اور آپ کے خانوادے کی دارالعلوم سے قدیم وابستگی اور خود آپ کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر ۱۹۶۲ء میں شوریٰ نے باضابطہ طور پر آپ کو دارالعلوم کا رکن نامزد کردیا، اس روز سے آپ کی دلچسپی اور نگہداشت میں اضافہ ہی ہوتا گیا، مختلف مواقع پر وقتی حالات کے پیش نظر متعدد مرتبہ کچھ جزوی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کی گئیں، آپ نے ان کو بحسن وخوبی انجام دیا، جس کی بنا پر اربابِ انتظام اور اراکین شوریٰ کا آپ پر اعتماد بڑھ گیا، چنانچہ جب دارالعلوم کے حالات کشیدہ ہوئے اور ایک معاون مہتمم کی ضرورت محسوس کی گئی تو اراکین شوریٰ نے ۱۴۰۱ھ مطابق اگست ۱۹۸۱ء میں آپ کو بالاتفاق معاون مہتمم نامزد کردیا، آپ نے اس ذمہ داری کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے نبھا کر اپنے اعتماد کو اس قدر پختہ کردیا کہ جب انتظامی انقلاب برپا ہوا تو نومبر ۱۹۸۱ء میں حاصل شدہ اعتماد کی بدولت اتفاق رائے سے آپ کو منصب اہتمام پر فائز کردیا گیا۔

آپ جب منصب اہتمام پر فائز ہوئے تو وہ عجیب کشمکش کا دور تھا، دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کے ۱۱۸؍سال پورے کرچکا تھا اور متعدد مواقع پر قائدانہ کردار ادا کرچکا تھا، نیز جامع علم وعمل، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ساٹھ سال تک منصب اہتمام پر جلوہ افروز رہ چکے تھے، وہ اپنے نظم وانتظام کی خوش اسلوبی کی بدولت اور اپنی سحر بیانی کے ذریعہ سارے عالم میں دارالعلوم کا گراں قدر تعارف کرا چکے تھے، اُن دنوں دارالعلوم دیوبند کے حالات بھی اطمینان بخش نہ تھے، مزید برآں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی ستر سالہ زندگی کسی بھی تابناک پس منظر سے خالی تھی، اس لیے محبین دارالعلوم کو اس انتخاب پر سخت حیرت ہوئی اور عموماً یہ حیرت مجالس میں ظاہر بھی ہوجاتی، مگر ہنگامہ فرو ہونے کے بعد مجلس شوریٰ کی نگرانی اور حضرت مہتمم صاحب کے نظم وانتظام کے تحت جب دارالعلوم نے ترقی کی جانب قدم بڑھانے شروع کیے تو حیرتِ مذکور اعتمادِ کامل میں تبدیل ہوگئی، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے بعد بھی دارالعلوم کی راہ میں کیسی کیسی اڑچنیں آئیں اور کیسے سخت سے سخت حالات رونما ہوئے، متعدد مرتبہ بعض خارجی اور داخلی عناصر نے ادارے کے تعلیمی اور انتظامی ماحول کو تاراج کرنا چاہا، مگر حضرت مہتمم صاحب عزیمت کا پہاڑ بن کر تمام حالات میں سینہ سپر رہے اور اپنے حسن تدبر اور خداداد صلاحیتوں کی مدد سے دارالعلوم کی کشتی کو طوفانی تھپیڑوں سے اس طرح محفوظ وسلامت باہر نکال لے گئے کہ آج اسے سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے، موجودہ وقت میں دارالعلوم ترقی کی جس راہ پر گامزن ہے اس میں حضرت مہتمم صاحب کے نظم وانصرام اور محنت ودل لگی اور خلوص کو خاصا دخل ہے۔

آپ کے ۳۰؍سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے تعلیمی، تعمیری ہر میدان میں ترقی کے منازل طے کیے، وقت و حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے متعدد شعبہ جات وجود میں آئے، تخصصات وتکمیلات اور جادۂ حق سے منحرف اور باطل فرقوں کے رد سے متعلق شعبے اسی قبیل کے ہیں، حالات کے تقاضے اور دارالعلوم دیوبند کی بڑھتی وسعت کے پیشِ نظر بلند و عالیشان عمارتوں کی تعمیر ہوئی، جس سے دارالعلوم کا حسن دوبالا ہوگیا، طلبہ کی تعداد میں اضافہ، ان کے قیام وطعام کو عمدہ اور باسہولت بنانے کی سعی مسلسل، عوام الناس سے ادارے کی وابستگی اور ہمدردی ومحبت اور ہر ممکن تعاون کے ساتھ دیگر مدارس اسلامیہ سے رابطہ میں بے بہا اضافہ ہوا، تعلیمی وتربیتی انتظام کو صاف وشفاف بنانے اور تکرار ومطالعہ کے لیے مواد کی فراہمی، افادے اور استفادے کی راہ کو آسان تر بنانے کے لیے موقع بموقع غور وخوض کی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ جن کے ذریعہ امتحانات میں مضبوطی اور شفافیت پیدا ہوئی،

اساتذۂ کرام اور ملازمین کی متعدد ضروریات ومشکلات کو حل کرنے میں بھی نمایاں پیش رفت ہوئی۔

ملتِ اسلامیہ کی دینی رہنمائی، آزمائش کے مراحل میں عوام کو اطمینان بہم پہنچانا، باطل فتنوں کی سرکوبی، ان کی سازشوں سے افرادِ امت کو آگاہ کرنا، مذہبِ اسلام کی صحیح معتدل تصویر پیش کرنے، اور امت کی دینی ضرورت کی تکمیل کے لیے افراد سازی، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور نصاب درسِ نظامی کی اصلاح کے حوالے سے متعدد کتابوں کی ترتیب وانتخاب، بحث وتحقیق پر مشتمل اُردو اور عربی زبان میں متعدد کتابوں کی اشاعت، دارالعلوم کی ترجمانی کرنے والے رسائل کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہر شعبہ اور اس سے وابستہ ہر ہر چیز نے بے پناہ ترقی حاصل کی، اور ایک ایسا نہج متعین ہوا کہ اللہ کی ذاتِ اقدس سے قوی امید ہے کہ دارالعلوم آئندہ بھی ترقی کے اسی نہج پر گامزن رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

**ذمہ دارانہ احساس و بیدار ذہنی:**

منصب اہتمام پر فائز ہونے کے وقت سے اخیر زندگی تک احساس ذمہ داری اور بیدار ذہنی کے ساتھ امورِ مفوضہ انجام دیتے رہے، آپ کی احتیاط اور بیدار ذہنی مثالی تھی، دارالعلوم کے متعدد افراد اس کے شواہد پیش کرسکتے ہیں، معمولی معمولی باتوں کی خبر گیری، چھوٹے چھوٹے کاموں پر بھی نظر ایک عام بات تھی۔ دارالعلوم کے تعلق سے کسی کوتاہی اور بے احتیاطی کو نظر انداز کرنے کا سوال ہی نہ تھا، وہ خود بھی ہر طرح کی کوتاہی سے خود کو دُور رکھنے کی سعی کرتے، جب تک اعضاء مضبوط تھے اور چلنے پھرنے کا معمول تھا، تو از خود چل کر نگرانی فرماتے۔ احقر نے زمانۂ طالب علمی میں متعدد مرتبہ مطبخ کا جائزہ لیتے ہوئے اور تعمیرات کی نگرانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن جب ضعف بڑھ گیا اور چلنے پھرنے میں کمی واقع ہوگئی، تو پھر ملازمین کو بھیج کر نگرانی کراتے اور صحیح صورتِ حال سے واقفیت حاصل کرتے، ضعف کے زمانہ میں بھی پابندی سے دفتر میں تشریف لاتے۔ فرمایا کرتے کہ میں پہلے یعنی اپنی صحت کے زمانہ میں پورے چھ گھنٹے دفتر میں بیٹھا کرتا تھا، پابندیٔ وقت میں بھی آپ مثالی تھے، متعدد مرتبہ دیکھا گیا کہ اجلاس میں مقررہ وقت پر از خود تشریف فرما ہوجاتے تھے، وہ اپنے خوردوں کو بھی اسی طرح کی احساسِ ذمہ داری سے کام کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

احقر کو حضرت مہتمم صاحب سے زیادہ قرب تو حاصل نہ رہا، لیکن متعدد مرتبہ خدمت میں حاضر ہونے اور آپ کے طرز زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا، حضرت کی زندگی کے لیل ونہار اور دارالعلوم کی خدمت میں آپ کے اشتغال کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی میں چند ایسی نمایاں اور قابلِ تقلید خوبیاں تھیں جو بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور یہی خوبیاں آپ کی عظمت اور عوام کے دِلوں میں آپ کی محبت جاگزیں ہونے کا سبب ہیں۔

**صبر و تحمل:**

آپ کی زندگی کی نمایاں خوبی آپ کا حد درجہ کا صبر وتحمل ہے، جو آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، مختلف مواقع پر اس کا مظاہرہ ہوتا تھا، دارالعلوم کے نظم کو سنبھالنے کے بعد کشیدہ حالات سے نمٹنے اور دارالعلوم کو ترقی کے منازل طے کرانے میں آپ کے صبر وتحمل کا بڑا حصہ ہے، بعض حالات میں متعدد لوگوں کی جانب سے ناگوار باتیں سامنے آتیں، کردار کشی، الزام تراشی، اور بہتان پر مشتمل جملے اور تحریریں منظرِ عام پر آتیں، مگر کسی ردِّ عمل کے بجائے صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ ہوتا، انتظام اور دیگر معاملات کے حوالے سے بہت سے افراد جو آپ کے سامنے بچوں کی سی حیثیت رکھنے والے ہوتے، آپ سے نامناسب رویہ اپناتے جو ناگوار ہوتا، مگر حضرت مہتمم صاحب صبر وتحمل کا دامن تھامے رہتے اور ان لوگوں کے لیے نہ کوئی جواب ہوتا نہ کوئی دوسرا ردِّ عمل اور نہ کارروائی، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرتے۔ حالات کے مشاہدین ناگواری محسوس کرنے لگتے، لیکن آپ کے صبر وتحمل کو دیکھ کر آپ کی عظمت کے قائل ہوجاتے، نامعلوم کتنے درد، کتنی ناگواریاں اور تلخ باتیں، الزام تراشی کے جملے اپنے سینہ میں دبائے رہتے، مگر اظہار نہ کرتے، آپ سے قربت رکھنے والے افراد آپ کے صبر وتحمل کے بے شمار واقعات بیان کرسکتے ہیں۔

**امانت و دیانت:**

دیانت داری بھی آپ کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے، بلکہ دارالعلوم کے تعلق سے آپ کی زندگی میں امانت ودیانت کے متعدد نمونے موجود ہیں، اس سلسلہ میں آپ نہایت متشدد واقع ہوئے تھے، صاحبزادہ محترم جناب مولانا انوار الرحمٰن نے واقعہ سنایا کہ ۱۹۶۰ء میں جب آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو مولانا ناز اہد صاحب سفیر دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمود گل بجنوری اور بھی دیگر حضرات ساتھ تھے، اس زمانہ میں پانی کے جہاز سے حج کا سفر ہوتا تھا جس میں کافی وقت لگتا، اور مغربی یوپی کے حجاج بذریعہ ٹرین بمبئی پہنچتے، وہاں سے پانی کے جہاز پر سوار ہوتے، حضرت مہتمم صاحب جب حج کے لیے جارہے تھے تو بمبئی پہنچنے کے لیے اپنے رفقاء کے ہمراہ ٹرین پر سوار ہوئے، ٹرین جھانسی اسٹیشن پر رُکی،

مسافر چائے وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اُترے، حضرت نے ایک دُکاندار سے چائے اور دیگر سامان خریدا اور دیگر ساتھیوں کے لیے دکاندار کی اجازت سے اس کے برتن ٹرین میں لے گئے، ابھی ناشتہ سے فراغت نہ ہوسکی تھی کہ ٹرین چل پڑی اور دکاندار کے برتن واپس نہ کئے جاسکے، بلکہ وہ ٹرین ہی میں رہ گئے، حضرت نے ان برتنوں کو نہایت حفاظت سے رکھا اوران کی اس قدر نگہداشت کرتے کہ بسا اوقات ساتھی ہنستے، لیکن حضرت ان کی کوئی پرواہ نہ کرتے، اسی حالت میں سفرحج مکمل لیا، پھر واپسی میں بمبئی سے بذریعہ ٹرین لوٹتے ہوئے جب ٹرین جھانسی کے اسٹیشن پر رُکی، تو ان برتنوں کو لے کر ہر دکاندار سے معلوم کرتے، اوراس کو تفصیل بتلاتے، آخر برتن کا مالک دکاندار مل گیا تو اس کو برتن واپس کرکے بہت مسرور ہوئے۔

اس ایک واقعہ سے حضرت کی امانت ودیانت کے وصف کو سمجھا جاسکتا ہے کہ حج کا دشوار گذار سفر اور وہ بھی کئی مہینوں پر مشتمل ایسے وقت میں امانت کی حفاظت کا خیال رکھا، دارالعلوم کی ذمہ داری کے دوران بھی آپ کا یہ وصف سب سے زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے، چنانچہ آپ نے دارالعلوم کے مالیہ کو صحیح اور درست مصرف میں استعمال کرنے کا پورا خیال رکھا، کبھی اس میں خرد برد اوراس کو بے مصرف استعمال نہ ہونے دیا، ایک معروف عالم دین کے بقول وہ دارالعلوم کے مال میں بخیل اور اپنے مال میں سخی واقع ہوئے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ چند طلبہ کی نادانی سے بازار والوں کی دکانوں میں کچھ نقصان ہوگیا، معاملہ بڑھ گیا، شہر والوں نے نقصان کا بل جو کثیر مقدار پر مشتمل تھا حضرت کے سامنے رکھا اور کہا کہ اس کی ادائیگی کی صورت میں بات رفع دفع ہوسکتی ہے، ان جذباتی طلبہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی، دارالعلوم یہ نقصان پورا کردے، کیونکہ دارالعلوم کے لیے اس نقصان کو برداشت کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ حاضرین نے جن میں ڈی ایم اور شہر کے معزز حضرات بھی موجود تھے، اس رائے کی تائید کی، مگر حضرت نے فرمایا کہ: ''دارالعلوم کی رقم کو میں اس کام میں خرچ نہیں ہونے دوں گا، کیونکہ عوام نے یہ رقم اس مصرف کے لیے نہیں بھیجی ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اپنی ذاتی زمین کا کوئی حصہ فروخت کرکے نقصان کو پورا کردوں، البتہ آپ حضرات مجھے کچھ وقت دیں، کیونکہ میں بجنور جاکر یہ کام کروں گا اوراس میں وقت لگ سکتا ہے۔'' جب لوگوں نے حضرت کے یہ الفاظ سنے تو وہ اپنے مطالبات سے دست بردار ہوگئے۔

اسی طرح آپ کی یہ بھی کوشش رہی کہ دارالعلوم کے خزانہ میں صحیح اور پاکیزہ رقومات ہی جمع ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک دولت مند آپ کے یہاں مہمان ہوئے، آپ نے ان کی پوری ضیافت کی، موقع پاکر انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے پاس سود کی رقم خاصی مقدار میں جمع ہوگئی ہے، اگر آپ کے پاس مدرسہ میں اس کا کوئی مصرف ہو تو میں وہ رقم آپ کے حوالے کردیتا ہوں، تاکہ وہ استعمال میں آجائے، اور دارالعلوم کی کوئی ایک ضرورت بھی پوری ہوجائے۔ حضرت نے جواب دیا کہ: ''میں اپنی حیات تک دارالعلوم میں ایک پیسہ بھی سود کی رقم میں سے لگانے کا روادار نہیں ہوں۔'' اس طرح کے واقعات، بلکہ دارالعلوم کی ہر چیز سے متعلق آپ کا طرزِ عمل آپ کی امانت ودیانت کی گواہی دیتا ہے۔

**بے لوث خدمت:**

آپ کے والد بھی دارالعلوم کے نہایت مخلص اور بے لوث خادم تھے، آپ میں یہ وصف اپنے والد سے ہی منتقل ہوا تھا، چنانچہ آپ نے پوری زندگی دارالعلوم کی کوئی رقم اپنی ذات پر استعمال نہ کی، بجنور سے دیوبند آمد ورفت، کھانا پینا، دارالعلوم کے لیے دوسری جگہوں کے اسفار سب اپنے مصارف سے کرتے، یہاں تک کہ اپنے رہائشی کمرے کا کرایہ اور بجلی کا بل بھی ادا کرتے، یہ وصف آپ کے اندر پہلے سے ہی پایا جاتا تھا، کیونکہ دارالعلوم آنے سے پہلے جب آپ گھریلو مصروفیات میں لگے رہتے تھے، تو اپنے محلّہ کی مسجد میں بلا معاوضہ امامت کے فرائض انجام دیتے، اوراس قدر پابندی سے ذمہ داری نبھاتے کہ اہل محلّہ کو تقریباً پچیس سال تک کوئی باضابطہ امام رکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ایک نووارد جب آپ کے کمرے کی سادگی کو دیکھتا تو حیرت زدہ رہ جاتا، کیونکہ موجودہ دَور میں مدارسِ اسلامیہ کے اربابِ انتظام کے خصوصی اختیارات اور ادارے کی اشیاء کو اپنی ذات کے لیے بےخوف وخطر استعمال کرنا ایک عام تصور بن گیا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب سے قریبی تعلّق رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ قدیم رؤسا میں تھے، بہت بڑے کاشت کار اور زمیندار تھے، آپ کے گھر کا معیار زندگی نہایت بلند تھا، لیکن دارالعلوم میں آپ نہایت سادگی پسند واقع ہوئے تھے، متعدد مرتبہ ہم لوگوں نے آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے۔

یقیناً تحمل، امانت داری، بےلوثی، تواضع، سادگی، احساسِ ذمہ داری یہی آپ کی زندگی کے نمایاں ترین اوصاف ہیں اور انھیں اوصاف نے آپ کو عظیم سے عظیم تر بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور ہم خوردوں کو بھی آپ کے ان اوصاف کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ ◻◻

# سفر تمام ہوا نیند آئی جاتی ہے

عارف الحق مفتاحی بڑوتی

دنیائے آب وگل ایک چلتی ریل گاڑی کے مانند ہے جس پر ہر لمحہ کتنے آدمی پیدا ہو کر سوار ہو جاتے ہیں اور جس کا گھر آ جاتا ہے موت کے راستہ اُترتے جاتے ہیں۔ اس آمدورفت میں معلوم نہیں کتنے لوگ آتے ہیں اور اجل کے ہاتھوں اپنے حقیقی گھر کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں مگر ان میں کچھ ایسی ممتاز باکمال اور اللہ کی طرف سے منتخب خوش قسمت ہستیاں ہوتی ہیں کہ زندگی کے اس قلیل سفر میں اپنے ایسے تابناک اور تابندہ نقوش چھوڑ جاتی ہیں جو اس دنیا کے مسافروں کے لیے یادگار اور مینارۂ نور کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے میں ایک منتخب اور علم وادب کے آفتاب سمجھے جانے والی شخصیت امیر الہند کے لقب سے شہرت یافتہ تیس سال سے مغربی ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ کے اہتمام پر فائز جن سے میری مراد مولانا مفتی مرغوب الرحمٰنؒ ہے، جن کو آج مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھوں پر کپکپی طاری ہے، آنکھوں سے یہ الفاظ تحریر کرتے ہوئے اشک جاری ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن نے بجنور کی اس تاریخی سرزمین پر آنکھیں کھولی تھیں جہاں اولیاء اللہ وعارفین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۱۴ء میں اندر بجنور کے علمی خانوادہ میں ہوئی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ رحیمیہ بجنور میں پائی۔ آپ کا گھرانہ دینی گھرانہ تھا۔ چونکہ دینی حمیت، مذہبی غیرت، بے لاگ صاف ستھرا عقیدہ، اتباعِ سنت پر مبنی عشقِ رسولؐ کی دولت اس خاندان کا امتیاز ہے۔ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کو ان صفات سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کو ربّ ذوالجلال کی جانب سے ایامِ طفلی ہی میں بے شمار خوبیوں کے انعام سے نوازا گیا تھا۔ آپ کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکرؓ سے ملتی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور مکمل تعلیم تکمیل افتاء تک آپ نے دارالعلوم میں ہی حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کے در وبام، اساتذہ واسلافِ دیوبند کا نظامِ تعلیم وتربیت اور دارالعلوم کی روحانی وعرفانی شخصیات سے مولانا نے اکتسابِ فیض کیا بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین مدنی سے تلمذ اور ان کی بافیض صحبت اور کیمیا اثر سے مالا مال ہوئے۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی سرگرم شخصیت ان کی فعالیت شبانہ روز ان کی علمی وتصنیفی، تدریسی ودعوتی اور روحانی وعرفانی مصروفیات سے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ نے بہت کچھ سیکھا۔ مولانا خود ایک جید عالم اور مفتی ہونے کے باوجود درس وتدریس کی بجائے انتظامی امور میں دلچسپی دِکھلائی۔ آپ کے خانوادہ کا تعلق چونکہ ہمیشہ دارالعلوم سے رہا ہے اس لیے مجلس شوریٰ نے دیرینہ تعلق کی بنا پر ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ مجلس شوریٰ کے اراکین میں آپ کے مشورے قابل قدر رہے اور اسی وجہ سے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو جب معاون کی ضرورت پیش آئی تو آپ کا نام ہی اتفاق رائے سے پیش کیا گیا اور پھر باقاعدہ ۱۹۸۲ء کے جسم کو کپکپا دینے والے انقلاب کے بعد مجلس شوریٰ نے مولانا کو باضابطہ منصب اہتمام پر فائز کیا۔ مولانا کے دورِ اہتمام میں سے سے اوّل مولانا نے ۱۹۸۲ء میں پیدا ہوئے سخت ترین حالات سے دارالعلوم دیوبند کو محفوظ کیا۔ ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم نے بہت ترقی کی۔ ایشیا کی عظیم اور دارالعلوم کا تاج محل مسجد رشید بھی ان کے دورِ اقتدار میں ہی تیار ہوئی۔ دارالعلوم کے نصاب میں معیاری انگلش، کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات بھی مولانا کے دورِ اہتمام میں ہی شامل کیے گئے۔ تحفظ ختم نبوت اور رابطہ مدارسِ اسلامیہ آپ کے نمایاں کارناموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مولانا کے دور میں دارالعلوم کی توسیع چارگنی ہوئی۔ مولانا کے دورِ اہتمام میں ملازمین و طلباء ہر طرح سے مطمئن رہے۔ عالم اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سب سے پہلے امریکہ کو انھوں نے ہی دہشت گرد قرار دیا تھا۔ مولانا کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کو سیاست سے دور رکھا گیا حتیٰ کہ جمعیۃ علماء ہند کا تنازع حل نہیں ہو پایا اور دارالعلوم پر بھی آنچ آنی شروع ہوئی تو آپ نے سخت ترین فیصلہ لے کر دارالعلوم میں اہم منصبوں پر فائز متصادم گروپوں کے افراد کو اپنے اہم مناصب سے مستعفی ہونے کے لیے کہا اور دارالعلوم کو حتیٰ الامکان جمعیۃ کے تنازع سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔ آپ متواضع حلیم اور انسانیت کے پیکر تھے۔ معاصر اہلِ علم، بزرگوں بلکہ مثبت انداز میں ہر چھوٹے بڑے خادم دین کے وہ نہ صرف قدردان تھے بلکہ عقیدت مند رہا کرتے تھے۔ برادرانِ وطن میں وہ مثبت انداز میں سادگی اور عام فہم زبان میں کام کرنے والے داعی تھے۔ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کا سانحۂ ارتحال دنیا کے لیے ناقابلِ تلافی ہے۔ زندگی کے چھیانوے سال میں اس دارِ فانی میں گزار کر علم وادب کا شہسوار اور بزرگوں واسلاف سے دیوانگی کی حد تک عقیدت مند اپنے عزیز واقرباء کو چھوڑ کر بروز بدھ صبح ساڑھے دس بجے قاسمی قبرستان میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے قدموں میں جا کر سو گیا۔ زبان کی صلاحیت سے عاری، قلم سے بیکار، علم وادب کے ذوق سے ناآشنا یہ حقیر کس طرح اپنے بزرگ کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔ بجز اس کے کہ وہ غم کو ہلکا کرنے کے لیے عظیم محسن ومشفق کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

سفر تمام ہوا نیند آئی جاتی ہے

اشتہار ایک صفحہ

جامعہ میرانپور، مظفرنگر

اشتہار ایک صفحہ (کلر)

مدرسہ اظہار العلوم

اشتہار ایک صفحہ (کلر)

مدرسہ فیضانِ رحیمی مرزاپور

اشتہار ایک صفحہ (کلر)

جامعہ صدیقیہ عین العلوم نوح ہریانہ

اشتہار ایک صفحہ (کلر)

مدرسہ فخر العلوم شیر نگر، مظفر نگر

# دیکھنا یوں بند ہو جائیں گی آنکھیں...

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

موت کا رقص جاری ہے۔ صبح و شام زندگی کے فنا ہونے اور موت کے حقیقت بننے کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کتنے لوگ تھے جنھیں آخری ہچکی لیتے دیکھا، کتنے عزیز تھے جن کو اپنے ہاتھوں زمین کے سپرد کیا، کتنے بڑے تھے جن کے دربارِ علم میں عقیدتوں اور چاہتوں کی روشنی بکھری ہوئی تھی، سب چلے گئے، سب جارہے ہیں، دیوبند نفیس، اعلیٰ بلند اور منفرد شخصیات سے خالی ہوتا چلا جارہا ہے، سناٹے ہیں کہ اسے نگل لینا چاہتے ہیں اور موت ہے کہ اس نے مرکزِ علم اور شہرِ علم پر نشانہ سادھ رکھا ہے، ایک زخم مندمل نہیں ہوتا کہ دوسرا اُبھر آتا ہے، ایک آہ سینے سے جدا نہیں ہوتی کہ دوسری آہ نکلتی ہے اور روح اپنی حدود میں بین کرنے لگتی ہے۔

لگ بھگ سو سال کی عمر پا کر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہ عمر قابلِ رشک ہے اور سو سال اس دور میں جبکہ عمریں گھٹ چکی ہیں اور اوسط عمر ۶۰-۶۵ کے درمیان ہوکر رہ گئی ہے، قابلِ ذکر ہیں۔ وہ چہرے جنھیں بچپن سے دیکھا اور جن کے بڑوں سے ہمارے بڑوں کے تعلقات رہے اُن میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا نام بھی آتا ہے۔ ان کے والد مولانا مشیت اللہ مرحوم رئیسِ بجنور تھے اور ان سے امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ (میرے دادا) کے قریبی مراسم تھے۔ مولانا مشیت اللہ مرحوم شاہ صاحبؒ کے رفیقِ درس تھے لیکن ابتداء ہی سے شاہ صاحبؒ کی نیکی، سادگی اور تیزی کے ساتھ علمی بلندیوں کو عبور کرنے کی خصوصی صلاحیت کی بنا پر قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اس تعلق کو انھوں نے اس طرح نبھایا کہ شاہ صاحبؒ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کئی کئی روز اپنے مکان پر ٹھہراتے، خوب خاطر مدارات ہوتی اور ایک درسی ساتھی سے زیادہ ایک شاگرد کی طرح خدمت کرتے۔ ان تعلقات کی گونج مختلف اوقات میں سنائی دیتی رہی، جب تک دادی مرحومہ حیات رہیں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی دیوبند آمد ہوتی تو اُن کی خدمت میں حاضری لازمی تھی۔ خوب یاد ہے کہ ایک دو بار ان کی دریادلی کے چھینٹے ہم تک بھی پہنچے اور آم کے موسم میں ان کے باغات تک والد مرحوم اور چچا مرحوم کے ساتھ ہماری بھی رسائی ہوئی۔

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ ایک نیک نفس اور شریف الطبع انسان تھے اور اس زمانے میں جبکہ ہم سب ہی خود کو قید کیے ہوئے تھے یا ایک دوسرے کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہ کرتے تھے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مرحوم تنہا ایسے شخص تھے جو میرے والد مرحوم کی انتہائی اور آخری علالت کے زمانے میں عیادت کے لیے "شاہ منزل" تشریف لائے اور اسی قدیم تعلق اور محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ پرانے زمانے کی یادوں کو زندہ کیا اور پچھلے واقعات کو نئے جذبوں اور قوت سے آشنا کیا۔ مختلف تقاریب اور مواقع پر جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو بڑی اپنائیت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے۔ ۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء کو عم محترم (حضرت مولانا سیّد انظر شاہ صاحب مسعودیؒ) کا حادثۂ وفات پیش آیا اور دوپہر کو ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے ایک ہی لمحہ میں پہچان لیا اور تسلی آمیز گفتگو فرمائی۔ ان کی پیرانہ سالی اور ضعف و کمزوری سے اس کی امید نہیں تھی کہ تعارف کرائے بغیر پہچان لیں گے مگر حیرت انگیز طور پر میرا نام لے کر مخاطب کیا اور کچھ وقت تک بات کرتے رہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ یہ دور حضرت مدنیؒ کے تلامذہ کا دور ہے اور سب ہی عمر کی اس منزل میں ہیں جسے ڈھلتی عمر کہہ سکتے ہیں۔ ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں ان ہی کے شاگردوں سے درسگاہیں آباد ہیں۔ اس سے پہلے حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلامذہ کی علمی سربلندیوں کا تیز گامی کے ساتھ سفر جاری تھا اور یہ جماعت پچاس سال سے زائد عرصہ تک آسمانِ علم پر چھائی رہی۔ دیوبند میں قاسمیت کے جو چراغ جل رہے ہیں ان میں اب قدیم اور پرانے چراغ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، مولانا عبدالحق صاحب شیخ ثانی دارالعلوم دیوبند کی صورت میں اپنی موجودگی اور وجود کا احساس دلا رہے ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے آزادی سے پہلے کا زمانہ بھی دیکھا اور آزادی کے بعد کا یہ ساٹھ سالہ دور بھی۔ آزادی کی مختلف تحریکات ان کے سامنے رہیں اور بے شمار نامور افراد کی انھیں زیارت ہوئی۔ سیاست ہو یا ادب، علم ہو یا قلم، اقتدار ہو یا خانقاہ، صاحبِ اختیار ہو یا صاحبِ کمال ہزاروں شہرۂ آفاق انسانوں کو انھیں دیکھنے کا موقع ملا۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، خان عبدالغفار خان، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ اس فہرست میں لاتعداد ناموں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے جن عظیم ہستیوں کو مولانا نے بہت قریب سے دیکھا۔

انسان دو چیزوں سے پہچانا جاتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس کی شناخت میں جو چیز بنیادی کردار ادا کرتی ہے وہ اس کے فطری خواص اور فطری کمالات ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا شمار نیک بخت، سنجیدہ اور باوقار لوگوں میں ہوتا تھا۔ خاندانی شرافت ان کے چہرے سے بھی عیاں تھی اور رکھ رکھاؤ سے بھی ظاہر تھی۔ وہ اور ان کے ایک بھائی دارالعلوم کے فاضل تھے اور ریاست وامارت میں زندگی گزارنے کے باوجود غرور ونخوت کا سایہ ان پر نہ پڑا تھا اور نہ کبھی وہ ان کا شکار ہوئے تھے۔ آج اور کل بجنور میں ان کے مقابل کوئی رئیس نہ تھا، مگر حقیقی شرافتیں، روپے کی ریل پیل سے متاثر نہیں ہوتیں اور نہ خدام کی قطاریں ان کے مزاج بگاڑتیں، ان کی رگوں میں گردش کرتا لہو خاندانی شرافتوں کی شناخت تھا اور اس سلسلہ کو آگے بڑھا رہا تھا جو ان کے بڑوں سے چلا آرہا تھا۔ نئی نسل کے افراد ان رشتوں اور تعلقات کو نہیں پہچانتے جو نسل در نسل چلتے ہیں اور دوام کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے اس دنیا سے رخت سفر باندھ لینے کے بعد شاید ان مراسم اور گہرے روابط نے بھی آخری ہچکی لی ہے اور ڈر ہے کہ ان تعلقات کی لاش کو منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جائے۔

ہر زندگی قیمتی ہے چاہے وہ عمر کے اعتبار سے پچاس سال کی ہو یا سو سال کی، ہر آدمی اپنی جگہ اہم اور باوزن ہے، وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے اور ان میں سے تھے جنھوں نے بہت زیادہ دیر مسند اہتمام کو رونق بخشی۔ وہ چلے گئے اور ذاتی طور پر میرے لیے یادوں کی ایسی دنیا چھوڑ گئے جہاں ان کا نام کافی زمانہ تک زندہ رہے گا۔ مجھے مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی وہ یادیں تو مزید ستائیں گی جن کا تعلق میرے خاندان کے بڑوں اور بزرگوں سے ہے۔ ان کا شفیق لہجہ، ان کا مربیانہ انداز اور ان کی پروقار، متین اور سنجیدہ شخصیت کے نقوش تادیر قائم رہیں گے اور جب بھی ایسا موقع آئے گا کہ مرحومین کی یادیں بے اختیار دل کے دروازے پر دستک دیں ان میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا نام بھی شامل ہوگا۔ وہ سو سال اس دنیا میں گزار کر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگئے:

دیکھنا یوں بند ہو جائیں گی آنکھیں ایک دن
آپ یوں سمجھیں گے کہ آرام سے نیند آ گئی

# یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

مولانا محمد ساجد قاسمی کھجناوری، اُستاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ کو یہ کاتب الحروف اپنے متعلقہ اسباق پڑھانے کے بعد ماہنامہ ''صدائے حق'' کے دفتر میں بیٹھا ہوا تازہ شمارہ کی ایڈیٹنگ میں مشغول تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی فون ریسیو کیا تو دیوبند سے برادرم مولوی شاہنواز بدر نے مغموم لہجہ میں یہ دلخراش خبر سنائی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے آبائی وطن بجنور میں اس جہاں فانی سے رحلت فرماگئے، راقم آثم نے استرجاعی کلمات پڑھنے کے ساتھ ہی آناً فاناً دفتر اہتمام میں میرکارواں حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہم کو یہ اندوہناک اطلاع دی تو آپ نے بے ساختہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک روشن اور تاریخ ساز عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ اللہ پاک حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کوان کانعم البدل عطا فرمائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے متذکرہ بالا فکر مندانہ کلمات سے اس احساس کی بھی تائید ہوتی ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کا وجود اس دور قحط الرجال میں بسا غنیمت تھا، لہٰذا ان کا سانحۂ رحلت دارالعلوم دیوبند سمیت پوری ملت کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے، جس کی بھرپائی بسہولت ممکن نہیں، شاعر نے غالباً آپ ہی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

ڈھونڈھوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

موت ایک اٹل حقیقت ہے، گردش شام وسحر کے باوجود اس کا رقص ہر سمت جاری ہے، کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا بوڑھے کیا جوان، کیا شہرت پذیر کیا بے نام ونشان ہر ایک اس کی آغوش میں سمارہے ہیں، ہر روز بیشمار انسان منوں مٹی کے نیچے اس طرح جا بستے ہیں کہ کانوں کان خبر نہیں ہوتی، مگر بعض ہستیاں اور خاصانِ خدا کے کوچ کرنے پر صدیاں اور زمانے اشک بار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ بھی انہی چنیدہ شخصیات کبار میں سے تھے، جن کے تقویٰ وطہارت، تدبر وحکمت، متانت وسخاوت اور زندہ دلی وشفقت کی بے شمار داستانیں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں، قاسمی برادری ہی نہیں پوری ملت اسلامیہ انہیں عقیدت والفت کے پھول نچھاور کررہی ہے، اسی لئے ان گنہگار آنکھوں نے بھی وہ ایمان افروز منظر دیکھا، جب ربع صدی سے زیادہ زمانی رقبہ پر محیط دارالعلوم کی بے لوث خدمت کرنے والے آخری سفر کے راہی کو دارالعلوم کے نودرہ سے مزار قاسمی کندھوں پر لیجایا جارہا تھا، ہر شخص مجسم حسرت بنا ہوا نم آنکھوں سے انہیں الوداع کہہ رہا تھا اور احقر کو نبیؐ کریمؐ کی وہ حدیث یاد آرہی تھی جو الترغیب والترہیب صفحہ نمبر ۲۵۴/ جلد نمبر ۴/ جبکہ اتحاف السادۃ المتقین صفحہ نمبر ۳۳۸/ جلد نمبر ۷/ پر موجود ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس من طال عمرہ وحسن عملہ آپؐ نے ارشاد فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو، حضرت مہتمم صاحبؒ کی زندگی اس حدیث کی مصداق نظر آتی ہے، رب رحیم وکریم کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ دار آخرت میں عنایات الٰہی سے بہرہ ور ہورہے ہوں گے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے شہر بجنور میں ۱۹۱۴ء میں رئیس بجنور مولانا مشیت اللہ کے یہاں آنکھیں کھولیں، ان کے والد گرامی امام العصر حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے دوستوں میں سے تھے، آپ کے گھرانے میں علم وادب کے چرچے اور دین ودانش کے غلغلے تھے، اصحابِ فضل وکمال کا یہاں ورودِ مسعود ہوتا رہتا تھا، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے اسی خوش گوار علمی فضا میں تربیت پائی، درس نظامی کی ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ جامعہ رحیمیہ میں حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء میں علوم اسلامی کی شہرۂ آفاق مرکزی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور یہاں باضابطہ داخلہ لے کر تعلیم کے تمام مراحل بحسن وخوبی طے کئے، دریں اثنا چند سال انقطاع کے بعد دارالعلوم ہی سے افتاء کی بھی تکمیل کی اور اس وقت کے باکمال مفتی حضرت مولانا سہول بھاگلپوریؒ کی نگرانی میں مشق ومزاولت کی، فراغت کے بعد بھی دارالعلوم کے بزرگوں سے برابر تعلق رہا، بچپن ہی سے اللہ نے آپ کو اوصاف وکمالات سے آراستہ کیا تھا، مزاج میں سلامتی وخودداری

اور صالح جذبات کے غیرمعمولی عناصر نے آپ کی شخصیت میں مقناطیسیت کے جواہر ٹانک دیئے تھے، اس لئے ذمہ داران دارالعلوم نے ۱۹۶۲ء میں آپ کو اراکین شوریٰ میں جگہ دی، جہاں آپ کی اصابت فکر کے چراغ روشن ہوئے، آپ نے ہمیشہ دارالعلوم کے مفاد میں گراں قدر تجاویز پیش کیں جس سے آپ کی نیک نامی میں اضافہ ہوا، پھر جب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو ایک معاون مہتمم کی ضرورت پڑی تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کا نام پیش کیا، جس کی تائید جملہ اراکین شوریٰ نے کی، بالآخر جب ۱۹۸۲ء میں تقسیم دارالعلوم کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا تو اراکین شوریٰ نے باضابطہ منصب اہتمام آپ کے حوالہ کردیا، اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم کی باگ ڈور آپ نے ایسے وقت میں سنبھالی تھی کہ جب نفرتوں کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں، دارالعلوم ناگفتہ بہ بحران سے دوچار تھا لیکن حضرت مہتمم صاحبؒ نے نہایت تدبر فہم وفراست، سلیقہ مندی، حوصلگی اور جرأت وحکمت کے ساتھ دارالعلوم کے قافلہ کو آگے بڑھایا اور تادم آخر وہ اس کے میر کارواں رہے۔ یہاں یہ اعتراف بیجا نہ ہوگا کہ اگر دارالعلوم کو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا تو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے اسے دوام واستحکام بخشا، اس کی شہرتوں میں چار چاند لگائے، ملت کے قیمتی اثاثے دارالعلوم کی آپ نے حفاظت فرمائی، آپ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم نے تعلیمی وتعمیراتی اعتبار سے بہت سی بلندیوں کو چھوا، تخصّصات کے شعبے قائم ہوئے، روایتی شعبوں کو متحرک وفعال بنایا، اسلامی طرز تعمیر کا جدید شاہکار جامع رشید بھی آپ کے اہتمام کی پیشانی کا جھومر کہا جاسکتا ہے۔ الغرض تعلیم وتربیت، تعمیر وترقیات کے باب میں خوش گوار اضافے اور کامیابی حضرت مرحوم کی رہین منت ہیں جو نقش دوام کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم کے بے لوث خدمت گذار تھے، وہ ناز ونخرے اور رئیسانہ ماحول کے پروردہ تھے لیکن سادگی قناعت پسندی، کفایت شعاری، خلوص وللّٰہیت، تواضع وانکساری، معاملہ فہمی، راست گوئی، فرض شناسی، دیانت داری، شرافت وہمدردی ان کی ذات کا ناقابل انفکاک حصہ تھی، بندہ نے دارالعلوم میں اپنے دس سالہ ایام طالب علمی میں ان کے الطاف وعنایات کا مشاہدہ کیا اور ان کے خوان نعمت سے مستفید بھی ہوا، وہ طلبہ پر بے حد شفیق تھے، آپ طلبہ کی تربیت کے بارے میں متفکر نظر آتے تھے، ان کا خیال تھا کہ:

کورس تو الفاظ ہی سکھاتے ہیں
لیکن آدمی آدمی بناتے ہیں

ایک مرتبہ بعض شہریوں سے طلبہ کی جھڑپ ہوگئی اور طلبہ نے انتظام کو متحرک نہ دیکھ کر صدائے احتجاج بلند کردی، بالآخر انتظامیہ حرکت میں آگئی اور مسجد رشید میں ایک ہنگامی اجلاس طلب کرلیا گیا، حضرت مہتمم صاحبؒ بذات خود تشریف لائے، طلبہ نے اپنے مطالبات آپ کے سامنے رکھے، حضرت نے تربیتی پہلو اختیار فرمایا اور کہا کہ طلبہ اپنی جائز مشکلات کے مداوے کیلئے درخواست کریں، مطالبہ یا ایجی ٹیشن کرنا کالج اسکول اور سیاسی پارٹیوں کا طریقہ ہے جو دینی مدارس کے طلبہ کی شان نہیں ہے۔

آپ کے منصب اہتمام پر متمکن رہتے ہوئے اندرون وبیرون ملک بہت سے موڑ آئے، عالمی منظرنامے پر شہ اور مات کے کھیل دیکھنے کو ملے، عالم اسلام نے موافق ومخالف دونوں ہواؤں کا سامنا کیا۔ افغانستان میں طالبان حکومت کا عروج وزوال، نائن الیون کا حادثہ، اسلام کے خلاف فرعونی لشکروں کی ناکہ بندی، ہندوپاک کے مابین تعلقات کے نشیب وفراز، غرض ہر موقع پر مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے دارالعلوم کے اسٹیج سے ہندستانی مسلمانوں کے صحیح احساسات وجذبات کی ترجمانی کا فریضہ ادا کیا اور مادر علمی کے سائبان کو ہر قسم کی تپش سے محفوظ رکھا یقیناً اس میں ان کی مومنانہ فراست اور تقرب الٰہی کا خاص دخل تھا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کی کن کن خوبیوں کا تذکرہ کریں، حق جل مجدہ نے انہیں بے شمار خصوصیات سے مالا مال کیا تھا، دفاع عن الدین کے بارے میں وہ ہمیشہ مستعد نظر آتے تھے، باطل فرقوں کے مسموم اثرات سے مسلمان بچوں کی حفاظت، اسلام اور مسلمانوں کے تئیں مغربی میڈیا کے منفی کردار کی تغلیط ومذمت، اپنے مسلک پر آنچ آئے بغیر دوسروں کے ساتھ ملی امور پر تبادلۂ خیال اور مشارکت نیز امت کی شیرازہ بندی ان کی دینی تڑپ وملی شعور کا ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس سے ان کی ہشت پہل شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آج اگرچہ وہ اجنبی شہر کے باسی ہیں لیکن آپ کی ناقابل فراموش خدمات کے سہارے ان کی یادوں کے روشن چراغ یونہی ضیاء پاشی کرتے رہیں گے۔

موت اس کی ہے کرے جس پر زمانہ افسوس
یوں تو سب آئے ہیں اس دنیا میں مرنے کیلئے

# علم وآگہی کا روشن چراغ تھے مولانا مرغوب الرحمٰنؒ

**محمد طیب قاسمی**

اس نیلگوں آسمان کے نیچے جتنی بھی چیزیں ہیں سب فانی ہیں خواہ وہ ذی روح ہوں یا غیر ذی روح، زرخیز زمینوں میں سرسبز وشاداب باغات کا خوشنما منظر ہو یا لہلہاتی وادیوں میں ہرے بھرے پودوں کی حسین نمائش، آبشار اور بہتی ندیوں کے کنارے، نسیم سحر کے بیل بوٹے ہوں یا شاداب درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑوں کا پرکشش نظارہ، صبحِ ہنگام کی مربوط اور متعدل آب وہوا ہو یا موسمِ باراں کی تیز وتند اور خشک فضا، چاند، سورج، زمین آسمان سب زوال پذیر ہیں تو پھر انسانی زندگی جو چند دنوں کا ایک ٹمٹماتا چراغ ہے ابدی اور سرمدی کیسے ہوسکتی ہے، جس کے زوال کو قرآن کریم نے "ولن یؤخر اللّٰہ نفساً اذا جاء اجلھا" سے تعبیر کیا ہے مگر دنیا میں کچھ ایسی قدآور اور معزز ہستیاں ہوتی ہیں کہ جن کی رحلت و فرقت قوم وملت پر بجلی کا پہاڑ اور آگ کی بارش بن کر گرتی ہے، جن کی موت "موتُ العَالِم موتُ العَالَم" کا مصداق بن جاتی ہے، جن کے تئیں لوگوں کے دلوں میں فانوسِ دعا اور محبت کی شمع فروزاں ہوتی ہے، انھیں نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن، مہتمم بھی تھے۔

علم وآگہی کا یہ چراغ اترپردیش کے مردم خیز شہر بجنور کے ایک مہذب، متمول اور صاحب ثروت گھرانہ میں ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں روشن ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا اور اپنے زمانہ کے آفتاب و ماہتاب اساتذۂ فن اور یکتائے زمانہ و یگانۂ روزگار شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اور حضرت مولانا محمد سہول صاحبؒ وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

حضرت مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۳۲ء میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد بعض طبعی عوارض کے سبب تین سال تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا اور پھر مزید تحصیلِ علم اور تخصص کی غرض سے دوبارہ آپ نے دیوبند کا رُخ کیا اور مفتی محمد سہول صاحبؒ وغیرہ اصحابِ فتاویٰ سے افتاء کی تعلیم اور تمرین ومشق کی تکمیل کی۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کے والد ماجد مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ بھی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رفیقِ درس تھے۔ اکابر ومشائخ سے گہرا قلبی ربط وتعلق تھا۔ اس طرح یہ تعلق ان کے لائق فائق فرزندِ ارجمند میں جاگزیں ہوا جو آخری لمحات تک قائم رہا۔ ۱۹۶۲ء میں مجلسِ شوریٰ نے آپ کی خاندانی روایات اور دارالعلوم سے قدیم روابط ووابستگی اور خدمات کو دیکھتے ہوئے شوریٰ کا رکن منتخب کیا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ مسلسل ضعف وعلالت کے باوجود بھی شوریٰ کی تمام نشستوں میں شرکت فرماتے اور اپنی لیاقت وقابلیت کو بروئے کار لاکر مفید رائے اور مشورے سے نوازتے۔ ان کی رائے ومشورے نہایت اہم اور وقیع سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۸۰ء کے قضیہ نامرضیہ کے بعد ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معاون کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں مجلسِ شوریٰ نے آپ کو اہتمام کے عظیم الشان منصب پر فائز کردیا۔ آپ نے نہایت نازک وقت میں قیادت سنبھالی اور جس طریقہ پر بحرانی صورتِ حال سے دارالعلوم کو نکالا اس میں ان کی خداداد صلاحیت، تدبر، فہم وفراست اور اخلاص وللّٰہیت کا بڑا دخل ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں کئی پرشکوہ، جاذبِ نظر اور شاہکار عمارتیں تعمیر ہوئیں بالخصوص اخلاص کا سچا تاج محل مسجد رشید جس کا حسن وجمال زائرین کی نگاہوں کو خیرہ کردیتا ہے، اس کے علاوہ شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، حکیم الامت منزل کی تکمیل بھی آپ ہی کے سنہرے دور میں ہوئی۔ فی الحال دارِ جدید کو نئی شکل دینا اور پختہ ومضبوط طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچانا اسی طرح عظیم الشان پانچ منزلہ لائبریری "شیخ الہند لائبریری" کا تعمیری سلسلہ بھی آپ ہی کی سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کا نتیجہ ہے۔ آپ کا دورِ اہتمام جہاں تعمیراتی اعتبار سے لائقِ تحسین اور قابلِ داد رہا وہیں تعلیمی اعتبار سے بھی نہایت تابناک اور روشن رہا۔ ان کی قیادت میں دارالعلوم نے بے مثال اور ہمہ جہت ترقی کی۔ بہت سے شعبے قائم ہوئے جن میں شعبۂ ختم نبوت، شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی، زبان و ادب اور شعبۂ تحفظِ سنت وغیرہ شامل ہیں۔ اور نظامِ تعلیم میں اصلاحات بھی ہوئیں۔ اسی طرح ملک بھر میں دینی اور روحانی فیض پہنچا رہے مدارسِ اسلامیہ عربیہ کو ایک زنجیر میں منسلک کرنے کے لیے باقاعدہ رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ کا قیام بھی آپ کی کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ آپ عرصۂ دراز تک دارالعلوم کے مؤقر رکن، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے اور فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی رحلت کے بعد ۲۰۰۶ء میں امیر الہند کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ آپ کا دورِ اہتمام ہر لحاظ سے بے مثال رہا اور یہ دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک حصہ ہے۔ چونکہ آپ دیندار، صاحبِ ثروت اور جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے آپ نے کبھی دارالعلوم کی خدمت پر کوئی رقم یا الاؤنس نہیں لیا۔ ہمیشہ اپنا کھایا، اپنا خرچ کیا اور جس کمرہ میں قیام فرما ہوئے بجلی اور کرایہ خود ادا

کیا۔ حضرت مہتمم صاحب اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، سنجیدگی وقناعت کے بحرِ بیکراں، زہد وورع کا تاج محل، امانت ودیانت کا عملی نمونہ اور سادگی و بے لوثی کے امام تھے۔ امت کے غمخوار اور علم وعمل کا ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھے۔ مادرِ علمی کی روح، اکابر کا آئینہ اور اسلاف کی سچی تعبیر تھے۔ ملت کے قائد، قوم کے رہبرورہنما، جمعیۃ علماء ہند کے سرپرست اور مدارس کا عظیم سرمایہ تھے۔ انتہائی زیرک، معاملہ فہم، دوراندیش، ہوشمند شخصیت کے مالک، نیک سیرت، خاموش طبیعت عالم دین، متواضع وملنسار، مہمان نواز، مخلص اور بااخلاق یہ سب اوصاف وکمالات انہیں کے ساتھ رخصت ہوگئے اور ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء صبح دس بجے اس دارِفانی کو رخصت ہوکر روپوش ہوگئے۔

حضرتؒ کا جسدِ خاکی بعد نماز عصر بجنور سے دیوبند کے لیے روانہ ہوا جہاں ہزاروں سوگواران ان کی جھلک دیکھنے اور آخری دیدار کے لیے بے چین تھے۔ مشہور ومتبرک مقام احاطۂ مولسری میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور ایک جم غفیر نے پرنم آنکھوں سے قبرستانِ قاسمی کے حوالہ کردیا جہاں پہلے ہی سے بہت سے لعل وجواہر اور بیش بہا موتی آسودۂ آرام وراحت ہیں۔ پسماندگان میں ایک صاحبزادہ مولانا انوار صاحب اور ایک صاحبزادی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خدمات کا بیش ازبیش بدلہ مرحمت فرماکر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور دارالعلوم وملت اسلامیہ کو نعم البدل عطا فرمائے، آمین یاربّ العالمین۔ ☐☐

# مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَم

**عالم نقوی**

امیر شریعت، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور رابطہ عالم اسلامی سمیت دنیائے اسلام کی دیگر تنظیموں کے رکن حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کا انتقال ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بلاشبہ ایک سانحۂ عظیم ہے۔ یہ علمی اور دینی نقصان بھی ہے اور سماجی وسیاسی نقصان بھی۔ حضرت مولانا مرحوم جو فراغت کے بعد ہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بن گئے تھے گذشتہ تیس برسوں سے ایشیا کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں جب دارالعلوم دیوبند زبردست اختلافات کی زد میں تھا اور حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ مہتمم کے عہدہ سے بری الذمہ ہوگئے تھے تب اہتمام کی ذمہ داری حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے کندھوں پر آپڑی تھی اور انھوں نے اپنی وفات تک اس ذمہ داری کو پورے خلوص اور ایمانداری کے ساتھ انجام دیا۔ حضرت مولانا مرحوم کی انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم کے اختلاف کو انھوں نے درس وتدریس پر حاوی ہونے نہیں دیا اور طلباء میں اس احساس کو ہمیشہ جگائے رکھا کہ وہ علم دین حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے کسی سیاست میں پڑے بغیر علم دین حاصل کریں اور پھر عملی زندگی میں آکر دعوت دین کا فریضہ انجام دیں۔ اُس وقت کے حالات بے حد دشوار تھے۔ دارالعلوم کا اس وقت کا سالانہ خرچ تیس لاکھ روپے تھا مگر جب مولانا نے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی تب خزانہ خالی تھا۔ اختلافات کے سبب بینک کھاتہ منجمد ہوچکا تھا مگر حضرت مولانا مرحوم نے خزانہ خالی ہونے کے باوجود دارالعلوم کو اس طرح چلایا کہ کسی کو خزانہ کے خالی ہونے کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ آج دارالعلوم کا سالانہ خرچ تقریباً چودہ کروڑ روپے ہے۔ سالانہ چار ہزار کوئنٹل غلہ علاحدہ سے استعمال ہوتا ہے اور اتنی بڑی رقم اور اتنا زبردست غلہ ہمیشہ دارالعلوم کو اس وجہ سے بھی ملتا رہا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم اپنی دیانت داری اور ایمانداری کے لیے معروف تھے۔ وہ انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے حالانکہ یوپی کے ضلع بجنور کے بڑے زمینداروں اور بڑے کاشتکاروں میں سے تھے۔ انھوں نے کبھی نہ دارالعلوم کا کمرہ استعمال کیا نہ وہاں کا کھانا کھایا، حالانکہ وہ اس کے حقدار تھے، ہمیشہ اپنا انتظام خود کیا۔

حضرت مولانا مرحوم کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایک ایسے موقع پر جب ہر طرف اسلامی دہشت گردی کا شور تھا اور مسلمانوں پر انگلیاں اُٹھ رہی تھیں انھوں نے دارالعلوم میں دہشت گردی مخالف کانفرنس کروائی۔ دہشت گردی کے خلاف فتویٰ دیا اور اربابِ سیاست تک یہ واضح پیغام پہنچایا کہ ہندوستانی مسلمان دہشت گرد نہیں بلکہ وہ دوسروں سے کہیں زیادہ محبّ وطن ہیں۔ ان کے اس پیغام کا برادرانِ وطن پر بھی اچھا اثر پڑا اور مرکزی وریاستی حکومتوں پر بھی۔ یہی نہیں جب بھی ہندوستانی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی، انھیں سیاسی مشورہ کی ضرورت پیش آئی، حضرت مولانا مرحوم نے آگے بڑھ کر نمائندگی کی۔ حضرت مولانا مرحوم مدارس کی بقاء کے لیے ہمیشہ فکرمند رہے۔ وہ کل ہند رابطہ مدارسِ دینیہ کے صدر بھی تھے اور ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی۔ انھوں نے ڈٹ کر اس الزام کی ہمیشہ مخالفت کی کہ مدارس اسلامیہ دہشت گردی کے اڈّے ہیں۔ وہ یوپی میں اوقاف کمیٹی کے بھی رکن رہے اور اس حیثیت سے اوقاف کی املاک کی حفاظت کے لیے سرگرداں بھی رہے۔ سماجی اور سیاسی حلقے حضرت مولانا مرحوم کے مشوروں کو احترام سے سنتے تھے۔ اللہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور دارالعلوم دیوبند کو پھر حضرت مولانا مرحوم جیسا ہی کوئی مہتمم عطا کرے۔ دارالعلوم کے لیے یہ دوہرا جھٹکا ہے، ابھی کچھ عرصہ قبل کارگزار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کا انتقال ہوا تھا اور اب مہتمم صاحب نہیں رہے۔ اللہ ان دونوں علمائے کرام کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین! ☐☐ (مضمون نگار 'اُردو ٹائمز' کے ایگزیکٹیو ایڈیٹر ہیں)

# امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ

مفتی سعید الحق قاسمی (مہتمم مدرسہ مدنی دارالقرآن مئوناتھ بھنجن، یوپی)

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کی پہلی تاریخ تھی۔ دن میں اُداسی سی لگ رہی تھی۔ بعد نماز ظہر موبائل کی گھنٹی بجی، معلوم ہوا کہ ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے آج صبح ساڑھے دس بجے اپنی سوسالہ زندگی کے ایام مکمل کر کے آخرت کی راہ لی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس اندوہناک وغمناک خبر سے پورے عالم اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کہ وہ سپہ سالارِ اعظم علمائے دیوبند جو چھہتّر سال سے ملک وملت اور دارالعلوم دیوبند کی علمی خدمات انجام دے رہا تھا۔ وہ یکایک خاموش ہوگیا۔ وہ عبقری شخصیت جو پورے عالم اسلام کی انتہائی مرغوب ومحبوب و پسندیدہ ذات اب دنیا میں نہ رہی۔ وہ آفتابِ علم وفضل جو پون صدی سے اپنی علمی وعملی شعاعوں سے پورے عالم کو روشن اور منور کر رہا تھا یکایک اس کو ایسا گہن لگا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ روپوش ہوگیا جس کی تاریکی اور ظلمت سے پورے عالم میں کہرام مچ گیا۔ پورا عالم غم واندوہ میں ڈوب گیا اور آہ وفغاں سے پوری فضا گونج اُٹھی کہ وہ مردِ درویش جن کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ، بعد نماز عشاء مزارِ قاسمیہ میں پیوندِ خاک ہوگیا اور لاکھوں سوگواروں کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ اس ناگہانی خبر کے آتے ہی مدرسہ مدنی دارالقرآن مئو میں تمام اساتذہ، طلباء وارکین حضرات نے قرآن خوانی کر کے مرحوم کو ایصالِ ثواب کیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ پسماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی توفیق اور ان کا نعم البدل مانگا گیا۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین!

حضرت مہتمم صاحب مرحوم کا دورِ اہتمام انتہائی زرّیں اور تابناک دَور تھا جس میں بڑے اہم اور نمایاں کام ہوئے، مسجد رشید کی تعمیر، نصاب میں معیاری انگلش، کمپیوٹر، صحافت، دارِ جدید کی تعمیرِ جدید جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء ہم لوگ دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھے۔ مجلسِ شوریٰ ہوتی تھی، اراکین شوریٰ حضرات دیوبند تشریف لاتے تھے۔ ہم لوگ ان حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے مہمان خانہ میں جاتے تھے۔ اُس وقت یہ بات مشہور تھی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنور سے تشریف لائے ہیں جو بڑے رئیس اور زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، بڑے مخلص، باوقار، ملنسار، متواضع، منکسر المزاج اور مخیّر ہیں، علماء کی قدردانی اور مہمان نوازی میں مشہور ہیں۔ ان کے والد مولانا مشیت اللہ صاحب بھی بڑے زمیندار ہوتے ہوئے سادگی کے پیکر تھے۔ اسی رئیس گھرانہ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی ولادت ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بجنور میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا اور گلشنِ دارالعلوم سے خوشہ چینی کی اور وہاں کے ماہرِ فن اساتذہ سے کسبِ علم وفیض کیا اور شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے بخاری شریف پڑھ کر ۱۹۳۳ء میں فراغت حاصل کی اور اپنے آبائی پیشہ زمینداری کی دیکھ ریکھ میں لگے رہے مگر صاحبِ علم وفضل اور علم دوست تھے اس لیے ۱۹۶۲ء میں آپ کو مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا رکن منتخب کیا گیا۔

۱۹۸۱ء میں دارالعلوم کچھ ایسے پرخطر ماحول سے گزر رہا تھا جس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو ایسے فعال، ارادہ کا پختہ، مضبوط ومتحکم، صاحبِ حیثیت معاون کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو اپنا معاون بنایا کہ حالات کی آندھی تھم جائے مگر حالات انتہائی خطرناک موڑ پر پہنچ گئے تھے تو حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحبؒ نے معذرت چاہی اور اپنا استعفیٰ پیش کیا۔ استعفیٰ کی منظوری کے بعد ۱۹۸۲ء میں اراکینِ شوریٰ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے مضبوط و مستحکم کندھے پر اہتمام کا بوجھ ڈال دیا۔ اہتمام کے اس عظیم منصب کو حضرت مہتمم صاحب نے بڑی مضبوطی سے اُٹھایا، اس کو چار چاند لگایا اور اس کی تربیتی وتعلیمی شہرت کو آسمانِ ہفتم تک پہنچایا۔ تعلیمی سدھار کیا، نظم ونسق کو بہتر سے بہتر بنایا۔

حضرت مہتمم صاحب مرحوم جرأت و بے باکی اور اصابتِ رائے میں بھی مشہور تھے اور بروقت جو فیصلہ لے لیتے تھے اس پر قائم رہتے تھے۔ ان کی جرأت مندی اور بے باکی کی اعلیٰ مثال جب پورے عالم اسلام پر امریکہ اور اتحادیوں کا قہر نازل ہو رہا تھا، عراق وافغانستان تباہی کے گھاٹ لگ رہا تھا، مختلف ممالک میں ظالمانہ کارروائیوں سے اور پورے ہندستان میں دہشت گردانہ حملوں سے تمام مسلمان دہشت زدہ اور خوف زدہ تھے، کسی کے اندر یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ امریکہ کو کچھ کہہ سکے مگر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے اندر وہ جرأت اور ایمان میں صراحت تھی کہ انھوں نے بلاخوف وخطر بانگ دُہل یہ اعلان کیا کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے اور اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ شروع ہی سے جمعیۃ علماء ہند کے مردِ مجاہد اور اس کے سپاہی تھے۔ اس کی مجلسِ عاملہ کے رکن بھی رہے اور فدائے ملت امیر الہند ثانی حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے اعزہ واقارب میں تھے۔ جمعیۃ کی ہر کانفرنس میں شریک ہوتے، اس کے

ہر کاز کی بھرپور حمایت کرتے اسی لیے امیر الہند ثانی کے انتقال کے بعد ۲۰۰۶ء میں آپ بھی باتفاق آراء امیرالہند منتخب کیے گئے۔ ان کے دورِ امارت میں امارتِ شرعیہ ہند کی طرف سے کوئی فقہی اجتماع نہیں ہو پایا کیونکہ فدائے ملتؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ دو حصوں میں بٹ گئی اور دونوں گروپ ایک دوسرے پر برسرِ پیکار نظر آئے جس میں علماء اُلجھ کر رہ گئے۔ اس لیے امارتِ شرعیہ کا کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکا۔ حضرت مہتمم صاحب مرحوم رئیسانہ شان رکھتے تھے مگر انتہائی متواضع، حرص و طمع سے بہت دُور رہتے تھے، اپنے پورے دورِ اہتمام میں کبھی تنخواہ نہ لی بلکہ اپنی ذات پر خرچ ہونے والی بجلی پانی وغیرہ کا بل اپنی جیبِ خاص سے ادا کرتے تھے بلکہ ہر موڑ پر دارالعلوم اور اس کے طلباء کی بھرپور مدد و معاونت کرتے تھے۔ والد محترم مفکرِ ملت خلیفۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد صفات اللہ صاحبؒ بانی و مہتمم مدرسہ مدنی دارالقرآن مئو سے بڑے گہرے روابط اور مراسم تھے۔ جب والد صاحب دیوبند تشریف لے جاتے تو حضرت مہتمم صاحب سے مختلف مسائل پر گھنٹوں تبادلۂ خیال کرتے۔ اِدھر والد صاحب کی معذوری کے ایام میں برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا مگر افسوس وہ خطوط ضائع ہوگئے۔ بانیٔ محکمہ شرعیہ مولانا محمد صفات اللہ صاحب برابر محکمہ شرعیہ کے سلسلہ میں بھی استصوابِ رائے کیا کرتے تھے۔ میں بحیثیت کنوینر محکمہ شرعیہ اور دیگر اراکینِ محکمہ نے بھی حضرت مہتمم صاحب کی وفات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین! □□

# امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کا مثالی کردار

**مولانا اشھد رشیدی**، مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے اندر ویسے تو گونا گوں خصوصیات موجود تھیں، لیکن آپ کی دو خصوصیتیں نہایت اہم تھیں، جو اداروں سے وابستہ افراد کے لیے یقیناً قابلِ تقلید اور مثالی ہیں:

(۱) **حزم و احتیاط**: دارالعلوم کے مالیہ اور اس کی دیگر اشیاء کے سلسلہ میں موصوف نہایت محتاط واقع ہوئے تھے، وہ ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دارالعلوم کی کوئی چیز بلاضرورتِ شدیدہ ان کے ذاتی استعمال میں آئے، یا بلا معاوضہ ادا کئے کسی چیز کو استعمال کیا جائے۔ یہ حضرت مہتمم صاحب علیہ الرحمہ کا وہ کردار ہے جس کو اداروں سے منسلک افراد کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا چاہیے اور ہر ہر قدم پر نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا چاہیے۔

(۲) **عزم و پختگی**: دارالعلوم کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اگر کوئی فیصلہ کرلیا گیا ہے تو موصوف اس پر سختی سے جم جایا کرتے تھے اور ہرگز ایک اِنچ پیچھے نہیں ہٹا کرتے تھے، خواہ کتنی ہی مخالفتیں مول لینی پڑیں، کتنی ہی ناروا باتیں سننی پڑیں، ان کے موقف میں کوئی نرمی اور رائے میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوا کرتی تھی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ موصوف کو سب سے زیادہ دارالعلوم کے مفادات عزیز تھے، جن کے خلاف وہ کچھ سننے اور کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اداروں سے وابستہ اربابِ حل وعقد کے لیے یہ صفت بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس سے ادارے کا وقار بحال ہوتا ہے، اس کی عظمت بڑھتی ہے، اور کارکنان و اساتذہ میں فعالیت پیدا ہوتی ہے۔

## مدرسہ شاھی اور حضرت مھتمم صاحب مرحوم

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ کا تعلق مدرسہ شاہی سے بہت قدیم ہے، آپ کا مدرسہ میں آنا جانا اس وقت سے ہے جب یہاں حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلۂ العالی بحیثیت مدرس کے مقیم تھے، مدرسہ شاہی سے آپ کی دلی وابستگی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آں مرحوم نے اپنے صاحب زادہ جناب مولانا انوار الرحمٰن کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے خاص طور پر مدرسہ شاہی بھیجا، موصوف نے کئی سال حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہٗ کی زیرنگرانی مدرسہ شاہی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اور پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

دارالعلوم کے اہتمام پر فائز ہونے کے بعد آپ کو مدرسہ شاہی کی شوریٰ کا ممبر منتخب کرلیا گیا، جس کو آپ نے بخوشی قبول کیا، اور جب تک صحت درست رہی برابر شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لاکر مفید مشوروں سے نوازتے رہے، والد صاحب مرحوم حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحبؒ سے بڑی اُنسیت اور بے تکلفی تھی، جس کا موصوف بڑا پاس و لحاظ رکھا کرتے تھے، والد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی کی طرف سے بہت فکر مند رہے، اور برابر شرور و فتن سے حفاظت کی دُعا کرتے رہے، اب آخر میں مصروفیت کی زیادتی اور ضعف کی وجہ سے مدرسہ شاہی میں آمد و رفت تقریباً بند سی ہوگئی تھی، لیکن حالات سے پورے طور پر آگاہ رہا کرتے تھے، آنے جانے والوں سے دریافت کرتے رہتے، ملاقات پر مجھ سے بھی ضرور پرسشِ احوال کرتے اور دعائیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی قبر کو نور سے بھردے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، پسماندگان کو صبر عطا فرمائے، اور دارالعلوم دیوبند کو ان کا صحیح جانشین نصیب فرمائے، آمین۔ □□

# یہ تھے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ

**مفتی بلال احمد قاسمی**، صدر مدرس مدرسہ ناصر العلوم، کانٹھ، ضلع مرادآباد

پھر آج میکدہ سے ایک بادہ خوار اٹھا

سال کی ابتداء ایک حادثہ فاجعہ سے ہوئی خدا خیر کرے، ماہِ محرم الحرام کی پہلی تاریخ تھی، احقر راقم الحروف کانٹھ ہی میں جناب ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب کے مکان پر تھا اچانک مدرسہ کے ایک استاذ جناب مولانا سراج الدین صاحب کا فون آیا اور انھوں نے مجھ سے سوالیہ انداز میں کہا ''کیا دارالعلوم سے کوئی اطلاع ہے؟'' میں نے کہا نہیں تو، کیوں کیا بات ہے؟ انھوں نے نہایت ہی غمزدہ لہجہ میں کہا کہ حضرت مہتمم صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، میری زبان سے فوراً نکلا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ خبر تو غیر متوقع نہ تھی مگر دردناک، غمناک ضرور تھی، خبر اپنی اہمیت کے پیش نظروں و دماغ پر اثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، بہت سے خیالات پے درپے آتے چلے گئے بلا قصد وارادہ کے ذہن ان احوال و ایام کی طرف چلا گیا جن حالات میں قادرِ مطلق نے اپنی امانت دارالعلوم دیوبند کو اس امین و برگزیدہ انسان کے سپرد فرمائی تھی۔

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند نے اپنی صد سالہ روئیداد ایک مہتمم بالشان و عظیم الشان اجلاس کی شکل میں پیش کی تھی اور اس اجلاس نے عالمی شہرت اختیار کرلی تھی لیکن اس مؤقر تقریب کے بعد فوراً ہی دارالعلوم میں جو دلخراش اور نہایت تکلیف دِہ حالات پیش آئے تو دارالعلوم اپنے وجود اور عدم وجود کی کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا ناگفتہ بہ صورت حال سے دوچار تھا (وہ حالات اس وقت بیان کرنا مناسب نہیں) وہ دور راقم الحروف کی طالب علمی کا دور تھا، بہر حال خداوند قدوس نے دستگیری فرمائی اور محض اپنے فضل و کرم سے اس وقت کے پریشان کن و مایوس کن حالات سے نہ صرف نجات عطا فرمائی بلکہ دارالعلوم ایک ایسے امین کے حوالہ فرمایا جس کو وراثت نبوت سے یہ صفت امانت بطور خاص عطا فرمائی گئی تھی اور اس کا وافر حصہ اس شخص کے نصیب میں آیا تھا۔

۱۹۸۱ء میں اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کے سبب حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے امور اہتمام سے معاونت کے لیے ایک مددگار کا مطالبہ فرمایا تو مجلس شوریٰ کے اراکین گرامی قدر نے آپ کو ''معاون مہتمم'' منتخب فرمایا۔

جن حضرات نے وہ حالات دیکھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ وقت اور وہ احوال کسی ایسے ہی امین شخص کو منتخب کرنے کے متقاضی تھی۔

## آپ کی امانت داری

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ جب ''مہتمم دارالعلوم'' بنائے گئے تو آپ کی امانت داری کا احساس اس وقت ہوا کہ انھوں نے ایک پیسہ بھی دارالعلوم کا اپنی ذات پر خرچ نہ ہونے دیا اور پوری قوت سے دارالعلوم کے ایک ایک پیسے کی حفاظت کی مگر یہ وصف دیانت ان کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص پہلے ہی سے ودیعت فرمایا تھا، ۱۹۸۴ء کی بات ہے میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر جامع ناصر العلوم کانٹھ میں بحیثیت صدر مدرس مقرر ہوگیا تھا اور غالباً اس کے ایک ڈیڑھ سال بعد کی بات ہے کہ میں بغرض ملاقات سیوہارہ مولانا مقبول الرحمٰن صاحب کے پاس گیا ہوا تھا، کچھ لوگ مولانا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے دارالعلوم کا تذکرہ چل رہا تھا اس وقت ایک عالم شخص نے جنھیں میں جانتا بھی نہیں تھا یوں کہا ''سب کچھ ٹھیک ہے مولوی صاحب! مگر دارالعلوم کا مہتمم دارالعلوم کے شایان شان نہیں ہے'' مولانا مقبول الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا اور فرماتے ہوئے ذرا جذباتی ہوگئے کہ مولوی مرغوب ایسا دارالعلوم کی شایان شان ہے کہ پورے ہندوستان کے مولویوں میں اس سے زیادہ شایان شان نہیں ہوسکتا اور میاں تمھیں کیا معلوم؟ تم کیا جانتے ہو؟ مولوی مرغوب کو میں جانتا ہوں، اور پھر ایک واقعہ سنایا جو حضرت مہتمم صاحبؒ کے صاحبزادہ محترم نے بھی انتقال کے بعد ہم کو سنایا کہ ۱۹۶۰ء میں حضرت جب حج کے لیے گئے تو اس وقت پانی کے جہاز سے جانا ہوتا تھا اور ممبئی تک ٹرین سے سفر ہوتا تھا، اس سفر میں حضرت کے ساتھ کئی افراد اور بھی تھے، بمبئی ٹرین کا سفر جاری تھا، جھانسی کے اسٹیشن پر ٹرین رُکی، ساتھیوں کو چائے کی خواہش تھی تو حضرت مولانا بذات خود ٹرین سے اترے اور ایک کینٹین پر گئے وہاں سے دودھ، شکر، چائے کا پانی، الگ الگ لے کر ٹرین میں لے آئے اور چائے بنا کر سب کو پیش کی، ابھی چائے سے فارغ ہو ہی رہے تھے کہ ٹرین پلیٹ فارم سے روانہ ہونے لگی اور وہ کینٹین کے برتن ٹرین ہی میں رہ گئے اور کینٹین والے تک نہ پہنچائے جاسکے، حضرت مہتمم صاحب کو اس کا بڑا قلق ہوا اور برتن سنبھال کر رکھ لیے، گویا کہ اپنے سامان کی طرح محفوظ کرلیے اور پورے سفر میں وہ برتن اپنے پاس رکھے، کئی ماہ کے سفر کے بعد واپسی ہوئی تو اس فکر میں لگے رہے کہ یہ برتن اس کینٹین والے تک کیسے پہنچے؟ بہر حال بمبئی

سے جب ٹرین کا سفر شروع ہوا تو ٹرین پھر جھانسی رُکی تو آپ نے اسٹیشن پر اس کینٹین والے کو تلاش کر کے اس کے برتن اس کے حوالہ کئے اور اطمینان کا سانس لیا، دیکھئے! امانت و دیانت اس کا نام ہے اور یہ وصف تو حضرت مہتمم صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص ایسا عطا فرمایا تھا کہ جو لکھے گا یا بولے گا تو وہ اس کے تذکرہ کے بغیر آپ کا تذکرہ مکمل نہ کر سکے گا۔

**بلامعاوضہ واجرت خدمت دین**

خاص اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ نے وراثت نبوت سے آپ کو یہ صفت عظیم عطا فرمائی تھی کہ آپ نے جو بھی دینی خدمات انجام دیں ذرّہ برابر معاوضہ کا خیال بھی نہ فرمایا، جس طرح انبیاء علیہم السلام نے دین خداوندی کی تبلیغ واشاعت کے وقت اپنی اپنی قوم سے فرمایا تھا فرمایا: **ما اسئلکم علیہ من اجر** (میں تم سے اس پر کوئی اجرت اور بدلہ کا سوال نہیں کرتا) اس وارثِ نبوت (حضرت مہتمم صاحب) نے اپنی پوری زندگی انبیاء کی اس سنتِ عظیمہ کو نہ صرف مانا بلکہ کر کے دکھایا اور خود بھی دینی امور انجام دیئے، ان پر معاوضہ کا سوال تو کجا اگر کسی عمل سے یا اپنی کسی ذاتی خدمت سے یہ شبہ بھی پیدا ہوا کہ کہیں یہ میری خدمت کا بدلہ نہ بن جائے تو اس پر آنے والے خرچ کو اپنی جیب خاص سے ادا فرمادیا کرتے تھے اور شکوک وشبہات کا ازالہ فرمادیا کرتے، دارالعلوم کے تقریباً ۳۰ سالہ دور اہتمام میں اس کی بہت سی مثالیں ملے گی۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے آپ کو گھریلو مصروفیات اور کاشتکاری کی ذمہ داری کے لیے وقف کر دیا تھا مگر وضع قطع کے پابند اور نمازوں کی پابندی آپ کا طرہ امتیاز تھا، محلّہ کی مسجد میں آپ نے تقریباً پچیس سال تک بلامعاوضہ کے امامت کے فرائض انجام دیئے اور اس طرح اوقات کی پابندی فرمائی کہ تنخواہ دار امام کے لیے بھی اتنی پابندی مشکل ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین نامزد کئے گئے اور آپ پابندی سے مجالس شوریٰ میں شرکت فرماتے، دیوبند کا سفر اپنی گاڑی سے فرماتے اور دارالعلوم سے کبھی اپنی آمد و رفت کا کوئی پیسہ نہ لیتے تھے بلکہ ہم نے خود دیکھا کہ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں قیام کی بجائے حضرت مولانا محمود گل صاحب نگینویؒ ناظم تنظیم و ترقی دارالعلوم دیوبند کے مکان پر قیام فرماتے اور اکثر طعام بھی وہیں پر نوش فرماتے، اس شان کے ساتھ آپ نے بحیثیت رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی بلاکسی اجر کے خدمت انجام دی، ۱۹۸۱ء میں معاون مہتمم اور ۱۹۸۲ء میں مہتمم کے منصب جلیل پر فائز ہوئے تو وہاں کی انجام دہی کا انداز تو اظہر من الشمّس ہے کہ کتنی بیدار مغزی، امانت داری، وضع داری کے ساتھ بے لوث یہ خدمات انجام دیں ہیں، میں تو یہی کہتا ہوں کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے وراثت نبوت سے ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا، انبیاء علیہم السلام کی طرح اتباع میں یہی نمونہ پیش کر کے ایک طویل مدت کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہوئے ما اسئلکم۔

**ایثار و قربانی**

کون نہیں جانتا کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا تعلق بجنور کے ایک رئیس خاندان سے تھا اپنی عمر کے تقریباً ستّر سال ایک رئیسانہ انداز اور اعلیٰ درجہ کے آرام دِہ طریقے سے گزارے، ہر طرح کے عیش و آرام کے تمام تر اسباب میسر تھے مگر جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے تو دارالعلوم کے لیے ان تمام عیش و آرام کو چھوڑ کر دیوبند چلے گئے اور ایک معمولی سے آدمی کی طرح دارالافتاء واہتمام کی راہ گزر پر ایک چھوٹے سے کمرہ کو اپنی آماجگاہ بنالیا، آپ کی ساری دنیا اسی میں سمٹ کر رہ گئی، لوگوں کے بہت چاہنے اور اپنی جانب سے کمرہ میں کچھ آرام دِہ چیزوں کے اضافہ کرنے کے اصرار کو جن کی پیرانہ سالی کی وجہ سے ضرورت بھی تھی آپ نے یکسر مسترد کر دیا اور اس کمرہ میں جو کچھ تھا وہ آپ کے اپنی ذاتی پیسے سے تھا اور یہ بات تو زبان زد ہر خاص و عام ہے کہ اس کمرہ کا بھی حضرت مہتمم صاحب اپنی جانب سے کرایہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

**انابت الی اللّٰہ**

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا یہ خاص وصف بھی وراثت کے طور پر آپ کی زندگی میں خوب نظر آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس انابت الی اللہ کی برکت ہی سے باوجود خاموش طبع ہونے کے اتنی بڑی ترقی سے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو نوازا، جب کوئی ناخوش گوار بات یا واقعہ پیش آیا تو یہ مرد باصفا اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا۔ یہ تھی انابت الی اللہ کی کیفیت جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند تمام تر مصائب کو جھیل کر خوب ترقی کر رہا، اور اس خدا رسیدہ بزرگ عالم دین کی زیرنگرانی تعلیمی، تعمیری اضافہ روزافزوں ہوتا رہا:

جان کر منجملہ خاصان مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

**جزاہ اللّٰہ جزاء کبیر اعن سائر الامۃ الی مدۃ مدیدا، نوراللّٰہ مرقدہ و بردمضجعہ واعلی مراتبہ فی الاخرۃ، آمین یارب العالمین بجاہ سیدنا و مولانا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعلی جمیع الصحابۃ۔□□**

# خلوص ومحبت کا پیکر تھے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ

مفتی محمود زبیر قاسمی، حیدرآباد

دارالعلوم دیوبند میں واقع اخلاص کے تاج محل مسجد رشید میں سب کے ساتھ نماز کی غرض سے چلا جارہا تھا، طالب علمی کا دور، اپنے میں مگن، احساس ہوا کہ پیچھے چلنے والے اب کوئی رہے نہیں، کچھ تجسس میں پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعتاً کوئی بھی پیچھے نہیں ہے، ہر چلنے والا راستہ چھوڑے بازو ٹھہرا ہوا ہے، نظر کچھ بلند ہوئی تو دیکھا کہ سفید ریش، سفید لباس میں ملبوس، ہاتھ میں عصا، نگاہیں نیچی، نحیف اور لاغر، کسی حد تک آگے کی جانب جھکے ہوئے، بارعب چہرہ، قدم خود بہ خود رکنے لگے اور دل چاہا کہ اس نورانی چہرہ کو کچھ قریب سے دیکھوں، دیوبند کی سرزمین پر یہ میرا پہلا دیدار تھا اس مرد درویش کا جس کی خوبیاں ہر موافق ومخالف کی زبان زد تھیں، جسے دنیا دین کے ایک بے لوث، خاموش مزاج خادم، بہترین مدبر اور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے جانتی تھی، آج ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز چہارشنبہ صبح گیارہ بجے کے قریب یہ افسوسناک خبر ملی کہ یہ مرد درویش بہترین مدبر ومنتظم آدھا گھنٹہ قبل دار فانی سے کوچ کر گیا، اللہ نے بلانے کے لیے انتخاب کیا بھی تو ماہ محرم کا جو فضیلتوں، برکتوں اور رحمتوں کا خزینہ ہے، اور دن کا انتخاب کیا بھی تو چہارشنبہ کا جس میں شروع کیا جانے والا ہر کام کامیابی اور سعادتمندی کی سوغات اپنے دامن میں سمیٹ لاتا ہے، فال نیک ہے کہ ہونے والا سفر آخرت بھی سرخروئی اور کامرانی سے عبارت ہوگا، بلند سے بلند مرتبوں اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجات تک رسائی ہوگی۔

عالم اسلام کے اس ممتاز عالم دین، امیرالہندؒ ومہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے ۱۹۱۴ء میں آنکھیں کھولیں، یہ دور ہندوستان کی غلامی کا دور تھا، ایک ایسا وقت تھا جس میں ہندوستانی مسلمان اور علما انگریزوں کے ظلم وستم کا پہلا ہدف تھے، ہر طرف ایک نئے انقلاب کی آوازیں اٹھ رہی تھیں، ملک کے ممتاز علما پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، ادھر عالم اسلام کی آخری اتحادی شکل خلافت عثمانیہ کے زوال کی کاوشیں بھی جاری تھیں مگر اس نومولود کے والدین نے اپنے لخت جگر کے لیے انتخاب کیا تو اسی پر خطر راہ کا، مولویت کا، اور اس کو بھی مدرسہ کے حوالہ کیا گیا، تعلیم کی منزلیں طے کرتا یہ نونہال مرکز انقلاب دارالعلوم دیوبند کی دہلیز تک آپہنچا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تلمیذی نصیب میں آئی، اساطین علم وفضل کی خوشہ چینی کرتا تقویٰ، تواضع، تدبر اور حلم وبردباری کا یہ حسین وجمیل پیکر ۱۹۳۲ء میں علوم دینیہ کے نصاب کی تکمیل سے فارغ ہوا۔

فراغت کے بعد بھی مادر علمی سے تعلق برابر رہا، اپنے آبائی موضع بجنور میں خدمت دین اور اشاعت اسلام کی کاوشوں میں مگن ہوگئے، اکابر کی نظر انتخاب نے اس ہیرہ کو پہچان لیا تھا، دارالعلوم سے باضابطہ رابطہ کی بنیاد پڑی اور ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم کی شوریٰ کے جو ملک کے قدآور، علمی، دینی اور دعوتی میدان کی نمایاں شخصیات پر مشتمل ہوا کرتی ہے رکن نامزد کئے گئے، ورع وتقویٰ میں طاق، حرام ومشتبہ اشیا سے دور، جب کبھی دارالعلوم کی دعوت پر مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے تشریف لاتے، جو سال بھر میں ایک آدھ بار منعقد ہوتی رہی ہوگی، تو کھانا مدرسہ کے بجائے اپنے رشتہ دار مولانا گل محمدؒ کے یہاں تناول فرماتے، کام مدرسہ کا ہو، بلایا مدرسہ کے لیے جارہا ہو، کھانے میں کوئی شرعی حرج نہیں، اور ادارہ دارالعلوم دیوبند جیسا جہاں آمد اور مصارف کا پورا خیال رکھا جاتا ہے، کوئی آمد اس کے مد سے ہٹ کر خرچ نہ ہو مگر پھر بھی اپنے کھانے کا خود اہتمام، ملک کے قابل قدر، دانشور، اصحاب نسبت اور جبال علم پر مشتمل دارالعلوم کی شوریٰ نے ۱۹۸۱ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کو معاون مہتمم منتخب کیا، دارالعلوم کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ دور کس درجہ نازک تھا، دارالعلوم نے اپنے قیام کے بعد سے اس وقت تک کبھی اس قدر نازک حالات کا سامنا نہ کیا۔ ہر طرف افراتفری اور انتشار کا ماحول، ہر شخص اپنی رائے پر قائم؛ طلبا، اساتذہ، انتظامیہ ہر کوئی اختلاف رائے کا شکار، ایسے نازک دور میں آپؒ کا انتخاب بجائے خود مقبولیت کی دلیل ہے، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنے اس انتخاب کی لاج بھی رکھی، مختلف آزمائشوں اور مسائل کے شکار دارالعلوم کو بحرانی کیفیت سے نکالنے میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی فراست، معاملہ فہمی، تدبر اور اعلیٰ حوصلگی کا بڑا دخل تھا، دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ اور اس کو مسائل سے نکالنے میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمات قدر کے ہاتھوں تاریخ کا حصہ بنیں گی، حضرت مہتمم صاحبؒ انتہائی متواضع، خورد نواز، اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور ادراک رکھنے والے اور ملت اسلامیہ کے تئیں حساس دل کے مالک تھے۔

ذمہ داریاں بڑھتی ہی گئیں، نوبت اپنا کام کاج چھوڑ، مستقل دارالعلوم کے لیے وقت دینے کی آئی، چشم فلک منتظر ہے کہ دیکھیں اس پیکر اخلاص وتقویٰ کا عمل اب کیا ہوگا؟ کبھی اجلاس شوریٰ میں شرکت کے لیے آکر اپنا کھانا خود کھانے والے، اب دارالعلوم کے لیے مستقل ہوکر کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں مگر یہ کیا کہ حق الخدمت (تنخواہ) لینے سے انکار کر دیا اور جب نوبت آئی دارالعلوم

دیوبند کے احاطہ میں رہنے کی تو شاید مال سے بے اعتنائی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی تاریخ قلمبند کرنے والے مورخ بھی حیران وششدر چودھویں صدی کے اس متقی کا واقعہ لکھ رہے ہوں کہ خود اپنے ہی پیسہ سے دارالعلوم کے احاطہ میں کمرہ بنوایا اور پھر کرایہ کے پیسے بھی ہر ماہ دارالعلوم میں جمع کیے جارہے ہیں، آج کے اس دور میں جبکہ ہر طرف غبن، دھوکہ دہی، مالیہ میں خرد برد کے وقعات گشت کررہے ہیں کیا یہ کرامت سے کم ہے؟ باورچی خود اپنا ہوتا، پکوان ذاتی پیسوں سے ہوتا، خادم کی کفالت بھی خود ہی فرماتے، مہمانوں کے اخراجات خود برداشت کرتے، رات دن طلبائے دارالعلوم کی راحت رسانی کی فکر، اس کی ترقی اور ہر فتنہ سے اس کی حفاظت کی کاوش مگر ادارہ کا ایک روپیہ بھی روانہیں، خود ہی جمع کروارہے ہیں، بےلوث خدمت دین! اولئك آبائی فجئنی بمثلهم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیدار مغز، متیقظ اور دور اندیش نگاہ کے حامل، بارعب اور ہردلعزیز شخصیت کے مالک تھے لیکن دیگر اکابر کے مقابلہ آپ کے اسفار بہت کم ہوتے، بہت کم کسی جگہ آنا جانا ہوتا، دیوبند میں قیام کے دوران اپنے آبائی وطن بجنور تشریف لے جاتے، اور کچھ دن قیام کے بعد پھر دارالعلوم تشریف لے آتے، یہ خوش نصیبی ہے شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے جنوبی ہند کی ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم رحمانیہ کی دعوت پر یہاں قدم رنجائی فرمائی، بڑی خوشی اور مسرت کا سماں تھا، اس موقع سے شہر کی تاریخی مکہ مسجد میں جلسہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔

ہم نے دور طالب علمی میں بارہا ہمسروں، بڑوں اور بہت سوں سے سنا کہ دارالعلوم جب کبھی مالی بحران کا شکار ہوا اس کسان نے اپنی زمین بیچ کر اس ادارہ کے انتظامات کی تکمیل کی، خیال ہوا کہ پیسے آنے کے بعد پابجائی کرلی ہو، سوچ ہماری تھی نا! مگر حیرانی ہوئی کہ اس خرچ کیے ہوئے کی طرف غلطی سے بھی نگاہ نہ اٹھی، ان سب کے باوجود احسان کا شائبہ تک نہیں، بلا کی تواضع اور فروتنی، خدا کو اپنے بندے کی شاید یہ ادائیں پسند آئی ہوں، پھر دارالعلوم نے بھی ان کے دور میں وہ ترقی کی کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے، تعمیرات ایسی کہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک جائیں، پھرتے پھرتے قدم جواب دیدیں، ہر شعبہ مستقل کردیا گیا، تعلیمی سطح پر بھی غیر معمولی اصلاحات دیکھنے کوملیں، ہزاروں طلبہ ہر سال اس کے دامن تربیت سے فیضیاب ہورہے ہیں، دوسری طرف عالمی سطح پر دشمنان اسلام کی دینی مدارس کے خلاف یورشیں، ان مستشرقین کے لیے تو مادر علمی دارالعلوم دیوبند ان تمام کی اساس اور بنیاد تھی، ہر صبح ایک نئی شرارت کے ساتھ نمودار ہوتی، اس کے کردار کو مسخ کرنے اور اس کے اعتبار کو مجروح کرنے کی کوششیں کی گئیں، الکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا جنہیں یقیناً بیرونی سہارا بھی تھا، اس کو کبھی دہشت گردی کا اڈا بتانے اور کبھی ملک مخالف سرگرمیوں کا ذمہ دار بتانے کی کوشش کرتے، عالم اسلام میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اس کے دارالافتاء کو بھی نئی ٹیکنکوں کے سہارے ویڈیوز کی کانٹ چھانٹ کرکے مجروح کرنے کی کوشش کی گئی، اور آج تک بھی ہر چند دن بعد میڈیا اس کے ریکارڈ میں سے کوئی ایک فتوی نکال کر ایسے انداز میں پیش کرتا ہے جیسے اس کو آج ہی حاصل کیا گیا ہو، اور فتاویٰ بھی معاملات سے متعلق! مفتیان اور ارباب افتا جانتے ہیں کہ ان میں حالات کے اعتبار سے احکامات بھی بدلتے رہتے ہیں مگر انہیں سمجھائے کون اور سمجھنا چاہے کون؟ حالات کے زیروزبر ہونے اور موج در موج آنے والے مسائل کو یہ مرد خدا بحسن وخوبی انگیز کرجاتا، اور دارالعلوم پر آنے والی ہر آنچ کا پامردی، بردباری اور فہم وتدبر کے ساتھ مقابلہ کرتا۔

مگر آج یہ عظیم ایڈمنسٹریٹر، اکابر کی یادگار، تقوی اور پرہیزگاری کا مجسم پیکر ہمیشہ کے لیے دار فانی سے کوچ کر گیا، شدید علالت کی وجہ سے اپنے آبائی مقام بجنور ہی میں قیام پذیر تھے، پسماندگان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، ان کے فرزند مولانا انوارالرحمٰن صاحب کے مطابق کچھ دن سے مستقل بخار بھی تھا، وفات کے بعد نماز جنازہ ان کے آبائی وطن بجنور میں مدرسہ شاہی مرادآباد کے مفتی حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب نے ادا فرمائی، بعد ازاں جنازہ دیوبند لایا گیا اور احاطہ مولسری میں نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد رات دیر گئے مزار قاسمی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات کی خبر جیسے ہی عام ہوئی بالخصوص علما اور مدارس اسلامیہ سے وابستہ افراد میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی گئی ہو، کارگزار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم اور دیوبند سے وابستہ افراد کے لیے یہ بہت بڑا حادثہ ہے، حضرت مہتمم صاحبؒ دارالعلوم اور دیگر کئی اداروں کے لیے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے، حضرت مہتمم صاحبؒ کی بار بار معذرت اور اپنی پیرانہ سالی کے عذر کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کو کارگزار مہتمم نامزد کیا تھا مگر عجیب اتفاق کہ ان کی وفات ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ہوئی، اور دارالعلوم ابھی سنبھل کر کچھ فیصلہ کرتا کہ اس کے دو ماہ بعد حضرت مہتمم صاحب بھی سپرد خاک کردیے گئے۔ دارالعلوم سے وابستہ حلقوں میں بےچینی کی کیفیت ہے، ایک غیر یقینی صورتحال کا سامنا ہے، ہر شخص دھڑکتے دل کے ساتھ دعاگو ہے کہ اللہ رب العزت ملت کی امانت، اکابر کی یادگار، ملت اسلامیہ کے نقیب، تحریک آزادئ ہند کے مرکز انقلاب دارالعلوم دیوبند کی ہر فتنہ اور آزمائش سے حفاظت فرمائے۔ (آمین) □□

# دلوں پر قائم رہے گا
# مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی معصومیت کا نقش

اشرف عثمانی (دیوبند)

عالمی شہرت یافتہ دارالعلوم دیوبند کے معمر اور بزرگ مہتمم امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کا ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء کی صبح بجنور میں ان کی رہائش گاہ پر انتقال ہو گیا تھا، اسی روز دیوبند کے قبرستان قاسمی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ دارالعلوم دیوبند کے در و دیوار اور درسگاہیں آج بھی اپنے سربراہ کے چلے جانے پر ماتم کناں ہیں۔ امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن کی شخصیت دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک عظیم نعمت اور مثالی سربراہ کا درجہ رکھتی تھی، انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ۱۹۸۲ء کے بعد پیدا ہوئے سخت ترین حالات اور عبوری دور سے باہر نکالا، ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے مثالی ترقی کی ہے، انھوں نے ایشیا کی سب بڑی ''مسجد رشید'' تعمیر کرائی اور ان کے ہی دور میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں معیاری انگلش کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات شامل کئے گئے اور ان کے لیے باضابطہ شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔

تحفظ ختم نبوت اور رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مہم مولانا مرغوب الرحمٰن کے اہم کارناموں میں شمار کئے جاتے ہیں، دارالعلوم کی توسیع ان کے دورِ اقتدار میں چار گنا ہوئی ہے، ان کے دورِ اقتدار کی خاص بات یہ رہی کہ طلباء وملازمین ان سے ہر طرح مطمئن رہے اور ان کے کم وبیش ۳۰ سالہ دورِ اقتدار میں کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ مولانا کے بارے میں یہ سب جانتے ہیں کہ وہ دارالعلوم کے مفاد میں جو فیصلہ لیتے تھے وہ حتمی ہوتا تھا، ان کے سامنے دارالعلوم کے مفاد کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہوتی تھی، قابلِ ذکر ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰن دارالعلوم دیوبند کے وہ واحد مہتمم رہے جنھوں نے مغربی دنیا میں بھی بڑی شہرت حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند کو شہرت ومقبولیت کی نئی بلندیاں عطا کیں، عالم اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سب سے پہلے انھوں نے امریکہ کو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک قرار دیا، مولانا نے دارالعلوم کو ہمیشہ سیاست سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔ ان کے دورِ اقتدار میں کسی بھی قسم کا کوئی سیاسی رجحان دارالعلوم سے وابستہ نہیں رہا، جمعیۃ علماء ہند میں پیدا ہوئے اقتدار کے تنازع کو بھی انھوں نے آخری حد تک حل کرنے کی کوشش کی، ایک بزرگ کے طور پر انھوں نے ثالث کا کردار بھی ادا کیا، تاہم وہ امیر الہند ہونے کے باوجود اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے، جس کے نتیجہ میں انھوں نے اس تنازع کی آنچ سے دارالعلوم دیوبند کو بچانے کے لیے سخت ترین انتہائی اقدامات کئے اور دارالعلوم میں اہم منصبوں پر فائز متصادم دونوں گروپوں کے افراد کو ان کے اہم مناصب سے برطرف کر دیا اور دارالعلوم دیوبند کو جمعیۃ کے تنازع سے پاک رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ حتیٰ کہ مجلس شوریٰ سے یہ تجویز منظور کرائی کہ جمعیۃ علماء اور دارالعلوم دیوبند میں کسی ایک منصب پر ہی کوئی رہ سکتا ہے۔ اس طرح دارالعلوم اور جمعیۃ علماء ہند میں محفوظ فاصلہ قائم کر دیا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن اپنی تہذیب وروایات اور اقدار کے لحاظ سے جس قدر خلیق، متواضع اور حلم مزاج وہمدردی کا جذبہ رکھنے والے تھے اسی قدر دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور اور مفاد دارالعلوم میں لیے گئے فیصلوں کو نافذ کرنے میں سخت گیر بھی تھے، جس کے سبب وہ کئی بار ہدف تنقید بھی بنے لیکن دارالعلوم دیوبند کے تحفظ اور اس کے فروغ کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ دارالعلوم کا مفاد ان کے یہاں ہر اعتبار سے مقدم تھا۔

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ ایام طفلی سے ہی بیشمار خوبیوں اور ہمہ صفت وہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے، ان کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتی ہے، مولانا کا پورا خانوادہ علم پرور رہا ہے، مولانا کو رئیس بجنور وصاحب ثروت ہونے کا شرف بھی حاصل تھا، ۱۹۱۴ء میں بجنور شہر کے علمی خانوادہ میں آپ کی ولادت ہوئی، درس نظامی کی ابتدائی تعلیم ''مدرسہ رحیمیہ'' بجنور میں حاصل کی، تعلیم کے باقی کے تمام مراحل انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں طے کیے، ۱۳۴۷ھ، مطابق ۱۹۲۹ء کو انھوں نے دارالعلوم میں باضابطہ داخلہ لیا۔ ان کا شمار شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین مدنیؒ کے خاص تلامذہ میں ہوتا ہے۔ مولانا نے دارالعلوم دیوبند

سے ’’تکمیل الافتاء‘‘ تک کی تعلیم حاصل کی، وہ خود ایک جید عالم اور مفتی تھے تاہم انھوں نے درس و تدریس کے بجائے انتظامی امور کو زیادہ فوقیت دی، آپ کے خانوادہ کا تعلق ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے رہا ہے۔ اراکین شوریٰ نے اسی خاندانی دیرینہ تعلق اور مولانا کی دوراندیشی اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا تھا، مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے مولانا مرغوب الرحمٰن کی تجاویز ہمیشہ قابلِ قدر رہی ہیں، اسی کے پیشِ نظر جب اس وقت کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو ایک معاون مہتمم کی ضرورت پیش آئی تو مجلس شوریٰ نے ۱۹۸۱ء میں اس منصب پر مولانا مرغوب الرحمٰن کا انتخاب کیا، ۱۹۸۲ء کے انقلاب کے بعد مجلس شوریٰ نے مولانا کو باضابطہ منصب اہتمام پر فائز کیا، تادمِ آخر مولانا مرغوب الرحمٰن دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے بلاتنخواہ و بلامعاوضہ خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا نہ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ یا اپنی کسی خدمت کا معاوضہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی جیب خاص سے اس ادارے کو ایک خطیر رقم عنایت کرتے تھے اور یہاں رہنے کے دوران بجلی، پانی اور طعام وغیرہ کے مصارف اپنی جیب خاص سے برداشت کرتے تھے۔ ۲۰۰۶ء میں مولانا سیّد اسعد مدنی کے انتقال کے بعد مولانا مرغوب الرحمٰن کو ان کی جگہ امیرالہند کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن اپنی طبیعت اور ظاہری وضع قطع کے لحاظ سے ایک سادہ لوح انسان تھے اور اسلاف کا نمونہ تھے، دیانت و امانتداری کا جذبہ ان کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھا، مذہبی امور میں نہایت معتدل مزاج واقع ہوئے تھے۔ مسلکی تنازعات سے اجتناب کرتے تھے اور اتحاد بین المسلمین کو پسند کرتے تھے البتہ قادیانی جیسے تمام باطل فرقوں کے خلاف دارالعلوم دیوبند کی تحریک کو انھوں نے جلابخشی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف فتویٰ جاری کرانا اور دہشت گردی مخالف کانفرنسوں کا کل ہند پیمانہ پر انعقاد کرانا اور اس میں تمام مسالک ومکتب فکر کے افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لینا مولانا مرغوب الرحمٰن کے تاریخ ساز کارناموں میں سے ایک ہے۔

دارالعلوم دیوبند اسلام دشمن عناصر اور فرقہ پرستوں کی نظر میں اسلام کے ایک مضبوط قلعے کی حیثیت رکھتا ہے جس کو تسخیر کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ایک زمانے میں ’’طالبان سے وابستگی‘‘ کے عنوان پر انٹرنیشنل میڈیا نے ادارہ کو دفاعی پوزیشن میں کھڑا کر دیا اور دارالعلوم میں بین الاقوامی اخبارات اور نیوز چینلوں کے نمائندوں کا جمگھٹ رہتا تھا اور ایک مہتمم وسربراہ کی حیثیت سے مولانا مرغوب الرحمٰن اپنی روایتی سادگی کے ساتھ جواب دیتے رہتے اور مطمئن کرتے رہتے تھے۔ مسلم قائدین میں سب سے پہلے انھوں نے اپنی ’’آفیشل بائیٹ‘‘ کے ذریعہ بی بی سی کے نیوز چینل پر امریکہ کو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک اور دہشت گردی کا منبع قرار دیا۔ مولانا کے اتنا کہتے ہی دنیا بھر سے یہ صدا بلند ہونے لگی۔ مولانا مرغوب الرحمٰن میڈیا کے نمائندوں سے مدلل گفتگو کرتے تھے اور سامنے والے کو لاجواب کرنے کے ساتھ ساتھ سنجیدہ غوروفکر کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے چند اسلام دشمن اور فرقہ پرست اخبارات اور چینلوں کو چھوڑ کر بیشتر کے ذہن صاف ہوگئے اور وہ دارالعلوم کے حق میں مثبت یا کم ازکم معتدل رپورٹنگ کرنے لگے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ معمر اور بزرگ شخصیت اپنے ظاہر سے ایسی نہیں لگتی تھی کہ میڈیا کی یلغار کا مقابلہ کرسکے لیکن سچ یہ ہے کہ ان کے مطالعے، مشاہدے اور فکری گہرائیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن کم وبیش تین ماہ سے ضعف وعلالت کے سبب صاحب فراش تھے، عربی سال کے پہلے دن یعنی یکم محرم ۱۴۳۲ کی صبح ۱۰:۳۰ بجے بجنور میں اپنی آبائی رہائش گاہ پر انھوں نے آخری سانس لی۔ مولانا کے پسماندگان میں ان کے صاحبزادے مولانا انوارالٰہی اور ایک صاحبزادی موجود ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن کا جسد خاکی بعد نماز عصر بجنور سے دیوبند کے لیے روانہ ہوا، جہاں بعد نماز عشا ان کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ مولسری میں ادا کی گئی۔

مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند ایک سنجیدہ، متین اور مخلص قائد سے محروم ہوگیا۔ سردست کوئی ایسا قائد نظر نہیں آتا جس پر تمام مختلف نظریات کے حامل افراد کا اتفاق ہوسکے۔ دراصل جمعیۃ علماء ہند کی تقسیم کے نتیجے میں علماء کا طبقہ بھی مختلف گوشوں میں تقسیم ہوچکا ہے۔ مآل کار دارالعلوم دیوبند میں اقتدار کی رسہ کشی تیز ہونے کے آثار پیدا ہوگئے ہیں۔ گرچہ چند ارکان شوریٰ نے سردست مولانا محمود مدنی کے نزدیکی مانے جانے والے مولانا مفتی ابوالقاسم بنارسی کو عارضی طور پر اہتمام کا چارج سونپ دیا ہے۔ □□

# پیکرِ زہد وغنا حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا سفرِ آخرت

مولانا سیّد محمد راشد علی، مبلغ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی شہرت یافتہ دینی ادارہ ہے جس کے نصاب تعلیم وطرزِ تعلیم کو سامنے رکھ کر نہ صرف ہندوستان بلکہ پڑوسی ملکوں پاکستان بنگلہ دیش اور افغانستان وغیرہ میں اسی انداز کے مدرسے طلباء کو تعلیم وتربیت دے رہے ہیں۔ اس ادارے کے مہتمم اوصاف حمیدہ اور عالمی حیثیت کے مالک رہے ہیں ان میں سب سے پہلے حاجی سیّد عابد حسین صاحبؒ دیوبندیؒ ۱۸۶۶ء سے ۱۸۶۷ء تک اس کے مہتمم رہے خیال رہے کہ یہ ادارہ ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء کو دیوبند کی چھتہ مسجد میں ایک انار کے درخت کے نیچے شروع ہوا تھا یوں تو حاجی عابد صاحبؒ ۱۸۹۲ء تک منصبِ اہتمام پر فائز رہے درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے علیحدہ بھی رہے جس عرصہ میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس منصب کو سنبھالا ان کے علاوہ حاجی فضلِ حق دیوبندیؒ مولانا منیر احمد صاحبؒ، مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بھی اس منصب پر فائز رہے۔ حکیم الاسلام، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ایک عظیم المرتبت اور عالمی شہرت یافتہ عالم دین تھے آپ کے بعد مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو مہتمم مقرر کیا گیا لیکن ابتداء میں آپ کے کمالات اور آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں سے عوام الناس اور خواص بے خبر تھے۔ آپ ایک خاموش طبع انسان تھے اس لیے اکثر لوگ اس تقرری کو حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے مقابلے کمتر سمجھ رہے تھے لیکن آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں جس طرح اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اُجاگر کیا ان کی تفصیل بیان کرنے کے لیے محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ آپ کا فہم وتدبر اور انتظامی صلاحیت جس طرح منظرِ عام پر آئی اس سے ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔

آہ! وہ تمام خوبیوں اور کمالات کا پیکر دارالعلوم دیوبند کا سربراہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء بمطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز بدھ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) لیکن آپ نے اس عالمی ادارہ کی تعلیمی تعمیری اور فلاحی خدمات اس انداز پر انجام دلائیں کہ وہ اعلیٰ صلاحیت کا مظہر تھیں۔ آپ تقریباً ۳۰؍سال دارالعلوم میں بطور مہتمم رہے آپ ۱۹۱۴ء میں بجنور کے ایک دیندار رئیس گھرانے میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والدِ محترم مولانا مشیت اللہ صاحبؒ بھی دارالعلوم کے فاضل تھے، اس طرح دارالعلوم سے آپ کا خاندانی تعلق ابتداء سے ہی تھا۔ خاندانی اعتبار سے آپ زمیندار اور رئیس تھے۔ آپ کو ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم کی شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا۔ اراکین شوریٰ میں بھی آپ کا مقام ممتاز اور آپ کی شخصیت محترم رہی، جس کے نتیجے میں آپ کو ۱۹۸۱ء میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا معاون بنایا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں مجلسِ شوریٰ نے آپ کو مستقل طور پر دارالعلوم کا مہتمم بنا دیا اور آپ آخری سانس تک اس منصب پر رہتے ہوئے بحسن وخوبی دارالعلوم کی خدمات بجا لاتے رہے۔

آپ کے دور میں تعمیراتی منصوبے بھی بڑی تیزی سے پورے کیے گئے جن کی فہرست بڑی طویل ہے پھر بھی شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ اور حکیم الامتؒ جیسے اکابرین سے بہت سی عمارتوں کو منسوب کیا گیا مزید برآں جامع رشید کی تعمیر نے دارالعلوم کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے اس کے علاوہ لائبریری آٹھ منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد بھی آپ کے دور کی قابلِ فخر یادگار ہے دارِ جدید کی قدیم عمارت کی تجدید وتوسیع بھی آپ ہی کے دور میں شروع ہوئی اور یہ کام تیزی سے آگے بڑھا جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے قیام کی سہولتیں بآسانی فراہم ہوجائیں گی آپ کے دور میں تعلیمی اعتبار سے بھی کافی ترقی ہوئی ہے اور بہت سے ضروری نئے شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ آپ نے عصری تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھا جس کے لیے آپ نے کمپیوٹر میں طلباء کو تربیت دینے کے لیے الگ سے ایک شعبہ قائم کردیا اور آج کل انگریزی ہر شخص کی ضرورت بنتی جارہی ہے اس خیال کے پیشِ نظر آپ نے انگریزی تعلیم دلانے کے لیے الگ سے کلاسوں کا اہتمام کیا آپ کے ابتدائی دورِ اہتمام میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ بھی آدھے کروڑ کے قریب تھا جو کہ بڑھتے بڑھتے آج ۱۶ کروڑ سے بھی متجاوز ہوچکا ہے۔ آپ نے شیخ الہند اکیڈمی کے توسط سے تصنیف وتالیف کا آغاز فرما کر اس صنفِ سخن میں رغبت رکھنے والے طلبہ کی تعلیم وتربیت کا معقول نظم کیا اور اسے بڑی سرعت سے بام عروج پر پہنچایا، جس شعبہ سے مستفیض ہوکر بہت سے افراد میدانِ عمل میں آج اپنا مقام بنا چکے ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے حوالے سے اس حقیقت کو جاننا ضروری ہے کہ آپ کو جن نامساعد حالات میں منصبِ اہتمام سونپا گیا وہ ایک

بڑی آزمائش کا دور تھا، مگر آپ کی بردباری اخلاص وللّٰہیت زہد وتوکل، جوانمردی اور پامردی نے آپ کو بدرجہ اتم یہ حوصلہ دیا کہ بیدار مغزی اور تدبر سے آپ نے اس ادارے کی علمی فضا کو ہر قسم کے اختلافی موضوعات اور متنازعہ نظریات سے شفاف رکھنے میں قدم قدم پر اپنی بھرپور صلاحیتوں اور حسن تدبر کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ نے اسے کسی ایک سیاسی جماعت سے نہیں جوڑا حالانکہ سیاسی لوگ قریب قریب روزانہ ہی آتے رہے اور آپ سے تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ آپ ان کا خیر مقدم ضرور کرتے مگر دارالعلوم کو ان کے سیاسی مضمرات سے دور رکھتے، چنانچہ ہر قومی ملی مسائل کے حل کے حوالے سے بیانات دیتے مگر وہ کبھی بھی تنازعہ کا موضوع نہیں بنے۔

آپ نے رابطۂ مدارس اسلامیہ کا نیا شعبہ قائم کیا جس کے ذریعہ جملہ مدارسِ اسلامیہ سے دارالعلوم کو وابستہ رکھا اگرچہ وہ تقریر کرنے کے عادی نہ تھے مگر وہ مختلف الخیال لوگوں سے تبادلۂ خیال ضرور کرتے آپ کے افکار و خیالات آپ کی دوراندیشی اور تدبر معلومات عامہ کا ذخیرہ تھے۔ آپ جب تک صحت مند رہے اور چلنے پھرنے میں کوئی وقت محسوس نہیں کرتے تھے اس وقت تک آپ ہر تعمیر کو بنظرِ خود بغور معائنہ فرماتے اور موقع پر موجود ٹھیکیداروں اور معیاروں سے تبادلۂ خیال کے دوران ان کو مفید اور کارآمد مشورے دیا کرتے۔ اس طرح سے وہ ہمہ وقت دارالعلوم کی تعلیمی اور تعمیری مشاغل سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کا طرزِ زندگی بہت سادہ تھا آپ جس کمرے میں مقیم تھے اس میں دورِ جدید کے آلات آشائش (اے سی وغیرہ) بھی نہ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسم کی سختیاں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کے عادی تھے۔

آپ جس وقت بسبب ضعیف العمری بہت سے مسائل سے دوچار تھے، آنے والے خیریت دریافت کرتے، جواب میں مزاحاً فرماتے کہ بڑھاپے کے مزے لے رہا ہوں۔ اس طرح کے جملوں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہر بلا ومشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا فن جانتے تھے۔ دارالعلوم کے پیسے کو بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ کفایت شعاری آپ کی ضرب المثل بن گئی تھی۔

آپ کی بےلوث خدمات کی بڑی طویل فہرست ہے۔ آپ تحفہ تحائف اور ہدایا کے قبول کرنے کے بھی عادی نہ تھے یہاں تک کہ اگر کوئی بے حد اصرار کرکے ہدیہ لینے پر مجبور بھی کرتا تو بروقت قبول کر لیتے مگر بعد میں دارالعلوم کے خزانے میں اس کو جمع کرادیتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ راقم الحروف کے علم میں ہے کہ آنے والے شخص نے ایک بیش قیمت قلم اصرار کرکے پیش کیا۔ اس کے جانے کے بعد اس قلم کو دارالعلوم کے خزانے میں جمع کرا دیا۔ آپ جیسے مثالی شخصیت اس دور قحط الرجال میں خال خال نظر آئے گی۔ بہرطور وہ دارالعلوم کو خوشحال دیکھنا چاہتے تھے مدرسین ومبلغین کے توسط سے ملک و بیرون ملک میں اسلام کی ترویج و اشاعت سے بھی آپ کو گہرا لگاؤ تھا۔ بیرون ملک سے آپ کو بھی دعوت نامے آتے مگر آپ قبول نہ فرماتے حتی کہ رابطہ عالمی اسلامی کی جانب سے مسلسل آپ کو دعوت دی جاتی رہی مگر شروع میں دارالعلوم کی مصروفیات اور اخیر میں بسبب ضعیف العمری آپ عذر پیش کرتے رہے البتہ کہیں سے زیادہ اصرار ہوا تو اپنے صاحب زادے مولانا انوارالرحمٰن صاحب کی معیت میں کچھ اسفار کیے۔ اسی طرح کا ایک سفر رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی کی دعوت پر ہوا۔ دارالعلوم میں آنے والے اخبار نویس نامہ نگار ٹیلی ویژن کے چینلوں کے نمائندے جب آپ سے ملاقات کرتے تو وہ لوگ بہت زیادہ متاثر ہوتے جس کا اظہار وہ لوگ یہ کہہ کر کرتے کہ حضرت کو عالمی حالات سے بھی بخوبی آگاہی ہے۔

یوں تو حضرت کی وفات بجنور میں ہوئی مگر ارباب دارالعلوم اور مولانا ارشد مدنی اور مولانا محمود مدنی کے مشورے اور اصرار پر آپ کے جسد خاکی کو دیوبند لایا گیا آپ کی مقبولیت کی ہی علامت تھی کہ جگہ جگہ آپ کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی جس کی وجہ سے دیوبند تک آنے میں کافی وقت لگا جہاں عقیدت مندوں کا بے پناہ ہجوم تھا آپ قبرستان قاسمی میں سپرد خاک کئے گئے اور اگلی صبح مسجد رشید میں آپ کی یاد میں تعزیتی جلسہ ہوا جس میں اساتذہ کرام اراکین شوریٰ دارالعلوم نے آپ کی ذات گرامی کی خوبیاں گنوائیں اور دیوبند ہی نہیں بلکہ پورے اترپردیش یہاں تک کہ ملک کے کونے کونے میں آپ کے لیے تعزیتی جلسے ہوتے رہے اور دارالعلوم دیوبند میں اظہار تعزیت کرنے کے لیے سیاسی، سماجی اور ملکی وغیر ملکی حضرات بالخصوص سعودی عربیہ سے وفود تو ابھی تک آ رہے ہیں۔

مختصراً یہ کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اس دنیا میں نہیں رہے مگر آپ کی صفات عالیہ کے حوالہ سے علماء، دانشور، سیاستداں اور خدمت خلق کو شیوہ بنانے والے صلحاء سبھی لوگ اپنے اپنے ڈھنگ سے آپ کی خوش خلقی، عالی ظرفی، حسن سلوک اور حکمت وفراست کو بیان کر رہے ہیں۔ علماء کی نظر میں آپ ایک عبقری اور نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک تھے۔ آپ کا تیس سالہ دور اور آپ کی دانائی خلوص ومحبت اتحاد عمل اور حسن تدبر کا اعلیٰ نمونہ رہا ہے آپ امیرالہند تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی نے اس منصب کو چار چاند لگائے، بلاشبہ آپ اس مصرعہ کے مصداق تھے:

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

# دارالعلوم دیوبند کا جدید اندازِ فکر

## کامیابیوں کے سرتاج مولانا مرغوب الرحمٰن مرحوم و مغفور

ڈاکٹر ایس اے عزیز دیوبندی

دارالعلوم دیوبند دنیائے اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے، اس کی عظمت اورعزت ہر مومن کے دل میں ہے۔ یہ ایک ایسا عالمی ادارہ ہے کہ اس کے فیض یافتہ علماء پوری دنیا کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اس کے سابق مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن جو ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو مالک حقیقی سے جاملے، ان کی تعزیت کے لیے نہ صرف ہندوستان کے سیاستداں، سماجی کارکن اور دانشور مسلسل آرہے ہیں بلکہ باہر ملکوں کے لوگ بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ کے حوالے سے دیوبند آکر ان کو خراجِ عقیدت پیش کررہے ہیں۔ سعودی عرب کے جلیل القدر محدث اور نامور محقق شیخ محمد عدامہ دیوبند آئے اور آپ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے اسے عالمِ اسلام کا نقصان بتایا۔ آپ نے دارالعلوم کے اکابرین کی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔ دارالعلوم کی ان خدمات کو پوری دنیا سراہتی ہے جو حدیث شریف کی تعلیم کے حوالے سے انجام دی گئی ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن کا دورِ اہتمام محض دینی خدمات کے لیے ہی مشہور نہیں ہے بلکہ مولانا بلاشبہ ایک بیدار مغز انسان تھے، اس کا اندازہ مختلف سماجی خدمات کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک ادنی سی مثال یہ ہے کہ آپ نے عوامی صحت کے لحاظ سے بھی ایک تعمیری کردار ادا کیا ہے، اس حقیقت کو جاننے کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کا وہ وفد گواہی دے رہا ہے جس کے کہنے پر آپ نے اپنی زندگی میں پولیو کے مرض پر قابو پانے کے لیے اپنے بیانات اور عوام سے کی گئی اپیلوں کے توسط سے بچوں خاص کر مسلم بچوں کو صحت کے راستے پر لگایا۔ مسلمانوں میں پولیو ڈراپس پلانے کے سلسلے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی تھیں اور وہ پولیو کی خوراک پینے سے گریز کررہے تھے جبکہ پولیو کے انسداد کے لیے صاف ستھرا ماحول بے حد ضروری ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی سبھی دانشوروں پر اُجاگر تھی کہ مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی کے سبب مسلم اکثریت والے علاقوں میں گندگی کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔

مولانا مرغوب الرحمٰن نے اپنے دورِ حیات میں اپنے بیانات کے ذریعے عوام الناس کو ان سب حقائق سے آگاہ کرایا۔ مولانا کے سماجی اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پولیو ڈراپس پینے کی بچوں اوران کے سرپرستوں سے آپ نے جو اپیل کی، اس کے نتیجے میں سبھی بچوں نے بڑی خوشی کے ساتھ پولیو ڈراپس لے لیے اور اس کی مخالفت مفقود ہوتی نظر آئی۔ اس بات کا اعتراف جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سوشل ڈیپارٹمنٹ کے ذمہ داروں کی طرف سے کیا گیا اور اس بات کو نہ صرف نئی دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ذمہ داروں نے تسلیم کیا اور اس کے لیے مولانا کا شکریہ ادا کیا بلکہ علی گڑھ جیسے علمی مرکز میں بھی آپ کی خدماتِ عالیہ کو سراہا گیا۔ اس سے بھی بڑی بات یہ کہ چونکہ یہ مرض گندگی کے سبب پھیلتا ہے، لہٰذا مختلف مقامات پر خاص کر دیوبند میں صفائی کی مہم تیز کردی گئی اور اس بات کی سبھی سراہنا کرتے ہیں کہ اب دیوبند میں صفائی ستھرائی، خاص کر سڑکوں کی صفائی اور پینے کے صاف پانی پر کافی دھیان دیا جارہا ہے۔ اس مہم کی کامیابی کا سہرا بلاشبہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سرجاتا ہے۔

اس طرح کی سرگرمیاں مولانا مرغوب صاحب کی بیدار مغزی کا کھلا ثبوت ہیں۔ آپ کا ذہن عصری تقاضوں کو خوب پہچانتا تھا، چنانچہ آپ کے دور میں دارالعلوم میں انگریزی کی تعلیم کا آغاز آپ کی بیدار مغزی کا کھلا ثبوت ہے۔ یہی نہیں آپ نے عصر حاضر میں کمپیوٹر کی تعلیم کی اہمیت سے طلباء کو واقف کرایا اور ایک کمپیوٹر سکھانے والا شعبہ قائم کیا۔ اس میں انٹرنیٹ کے ذریعے دارالعلوم کے حوالے سے معلوماتی مواد پوری دُنیا کو مہیا کرایا۔

اسی تناظر میں جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر مولانا فضل الرحمٰن نے دیوبند آکر مولانا مرغوب الرحمٰن کی خدماتِ عالیہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن کی وفات عالم اسلام کا ایک ایسا عظیم نقصان ہے جس کی تلافی عرصہ دراز تک نہ ہو پائے گی۔ مولانا

مرغوب الرحمٰن نے علمی، سیاسی، ثقافتی اور عصری علوم کے حوالے سے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کو بیان کرنے اور ان کو مجتمع کرنے کے لیے علمائے کرام کی ایک کمیٹی یا ایک اکیڈمی کی تشکیل وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

آپ کے ۲۸ سالہ دورِ اہتمام میں یہ مدرسہ ہر طرح کے تنازعات سے پاک وصاف رہا۔ دارالعلوم کی درخشاں تاریخ اور اس کی عصر حاضر سے مطابقت رکھنے والی تعلیم آپ کی اجازت اور مشورے سے ہی دی جاسکی۔ یاد رہے کہ قاری طیب صاحبؒ کے دورِ اہتمام کے خاتمے پر آپ نے دارالعلوم دیوبند کی باگ ڈور سنبھالی اور یہ کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ یہ دور بہت آزمائشی دور تھا، لیکن مولانا مرغوب الرحمٰن نے انتہائی بردباری، دانشمندی اور حسنِ انتظام سے اس مشکل دَور میں کامیابیاں حاصل کیں۔ عجب اتفاق ہے کہ جس وقت مولانا مرغوب الرحمٰن نے دارالعلوم کا منصبِ اہتمام سنبھالا، اس وقت بہت سے لوگوں کو طرح طرح کے شبہات پریشان کررہے تھے۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ موصوف تحریر و تقریر کے آدمی نہیں ہیں، مگر آپ کے دورِ اہتمام میں وہ سب لوگ بھی آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف ہوگئے جن کو ابتدا میں طرح طرح کی غلط فہمیاں تھیں۔

آپ کے دور میں طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا، ان کو مختلف انداز پر سہولتیں دینے کی اسکیمیں وضع کی گئیں۔ طلباء کو وظائف، لحاف، بستروں کی فراہمی، دو وقت کا معیاری کھانا، ہوسٹل کی زندگی کو آرام دہ بنانے کے اقدامات اور ان کے علاج معالجے کی سہولتیں، یہ سب وہ اقدامات تھے جن سے طلباء ہردم مطمئن نظر آئے اور کسی ایک طالب علم کی طرف سے بھی کسی قسم کی شکایت یا احتجاج دیکھنے کو نہیں ملا۔ باہر کے لوگ ہر روز آتے، یہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے نمائندے تھے مگر مولانا ان سے تبادلۂ خیال ضرور کرتے لیکن دارالعلوم کو کسی بھی طرح کے سیاسی مسلک سے وابستہ نہیں ہونے دیا۔ اسی لیے دارالعلوم کی عظمت اور تقدس پر کسی شخص نے بھی انگشت نمائی نہیں کی۔ آپ کے دور میں صحافت کی ضرورت واہمیت پرزور دیا گیا اور صحافیانہ تعلیم وتربیت پر توجہ دی گئی۔ یہی طلباء صحافت کے میدان میں آج بھی باوقار زندگی گزار رہے ہیں۔

مختصراً یہ کہ مولانا مرغوب الرحمٰن کی ذاتِ گرامی اخلاص واخلاق کا حسین تاج محل تھی۔ آپ بجنور کے ایک مقتدر اور صاحبِ ثروت خاندان کے تعلق سے ہر ضرورت سے بے نیاز تھے۔ قدرت نے حضرت کو اس قدر عزت وعظمت عطا فرمائی تھی کہ اس کا ایک سرسری اندازہ آپ کی وفات کے بعد ہرکس وناکس کو ہورہا ہے۔ بہرصورت مولانا مرغوب الرحمٰن محض دارالعلوم کے مہتمم کے عنوان سے ہی نہیں جانے پہچانے جاتے بلکہ آپ اپنی امانت، دیانت اور اپنی روحانی اور مادّی فیوض وبرکات کے سبب عالم اسلام کی تاریخ کا ایک شاندار اور روشن باب ہیں۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں ہر روز نامور سیاسی شخصیات کی آمدورفت کا سلسلہ رہتا ہے۔ آپ نے سب کا خیر مقدم کیا مگر اس کے باوجود دارالعلوم کو کسی بھی ایک سیاسی پارٹی سے نہ جڑنے دیا۔ یہ صرف ایک تعلیمی ادارہ ہی سمجھا گیا۔

آپ کے دور میں دارالعلوم دیوبند میں کسی قسم کی سیاسی بے چینی دیکھنے کو نہیں ملی۔ واشنگٹن پوسٹ، بی بی سی اور تمام صحافی اور ٹی وی چینل کے نمائندے یہاں آتے رہے۔ آپ سے گفتگو کے دوران انھوں نے صرف دارالعلوم کی تعلیمی اور ثقافتی خدمات کو ہی جانا اور وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ دارالعلوم کی سیاست کا اندازِ فکر کیا ہے۔ وہ اس کے حوالے سے صرف یہی جان سکے کہ یہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو تعلیمی تقاضوں کو پورا کرنے سے ہی دلچسپی رکھتا ہے۔ آپ نے علمی سرگرمیوں کو ہی تحریک کی شکل دی نیز علمی سرگرمیوں کو ہی مرکزِ نگاہ جانا۔ اسلامی علوم، حدیث اور سنت کی شرح کی روشنی میں طلباء کو سکھائے گئے اور آج یہ طلباء پوری دنیا میں گھوم پھر کر اسلامی تعلیمات کی عالمگیر افادیت کو واضح کررہے ہیں۔ اس وقت اسلام پوری دُنیا میں مقبولیت حاصل کررہا ہے۔ اس کے پس پردہ دارالعلوم دیوبند کی علمی خدمات کو بھی بڑا دخل حاصل ہے۔

کاش دارالعلوم دیوبند کی علمی، ثقافتی نیز دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے سلسلے کی کوششوں کے حوالے سے عوام الناس باخبر ہوسکیں۔ ان تمام کامیابیوں کے پس پشت دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ اہتمام کی خدمات کو زبردست دخل حاصل ہے اور اس منصب پر آخری مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن مرحوم ہی تھے۔ ان کامیابیوں کا سہرا بڑی حد تک آپ کے سر جاتا ہے:

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

□□

# آہ تم کیا گئے

مفتی ابو جندل قاسمی، استاذ تفسیر وحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ، مظفرنگر

یہ دنیا انقلابات وتغیرات کا گہوارہ ہے، یہاں کی ہر چیز پابند ومجبور ہے، شمس وقمر، لیل ونہار، شجر وحجر ہر ایک شئی پابند ومجبور ہے، اسی طرح دنیا کا ہر جاندار موت وحیات پر مجبور ہے، یہاں جو آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن رختِ سفر باندھنا اور اس دارِفانی کو خیرباد کہنا ہے، ''کل نفس ذائقة الموت'' (ہر شخص کو موت سے سابقہ پڑنا ہے) یہ ایک ایسی مجبوری ہے جس سے کسی کو رستگاری نہیں:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

باقی رہنے والی ذات فقط خدائے تعالیٰ کی ہے ''کل من علیها فان، ویبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام'' اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ وہ کتنی ہی دلکش، کتنی ہی عزیز اور دلنواز کیوں نہ ہو اس کو بھی ایک نہ ایک دن رخصت ہونا ہے، کیونکہ ہر ایک جانے کے لیے ہی آیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی جاتا ہے تو صرف ایک گھر کے افراد، ایک خاندان اور ایک قبیلہ یا ایک بستی روتی ہے اور کسی کے چلے جانے پر پورا ملک ہی نہیں بلکہ پوری ملت لرزہ براندام اور آہ وفغاں میں مشغول نظر آتی ہے۔

ایسی ہی جامع اور بلند مقام شخصیت امیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بافیض شخصیت تھی، جو یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز چہارشنبہ بوقت ساڑھے دس بجے صبح اپنے آبائی وطن بجنور میں اپنی حیاتِ مبارکہ کا صد سالہ دنیوی سفر طے کرکے سفر اخروی پر روانہ ہوگئے اور قیامت تک کے لیے ہم سے جدا ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

**ولادت وبچپن:**

مغربی یوپی کے مشہور شہر بجنور کے محلّہ قاضی پاڑہ میں ۱۳۳۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید اور حضرت علامہ انور شاہؒ کشمیری کے رفیق درس اور مخلص دوست تھے، اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ اور دیگر علماء وصلحاء اور اکابر امت کی آپ کے درِدولت پر بکثرت آمد ورفت رہتی تھی، آپ کا دولت خانہ ہمیشہ دارالاضیاف بنا رہتا تھا، یہی وجہ تھی کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو بچپن ہی میں بڑے بڑے اساطین امت اور نامور وصلحاء کی خدمت کرنے کی سعادت میسر ہوئی، اور اس خدمت کی بدولت بچپن سے ہی اکابرین کی خوب خوب شفقتیں حاصل رہیں۔

**تعلیم و تربیت:**

حضرت مولاناؒ آغاز تعلیم کے لیے ''مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بجنور'' میں داخل ہوئے، وہاں ناظرہ قرآن کریم سے لے کر درس نظامی کی کتاب شرح تہذیب تک تعلیم مکمل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں باضابطہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس وقت دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر علوم وفنون کے آفتاب و ماہتاب اور ماہرین اساتذہ جلوہ افروز تھے اور دارالعلوم دیوبند کا دینی وعلمی اور عملی و روحانی ماحول نہایت شاندار اور اپنی مثال آپ تھا۔

آپ نے دارالعلوم میں جن ماہرین فن اور صاحب فضل وکمال سے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ
(۲) شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ
(۳) امام المعقولات والمنقولات حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ
(۴) مفتئ اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ
(۵) حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ
(۶) حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب دیوبندیؒ

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے گھر آمد ورفت کے دوران متعدد کتابوں کا امتحان لیا ہے، اور حضرت مہتمم صاحب نے ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا ہے، شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس کے بعد مختلف امراض کی وجہ سے تین سال تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا، پھر مزید علمی سیرابی کے لیے دوبارہ دارالعلوم کا رُخ کیا اور حضرت مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ و دیگر اصحاب افتاء سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور متعدد فتاویٰ بھی تحریر کیے، جن کی نقلیں دارالافتاء کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔

**احباب و رفقاء:**

دارالعلوم میں تعلیم کے دوران جن حضرات علماء کرام کی رفاقت حاصل رہی، ان میں سے چند قابلِ ذکر اسماء یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ سابق امیر شریعت بہار واُڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نواسہ حضرت شیخ الہندؒ

(۴) حضرت مولانا محمد ایوب صاحب گنگوہیؒ

(۵) حضرت مولانا محمود گل صاحب نگینویؒ ناظم تنظیم و ترقی دارالعلوم دیوبند

(۶) حضرت مولانا محمد اکرام صاحب سہانپوریؒ

(۷) حضرت مولانا اصلح الحسینی صاحب مقیم کراچی، پاکستان

**عملی زندگی کا آغاز:**

فتاویٰ کی مشق و تمرین سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن بجنور واپس آ گئے اور والد محترم نیز برادرانِ گرامی (محبوب الرحمٰن و مطلوب الرحمٰن) کے ساتھ گھریلو مشاغل کاشتکاری وغیرہ میں مصروف ہو گئے، لیکن والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ جو علماء و صلحاء سے گہری عقیدت و محبت اور دارالعلوم دیوبند سے قلبی وابستگی رکھتے تھے، نیز دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے، وہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی اس مشغولیت پر مطمئن نہیں تھے۔ اور دارالعلوم میں ہی رہنے کے خواہشمند تھے، والد محترم چونکہ دارالعلوم کے رکن شوریٰ اور اس سے نہایت محبت رکھنے والے نیز اس کی ترقی کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے، اس لیے یہی انداز و ادا اور بے لوث خدمت کا جذبہ حضرت مولانا میں بھی پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ آپ کو بھی دارالعلوم سے قلبی اُنسیت تھی اور اس کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔

**دارالعلوم کے رُکن شوریٰ:**

آپ کے گھرانے کی دارالعلوم سے قدیم قلبی وابستگی، والد محترم کی طویل خدمات اور خود کی آپ کی دارالعلوم سے ذاتی دلچسپی کی وجہ سے باضابطہ مجلس شوریٰ نے آپ کو ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم کا رکن شوریٰ نامزد کر دیا، وقتی حالات کے پیش نظر مختلف مواقع پر دارالعلوم کی کچھ جزوی ذمہ داریاں بھی آپ کے حوالہ کی گئیں، جن کو آپ نے باحسن وجوہ انجام دیا، جس کی بنا پر اربابِ انتظام اور اراکین شوریٰ کا آپ پر اعتماد بڑھ گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس اعتماد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

**منصب اہتمام پر:**

چنانچہ اسی اعتماد کی وجہ سے جب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کو انتظامی امور میں تعاون کی ضرورت پڑی تو ۱۴۰۱ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۸۱ء میں آپ کو اراکین شوریٰ نے باتفاقِ رائے ''معاون مہتمم'' تجویز کیا، آپ نے اس ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی اور تدبر و دانائی سے انجام دیا، یہاں تک کہ بقول حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ آپ کو خط میں لکھا ''آپ میرے لیے محبوب بھی ہیں، مطلوب بھی ہیں، مرغوب بھی ہیں'' لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کے دو بھائی اور تھے جن کے اسمائے گرامی محبوب الرحمٰن اور مطلوب الرحمٰن تھے، پھر اسی تدبر و دانائی، خوش اسلوبی اور اعتماد کی بدولت دارالعلوم میں انقلاب کے بعد ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں باتفاقِ اراکین مجلس شوریٰ آپ کو اہتمام کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کر دیا گیا، اگرچہ اس وقت کے دارالعلوم کے غیر اطمینان بخش حالات، حکیم الاسلامؒ کی پرکشش شخصیت اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی گذشتہ ستّر سالہ زندگی کے پیشِ نظر محبّین دارالعلوم کو اس انتخاب پر سخت حیرت ہوئی، لیکن حضرت مہتمم صاحبؒ کے زیر انتظام اور مجلس شوریٰ کی نگرانی میں جب دارالعلوم نے ترقی کی شاہراہ پر قدم بڑھانے شروع کئے تو سب کو یقین ہو گیا کہ وہ انتخاب ''حسن انتخاب'' تھا، اس کے بعد بارہا دارالعلوم مختلف قسم کے فتنوں سے دو چار ہوا، کئی مرتبہ بعض مفسدین اور فتنہ پردازوں نے تعلیمی و انتظامی ماحول کو تاراج کرنا چاہا مگر حضرت مہتمم صاحب کے حسن تدبیر، خوش اسلوبی، خداداد صلاحیت اور فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مبارک ذات اور ''فتنہ شکن'' و بلند مقام شخصیت کی مضبوط پشت پناہی کے سبب تمام فتنے کافور ہو گئے، اور دارالعلوم کی کشتی تمام طوفانی حوادث سے محفوظ رہی، غرض آپ اس طرح انتہائی دیانت داری، فرض شناسی، عالی حوصلگی، صبر و تحمل اور سادگی کے ساتھ اپنے فرائضِ منصبی کو ادا کرتے چلے گئے کہ دارالعلوم برابر شاہراہِ ترقی پر گامزن رہا اور اس کو تعلیمی و تعمیری ہر اعتبار سے اتنا استحکام نصیب ہوا جس کی بظاہر توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

**بے لوث خدمت:**

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً دارالعلوم کے نہایت مخلص اور بے لوث خادم تھے، آپ نے پوری زندگی دارالعلوم کی

کوئی رقم اپنی ذات پر استعمال نہیں کی، کبھی تنخواہ، الاؤنس یا سفرخرچ نہیں لیا، آپ نے دارالعلوم کے لیے غیر ملکی اسفار بھی اپنے خرچ سے کیئے، حتیٰ کہ دارالعلوم میں رہائشی کمرے کا کرایہ، بجلی و پانی کا بل، دارالعلوم کے ملازمین کے ذریعہ کمرے کی صفائی کی اجرت اپنی جیبِ خاص سے ادا فرماتے، حالانکہ موجودہ دور میں صرف تنخواہ ہی نہیں بلکہ ادارے کی اشیاء کو اپنی ملکیت سمجھنا اور اپنی ذات کے لیے بے خوف وخطر استعمال کرنا ایک عام طریقہ ہوگیا ہے، ایسے حالات میں آپ کی یہ بے لوثی یقیناً زندگی کا ایک بڑا وصف اور حیاتِ دنیوی کا ایک اہم عنصر ہے۔

**امانت و دیانت:**

حضرت مہتمم صاحبؒ کی حیات مبارکہ کا سب سے جلی عنوان اور زندگی کا سب سے نمایاں وصف دیانت وامانت ہے، یہ وصف ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی جس کے لیے ان کو کسی غور وفکر یا ارادہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بلکہ آپ کا ہر عمل خود بخود امانت کے دائرہ میں رہتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ صرف دارالعلوم کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ یہ آپ کی پوری زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے، آپ اس سلسلہ میں نہایت متشدد واقع ہوئے تھے، چنانچہ آپ نے دارالعلوم کے مالیہ کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کا پورا خیال رکھا، کبھی اس میں خرد برد یا اس کا بے جا استعمال نہ ہونے دیا، دارالعلوم کے پیسہ کہیں بھی اور کسی کے ذریعہ بھی غلط استعمال یا اس سلسلہ میں بے احتیاطی ان کو برداشت نہیں تھی، میں نے سنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم کا مقولہ ہے کہ ''اگر منتظمین حضرات مدرسہ کے مال کو بے جا اور غلط طریقے سے خرچ نہ کرنے کے سبب جنت میں گئے تو دارالعلوم کا مہتمم سب سے آگے ہوگا، اوکما قال'' حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند نے دہلی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں امیر الہند رابع کے انتخاب کے سلسلہ میں ہونے والے اجلاس میں سنایا تھا کہ: ''ایک مرتبہ چند طلبہ اور کچھ دُکانداروں کے درمیان اَن بن ہوگئی، طلبہ کی نادانی سے دکانوں کا کچھ نقصان ہوگیا، معاملہ بڑھ گیا، دُکانداروں نے نقصان کا بل جو لاکھوں کی رقم پر مشتمل تھا حضرت کے سامنے رکھا اور کہا کہ اگر دارالعلوم اس نقصان کو پورا کردے تو بات رفع دفع ہوسکتی ہے، حاضرین نے جن میں (ڈی، ایم اور دیگر معزز شہری بھی موجود تھے) اس بات سے اتفاق کیا، مگر حضرت نے فرمایا کہ: ''دارالعلوم کی رقم کو میں اس مصرف میں خرچ نہیں کرسکتا، کیونکہ چندہ دینے والوں نے یہ رقم اس کام کے لیے نہیں دی ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ میں خود اس نقصان کو پورا کردوں، اس کے لیے آپ مجھ کچھ وقت دیں، میں بجنور جا کر اپنی زمین کا کوئی ٹکڑا فروخت کرکے آپ کا بل ادا کروں گا'' اس بات کا سننا تھا کہ لوگ آبدیدہ ہوگئے، ڈی ایم اور دیگر معززین نے ان دُکانداروں کو شرم دلائی جس کی وجہ سے وہ اپنے مطالبات سے دست بردار ہوگئے، دوسری طرف آپ نے بڑی دلسوزی کے ساتھ طلبہ کو نصیحت کی، جس سے سارا معاملہ رفع دفع ہوگیا۔'' اس ایک واقعہ سے جہاں حضرتؒ کی امانت ودیانت کے وصف کو سمجھا جاسکتا ہے وہیں خوش اسلوبی اور حکمتِ عملی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

**حلم و بردباری و نرم خوئی:**

آپ کی کی زندگی کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ انتہائی حلیم و بردبار واقع ہوئے تھے، جو نظم وانتظام کے لیے ضروری ہے، دارالعلوم کا انتظام سنبھالنے کے بعد اس کو ترقی کے منازل طے کرانے میں آپ کی بردباری کا بڑا حصہ ہے، بعض مرتبہ متعدد لوگوں کی طرف سے ناگوار اور تکلیف دِہ باتیں سامنے آتیں لیکن آپ بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور بالکل نظر انداز فرمادیتے، تنقید برداشت کرتے، بہتان اور الزام تراشی پر مشتمل تحریریں سامنے آتیں، مگر انتقام کے بجائے صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ ہوتا، کتنے لوگوں کی طرف سے نامناسب رویہ ہوتا، مگر آپ ہر ایک کے ساتھ نرم خوئی کا معاملہ فرماتے، اسی چیز نے ان کو اتنے بڑے نظام کے چلانے میں مدد دی۔

جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام امیر الہند رابع کے انتخاب کے موقع پر حضرت مولانا محمود مدنی زید مجدہم نے ایک ایسا روح فرسا واقعہ سنایا کہ حاضرین وسامعین کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا کہ: ''جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے رام لیلا میدان میں دہشت گردی مخالف کانفرنس میں شرکت کے لیے جب حضرت مہتمم صاحب دہلی تشریف لائے تو بعض طلبہ نے ان کی اہتمام کی گدی کو وہاں لے جا کر رکھ دیا جہاں احاطہ مولسری میں نماز جنازہ ہوتی ہے'' اللہ اکبر، یہ صبر وتحمل کی حد ہے، اس لرزا دینے والے واقعہ کے علاوہ تیس سال کے عرصہ میں نامعلوم کتنے درد، کتنی ناگواریاں اور تلخ باتیں، الزام تراشی کے جملے اور نامناسب رویے اپنے سینے میں دبائے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے، مگر واہ رے صبر وتحمل کے پہاڑ کہ کسی سے زندگی بھر اظہار نہ فرمایا، بلکہ ہر ایک کے ساتھ نرم خوئی کا معاملہ فرماتے رہے۔

**نماز باجماعت اور دعاء کا اہتمام:**

حضرت مہتمم صاحبؒ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک قابلِ قدر وصف نماز کی پابندی اور دعاء کا اہتمام ہے، جب ہم دارالعلوم میں تھے تو ہم نے کبھی نہیں

دیکھا کہ حضرتؒ دارالعلوم میں ہوں اور باجماعت نماز ادا نہ فرماتے ہوں اور دیر تک دعاء میں مشغول نہ رہتے ہوں، اس کے علاوہ صبح دفتر میں تشریف لانے اور امور اہتمام میں مشغول ہونے سے قبل چار رکعت پڑھنے اور دعا مانگنے کا ہمیشہ معمول رہا،ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ یہ دعاء ہی آپ کے کامیاب اہتمام کا راز ہے،اسی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی باعث حیرت ہے کہ دارالعلوم کا مہتمم بننے سے پہلے بھی حضرتؒ کی نماز باجماعت کی پابندی کا یہ حال تھا کہ محلّہ کی مسجد میں پچیس سال تک امام رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، کیونکہ مولاناؒ مسجد میں موجود ہوتے، آپ ہی نماز پڑھا دیتے،ایک رئیس زادے اور صاحب جائداد شخص کے بارے میں یہ گواہی کس قدر وقیع ہے۔

**مشورہ کا اہتمام:**

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے دوجگہ مشورہ کرنے کا صریح حکم دیا ہے،ایک سورۂ نساء کی آیت **وشاورھم فی الامر** میں اور دوسرے سورۂ شعراء کی آیت **وامرھم شوریٰ بینھم** میں،اسی طرح کئی احادیث شریفہ میں بھی مشورہ کرنے کا حکم اور ترغیب وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **استرشدوا العاقل ترشدوا ولاتعصوہ فتندموا** یعنی عقلمند سے مشورہ کرو صحیح بات تک پہنچ جاؤ گے، اور اس کی رائے کے خلاف نہ کرو ورنہ شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔(فیض القدیر ج۱ص۶۳۵)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: جب تمھارے امراء وحکام تم میں سے بہترین لوگ ہوں، اور تمھارے مالدار سخی ہوں اور تمھارے امور مشورہ سے طے پاتے ہوں تو زمین کی پشت تمھارے لیے زمین کے اندرونی حصہ سے بہتر ہوگی۔(فیض القدیر۱/۵۵عن ابی ہریرہؓ) ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ: ''جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس کے بارے میں کسی اچھے دیندار مسلمان سے مشورہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہترین کام کی توفیق دے دیتا ہے۔'' (فیض القدیر ج۶/۶۶عن ابن عباسؓ)

ان آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں جب ہم حضرت مہتمم صاحبؒ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ کا یہ وصف بھی اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ آپ ہمیشہ مشورہ کا اہتمام اور دوسروں کی رائے کا احترام فرماتے تھے، اور کسی بھی منتظم کے لیے یہ چیز کامیابی کی بنیاد ہے، حضرت مہتمم صاحبؒ بنیادی اور اہم معاملات میں مجلس شوریٰ کے پابند تھے، اس کے علاوہ روزمرّہ کے معاملات اور اہم امور میں بھی آپ تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنے سے گریز فرماتے تھے، بلکہ ان امور میں بھی اہم علماء سے مشورہ کا اہتمام فرماتے تھے، جن حضرات سے وہ مشورہ فرماتے ان میں حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم وغیرہم تھے، اور اپنے رفقائے کار واہل مشورہ کے اتفاق رائے کے بعد ہی کوئی فیصلہ نافذ فرماتے تھے۔

**ملی خدمات:**

حضرت مہتمم صاحبؒ تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے، اور دارالعلوم دیوبند آنے سے قبل جماعت میں وقت بھی لگایا تھا، دارالعلوم میں آپ نے طلبہ واساتذہ کو متوجہ کرنے کے لیے سالانہ اجتماع کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جس میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ تشریف لاتے تھے،اوران کی وفات کے بعد حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم تشریف لاتے ہیں۔

نیز ملکی وملی حالات کے تناظر میں آپ جمعیۃ علماء ہند اوراس کے نظریات سے عمر بھر وابستہ رہے، عرصۂ دراز تک جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے سرگرم رکن رہے، اور جمعیۃ علماء ہند سے آپ کی وابستگی محض رسمی نہ تھی بلکہ اس کو ایک دینی فرض سمجھ کر نبھاتے اور اس کے پروگراموں میں شرکت فرماتے اور حسبِ موقع اس کے تعاون وتائید سے دریغ نہ فرماتے، گرانقدر مشوروں سے نوازتے اور اس کی ہمہ جہت وہمہ نوع ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔

**نام ونمود سے پرہیز:**

حضرت مہتمم صاحبؒ کی ایک عجیب وغریب خصوصیت اور نمایاں وصف یہ ہے کہ ان تمام کمالات اور عظیم الشان کارناموں کے باوجود شہرت یا تعریف کے طالب نہ ہوئے، آپ کو اپنی اہمیت جتانے یا عظمت منوانے کا کوئی شوق نہ تھا، نام ونمود، پروپیگنڈہ اور سستی شہرت سے آپ کوسوں دُور تھے، کسرنفسی، اور تواضع زندگی میں نمایاں تھی، کسی ستائش کی تمنّا یا دنیا میں کسی صلے کی پرواہ کئے بغیر وہ اپنی خدمات کے سفر کو جاری رکھتے تھے،لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس خالقِ کائنات کی رضا کے لیے انھوں نے وہ خدمات انجام دیں وہ ضرور ان سے راضی ہوگا، اور ان کی خدمات کا صلہ عطا فرمائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، بال بال مغفرت فرمائے، قبر کو نور سے منور فرمائے، اور ان کی خدمات کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔□□

# اِک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

مولانا تبریز عالم قاسمی حلیمی، استاذ دارالعلوم حیدرآباد

حیات وموت کا نظام، اس عالم ناپائیدار میں، برحق ہونے کے ساتھ ساتھ، عجیب وغریب ہی نہیں، حیرت انگیز بھی ہے، ہر روز ہر ملک میں، ہزاروں کی تعداد میں، لوگ، اپنا آخری سفر مکمل کرکے، منزلِ مقصود کی جانب کوچ کرجاتے ہیں، لیکن جانے والوں کی فہرست میں کچھ نام اتنے نمایاں، بھاری بھرکم اور قابلِ عزت واحترام ہوتے ہیں، کہ وہ اپنے پیچھے ایسے تابندہ نقوش اور ناقابلِ فراموش یادیں چھوڑ جاتے ہیں کہ اس کے چاہنے والوں کی دنیا اس کے بغیر بے رنگ اور بے کیف معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شخصیت بھی ایسے لوگوں میں سے تھی، جنھیں از ہر ہند دارالعلوم جیسے مہتمم بالشان اور مرکزی ادارے کی سچائی اور ناخدائی کا شرف حاصل ہوا۔ جو یکم رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ردسمبر ۲۰۱۰ء بہ روز بدھ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ (اِناللہ وانا الیہ راجعون)

حضرت مہتمم صاحب کی اس ماہ میں وفات (جسے عظمت وتقدس اور تاریخی اعتبار سے نمایاں مقام حاصل ہے) سعادت عظمٰی سے کم نہیں، آپ کی وفات سے عام تاثر مسلمانوں کے حوالے سے اور بالخصوص قاسمی برادری کے حوالے سے یہ پایا جارہا ہے کہ وہ 'یتیم' ہوگئے، ان کے سروں سے شفقت و سرپرستی کا سایہ اُٹھ گیا۔

ان کے گلستانِ علم و ادب کے مہکتے ہوئے، رنگ برنگ کے پھول اچانک مرجھا کر گر پڑے، علم و ہنر کا باغ، باغبان کے بغیر سونا سونا سا لگنے لگا اوران کی کشتی کا ناخدا کہیں گم ہوگیا:

اِک دھوپ تھی جو ساتھ گئی، آفتاب کے

راقم الحروف کا قیام، مادرعلمی میں پانچ سالوں تک رہا، شروع کے تین سالوں میں، حضرت مہتمم صاحب کی زیارت، گاہے گاہے بس دور سے ہوتی رہی، راقم جب ۲۹-۱۴۲۸ھ میں، معین مدرس ہوا اور راقم کا قیام مسجد قدیم بالائی منزل کمرہ نمبر ۲۶ میں ہوا جو مہتمم صاحب کی قیام گاہ کے سامنے ہے، تو اب زیارت، علیک سلیک، گفت وشنید، نشست و برخاست اور خیر خیریت کا موقع ملنے لگا، عصر کے بعد عموماً اپنے کمرے کے سامنے چند کرسیاں لگا کر بیٹھنے کا معمول تھا، ملنے والوں سے متواضعانہ انداز میں، خیریت اور ورود کا سبب معلوم کرتے۔ میں جب بھی جاتا بڑے ہی مشفقانہ انداز میں گفتگو فرماتے، مثلاً کھانا کیسا مل رہا ہے؟ کمرہ کیسا اور کہاں ہے؟ آپ سے متعلق طلبہ کیسے ہیں؟ ان کی تعلیم کا معیار کیسا ہے اور کیسا ہونا چاہیے وغیرہ؟ اب یہ چیزیں یادوں کا حصہ بن گئیں، یقین نہیں آتا۔

میں جب بھی گیا، حضرت کی ذات میں تواضع، انکساری، خیرخواہی اور شفقت ومحبت کے معانی کو محسوس شکل میں پایا، مجھے حضرت مہتمم صاحب کے اندر سے، جھلکتا ہوا ایک مدبر ومنتظم، ایک مرد صالح و مربی جلیل، حالاتِ حاضرہ سے باخبر اور دارالعلوم کے اہم اور غیر اہم امور سے واقف کار شخص نظر آتا، آپ کی شخصیت میں اصلاح وانتظام، تربیت وتہذیب، تدبر کے ساتھ تدبیر، صلاحیت کے ساتھ صالحیت، عمل کے ساتھ اخلاص جیسی صفات یکجا تھیں، آپ خدا شناس ہونے کے ساتھ ساتھ خود شناس اور موقعہ شناس بھی تھے۔ آپ کی زندگی اور زندگی کی ساری تگ و دو، سوز و گداز اور حرکات و سکنات، دارالعلوم کی ترقی وتعمیر کے لیے وقف تھی، دارالعلوم دیوبند کے تئیں، آپ کی محبت وتڑپ، طلبہ واساتذہ کے لیے آپ کی شفقت وجاں نثاری مثالی تھی، آپ نے ساعت بہ ساعت، دارالعلوم کے فروغ کے لیے جو نمایاں خدمات انجام دیں، اس کا پورا علمی حلقہ خصوصاً اور غیر علمی حلقہ عموماً معترف ہے، آپ کی عالی حوصلگی، کام کی سلیقگی قابلِ تقلید تھی، اور ہے۔

باوجود یہ کہ آپ ضعف ونقاہت سے دوچار تھے (جو عمر کا تقاضہ بھی ہوتا ہے) لیکن انتظامی امور اور دارالعلوم کی ترقی رفتار پر بریک نہیں لگنے دیا، آپ کی دوراندیشی، فراست وبصیرت، طلبہ کی راحت رسانی کے لیے فکرمندی، اخیر عمر تک رہی۔ دارالعلوم کے معاملات میں آپ ہمیشہ حساس رہے، اس کی بقاوفلاح کے تئیں، دائمی طور سے کوشاں رہے، تعلیم وتعلم کے نظام ومعیار کے حوالے سے آپ کی تڑپ مثالی حیثیت کی حامل تھی۔

### کہ تجھ سا کہیں جسے

یہ دنیا بربادیوں کے ساتھ، آباد رہنے کا درس دیتی ہے، ایک شخص دنیا سے چلا جاتا ہے، دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے، اور دوبارہ گاڑی پٹری پر لوٹ آتی ہے، لیکن یہ مسلمات میں سے ہے کہ جو چلا گیا 'اسی' کی تلاش وجستجو ناممکنات میں سے ہے، یعنی صفات وذات کا فرق مٹانا ناممکن ہے، اگر میں یہ کہوں اور لکھوں کہ ارباب دارالعلوم اور خود دارالعلوم نے ایک قابلِ رہنما، ماہر سپہ سالار، مقبول قائد، فکرمند مہتمم اور شفیق و رحیم سرپرست کھودیا تو کیا

مبالغہ آرائی ہوگی؟ انقلاب دارالعلوم کے بعد سے، اب تک کے حالاتِ دارالعلوم کا جائزہ لینے سے، یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مہتمم صاحب کو جن حالات میں اہتمام کا تاج پہنایا گیا وہ ''کانٹوں بھرا تاج'' سے کم نہیں تھا، مگر بعد کے حالات اور دارالعلوم کو خوب سے خوب تر بنانے کی، حضرت کی لگن اور دُھن نے یہ ثابت کیا کہ اکابر وقت کا یہ انتخاب ''حسن انتخاب'' اور ''لاجواب انتخاب'' تھا۔ تیس سال کا یہ خصوصی سفر وہ بھی بحسن وخوبی اپنے آپ میں ایک غیر معمولی، ناقابلِ ستائش اور ایک عظیم الشان کارنامے سے کم نہیں، جو تاریخ دارالعلوم کا ایک اہم اور نمایاں عنوان ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند کے اربابِ اہتمام کی فہرست میں آپ کا نام مدتِ کارکردگی کے حوالے سے تیسرے نمبر پر آتا ہے، آپ سے قبل حضرت مولانا قاری طیب صاحب رلیہ الرحمہ اور مولانا احمد صاحب علیہ الرحمہ کی مدتِ اہتمام، آپ سے زیادہ ہے، اوّل الذکر ۵۳ سال اور ثانی الذکر ۳۵ سالوں تک منصب اہتمام پر فائز رہے:

جسے فیضِ خدا سے ذوق درویشانہ ملتا ہے
اسی کو دو جہاں میں منصب شاہانہ ملتا ہے

**وآں ساقی نماند**

مہتمم صاحب، تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاقِ حمیدہ کے پیکر مجسم تھے، اخیر عمر میں جب کہ آپ کے لیے بیٹھنا دُشوار تھا، میری آنکھوں نے دیکھا اور بارہا دیکھا کہ کوئی ملاقاتی آیا تو اٹھنے کی بھرپور کوشش کرتے، ورنہ کافی دیر تک معذرت فرماتے، کوئی درخواست لے کر آتا تو حتی الامکان اس کی سنتے، گاہے شعبہ ہائے دارالعلوم کی رپورٹ دیکھتے، کمرہ اور کمرے کے ساز وسامان دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہوتا کہ یہ ''مہتمم دارالعلوم'' کا کمرہ ہے، آپ، اور آپ کی زندگی، سادگی کی مکمل تفسیر تھی، حافظہ نے اخیر عمر تک وفا کی، یہ خصوصیت ہر ایک کے کھاتے میں نہیں آتی، دارالعلوم کے تعلق سے تو ہر بات عموماً حافظے کا حصہ تھی، عصر بعد میرے استفار پر کبھی کبھی، کافی پرانی باتیں ماہ وسن کے ساتھ بیان کردیتے، میں اور سننے والے لوگ دنگ رہ جاتے، جو طلباء مہتمم صاحب سے کسی بھی وجہ سے دور ہوتے، ان میں حضرت کے تعلق سے طرح طرح کے خیالات واوہام پائے جاتے، مگر قربت وصحبت سے ان تمام اوہام وخیالات کے بے بنیاد قلعے یکسر زمیں بوس ہوجاتے، عوام وخواص کے مطالبے پر، ان کے سروں پر ہاتھ بھی پھیرتے تھے، اس میں غیر مسلموں کا استثناء نہیں ہے۔

**ایک مقبول و معروف روایت**

حضرت مہتمم صاحب کا ایک معمولی بڑا ہی مقبول تھا کہ آموں کے موسم میں، جملہ اساتذہ وملازمین نیز شہر کی معزز شخصیات کو مہمان خانے میں مدعو فرماتے، جس میں آموں کی دعوت ہوتی، مہمان خانے کا یہ اجتماع بڑا ہی پُر کیف، پرلذت، خوشگوار اور اپنے پہلو میں عجیب وغریب لطائف لیے ہوتا، آموں کے موسم کی آمد کے ساتھ ہی، جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے اس دعوت کا انتظار شروع ہوجاتا، اگرچہ مہتمم صاحب، خرابیٔ صحت کی وجہ سے بنفسِ نفیس اس میں شریک نہیں ہوتے، لیکن آپ کی موجودگی کا احساس بہر حال سب کو ہوتا تھا، لیکن اب:

رو رہی ہے آج اِک ٹوٹی ہوئی مِینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

**زندگی کی چند اہم جھلکیاں**

آپ، یوپی کے مشہور شہر بجنور میں ایک علم پرور اور متمول گھرانے میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ رحیمیہ بجنور میں حاصل کی، ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور وقت کے یگانۂ روزگار، اکابر اساتذہ سے استفادہ کیا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی، مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی سہول احمد صاحب بھاگلپوری رحمہم اللہ وغیرہ آپ کے قابلِ ذکر اساتذہ ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں اراکین شوریٰ نے آپ کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا، ۱۴۰۱ھ میں آپ کو اہتمام کے منصب سے نوازا گیا، اور منصب اہتمام کی ذمہ داری وفات پر ختم ہوئی:

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

افسوس! اب حضرت مہتمم صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کے قابلِ قدر کارنامے، روشن نقوش، انمٹ چھاپ، قابلِ تقلید کارکردگی اور بالخصوص ان کی یادیں تاریخ کا حصہ ہیں، انھیں دیکھ کر، پڑھ کر، سن کر اور اپنی زندگی میں برت کر خاص طور سے ذمہ داران اور ارباب مدارس سرخ روئی کا پرچم لہرا سکتے ہیں، دوسروں کے لیے رول ماڈل بن سکتے ہیں، اوروں کے لیے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں، آئندہ نسلوں کے لیے اُسوہ اور نمونہ ہوسکتے ہیں، بعد کے لوگوں کے لیے اندھیروں میں مینارۂ نور بن سکتے ہیں۔ یہی حضرت کو صحیح وحقیقی خراجِ عقیدت ہوگا، باقی دارالعلوم کے اُفق پر ''حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم دیوبند'' کا نام تا قیام قیامت انشاء اللہ چمکتا اور دمکتا رہے گا:

طیبہ کی مئے مرغوب یہاں دیتے ہیں سفال ہندی میں
روشن ہے چراغِ نعمانی اس بزمِ کمال ہندی میں

اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب کو جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! □□

اشتہار (کلر)

مدرسہ محمودیہ سروٹ

اشتہار (کلر)

مدرسہ تحفیظ القرآن گھاسیڑہ

اشتہار (کلر)

مدرسہ رحمانیہ رڑکی

اور

مدرسہ تعلیم القرآن جانسٹھ

اشتہار (سیاہ، چھپے گا کلر کے ساتھ)

جامعہ نورالاسلام دودوہ

# اب کہاں سے لائے گا تجھ سا بشر دارالعلوم

عظیم اللہ صدیقی قاسمی

۲۰۱۰ء از ہر ہند دارالعلوم کے لیے ایسا سال رہا ہے جو ایک کے بعد ایک جلیل القدر عالم کی وفات کی وجہ سے غم واندوہ کے موسم کے طور پر یاد کیا جائے گا۔ سب سے پہلے فرشتہ صفت بزرگ عالم دین شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خاںؒ کی وفات، پھر مولانا غلام رسول خاموشؒ کی رحلت اور آخر میں میرِ کارواں امیر الہند ثالث مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی مالک حقیقی سے جاودانی ملاقات پے در پے ایک ایسا سانحہ ہے جسے مدتوں تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مہتمم دارالعلوم امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کا انتقال پر ملال یقیناً عشاقِ دارالعلوم کے لیے سوہانِ روح اور ملت اسلامیہ کے لیے ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کس طرح کی جائے، قحط الرجال کے اس دور میں اپنے آپ میں ایسا سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنا کافی مشکل معاملہ ہے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی پیرانہ سالی میں مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کو دارالعلوم کا معاون مہتمم منتخب کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مرحوم میرِ کارواں اور امیر الہند ثالث ساٹھ سالہ تجربہ کار بزرگ کی نگاہ میں اس مقام کے لیے درست اور مناسب شخص تھے۔ اس دن کے بعد سے تا حال وہ دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ دریں اثنا انھوں نے ہر سطح پر دارالعلوم کو عزت بخشی اور اس کی عظمت کے شایانِ شان اس کی جڑوں کو سینچا اور بزرگوں کے منہج فکر پر جس طرح آبیاری کر کے ایک دلکش چمن کے تھپیڑوں کی زد میں اسلام دشمن عناصر کی آنکھوں کا کانٹا بنا رہا، مگر کسی نے اس قدر ہمت نہیں کی کہ اس چمن کی دلکشی کو ضائع کر سکے۔ اسلام اور شریعت مخالف قوتوں نے ہر طرح کی کوشش کی کہ دارالعلوم دیوبند کی عظمت مسلمانوں کے دلوں سے نکال دیا جائے، اس کے لیے انھوں نے دارالافتاء سے جاری فتوؤں کا مذاق اُڑایا، چرتھاول مظفر نگر کی عمرانہ، میرٹھ کے عارف گڑیا کا مسئلہ ہو یا عورتوں کی ملازمت اور ملکی انتخابات میں صنف نازک کی شرکت کا مسئلہ ہو، اباحیت پسند معاشرے میں جب ذہن ودماغ روحانیت کی بیماری میں مبتلا ہے، دارالعلوم دیوبند کی رہنمائی کی حیثیت کو مجروح کرنے کی ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی، مگر اس معمر رخصت پذیر مہتمم کی جامع پالیسی اور مخلصانہ جدوجہد نے اسے ناکام بنا دیا۔ اسی طرح انھوں نے دارالعلوم کو ہمیشہ سیاست اور سیاست میں استعمال ہونے سے دور رکھا۔ ملک کی سیاسی تنظیموں کی یہ کوشش رہا کرتی ہے کہ کسی طرح دارالعلوم کی حمایت حاصل کر لی جائے تا کہ انتخابی کشمکش میں اقلیتوں کا ووٹ حاصل کیا جا سکے۔ ایسی ہی ایک کوشش اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ نے ریاستی انتخابات سے قبل ۲۰۰۸ء میں دیوبند میں ان سے ملاقات کر کے کی تھی۔ بطور مہمان ان کا زبردست استقبال تو کیا گیا مگر حضرت مہتمم صاحب کی فراست دیکھئے کہ انھوں نے ملائم سنگھ کو یہاں سے کسی قسم کا سیاسی پیغام بھیجنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت مہتمم صاحب مرحوم کو ہندوستان کو مختلف ادوار میں بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آج کی تاریخ میں وہ تنہا شخص تھے جنھوں نے ہندوستان کی مختلف تحریکوں کے عروج وزوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان کی پیدائش ۱۹۱۴ء میں ہوئی جب حضرت شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کے قیام اور خلافت تحریک کے جوش وخروش کو اپنے گھر میں پروان چڑھتے دیکھا تھا۔ اپنے بزرگوں پر انگریزوں کے ظلم و جبر اور قید وبند کی صعوبتوں کو نازل ہوتے دیکھا۔ مسلم لیگ مشن اور تقسیم ہند کے سانحہ کو دیکھا، گاندھی جی کی ڈانڈی یاترا، جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کی مشترکہ ملک چھوڑو تحریک، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا آزادؒ کی جرأتِ ایمانی، اشفاق اللہ خاں کی شہادت کے عینی شاہد تھے۔ انھوں نے اپنے ان عظیم بزرگوں کے سایہ میں وہ بہت سیکھا جو آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت کے لیے ضروری تھا۔ یہ اسی کی دلیل ہے کہ جب ملک کی فضا مسلم عداوت اور دہشت گردی کے الزام سے مکدر ہوگئی تو بحیثیت امیر الہند اور مہتمم دارالعلوم دیوبند انھوں نے دہشت گردی کے خلاف تاریخی فتویٰ جاری کر کے یہ پیغام عام کر دیا کہ مسلمان نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ دہشت کے پیامبر، انھوں نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ انھوں نے اسلام کی حقیقی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ ہم کسی تحفظ کے بغیر دہشت گردی سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ۲۵؍فروری ۲۰۰۸ء کو جاری کردہ اسلام کے اس ابدی پیغام کو جمعیۃ علماء ہند کے فعال قائد مولانا محمود مدنی نے ملک کے کونے کونے تک پہنچا دیا، جس کا اثر نہ صرف برصغیر پر ہوا بلکہ پوری دنیا میں اس کے مثبت نتائج سامنے آئے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ جب ایران کے مذہبی رہنما نے

سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تھا تو دارالعلوم نے نفس فتویٰ کی مخالفت نہیں کی تھی۔ یہ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اہانت کا مرتکب مرتد واجب القتل ہے۔ ہاں اسلام کے نظامِ قضا کے تحت اس فتوے کے صادر کیے جانے کے طور طریقہ پر اعتراض کیا تھا کیونکہ تعزیراتی احکام کا تعلق حکومت سے ہوتا ہے اور وہ بھی اپنے شہریوں پر نہ کہ دوسروں پر۔ جبکہ سلمان ملعون کا تعلق ایران سے نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ایران کے حکمراں یا قاضی کے ذریعہ قتل کا فتویٰ صادر کیا جانا شرعی نظامِ قضا کے خلاف تھا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ گذشتہ دنوں حضرت مہتمم صاحب کے انتقال پر ملال پر انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس کی ایک محترمہ نے یہ لکھا ہے کہ مہتمم صاحب کی قیادت میں دارالعلوم نے سلمان رشدی کے واجب القتل ہونے کے فتوے کی مخالفت کی تھی جبکہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

معاملہ فہمی اور بگڑے ہوئے مسائل اور انتظامی صلاحیتوں کے علاوہ سماج میں جینے اور ایک دوسرے کی قدروں اور احساسات کے درمیان ارتباط کی ایسی سمجھ تھی کہ مشکل سے مشکل سماجی تنازعات کو بڑی آسانی سے حل کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ ۲۰۰۲ء کی بات ہے، یہ ناچیز اس وقت دارالعلوم کا طالب علم تھا۔ قصبہ کے چند شرارت پسند افراد نے دارالعلوم کے ایک طالب علم کی پٹائی کردی۔ معاملہ اس قدر آگے بڑھا کہ طلباء اور شہریوں میں تصادم ہوگیا۔ طلباء نے جوش میں آکر دارالعلوم کے آس پاس کی شہری دُکانداروں کے سامانوں کو ضائع کردیئے۔ حالات کی سنگینی کے تحت شہر کے معزز افراد کی مہتمم صاحب کے ساتھ میٹنگ ہوئی۔ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا بیس لاکھ کا نقصان ہوا ہے۔ لہٰذا آپ اس کا ہرجانہ بھریں۔

یہ مہتمم صاحب کی ہی فراست تھی کہ انھوں نے کہا کہ یہ روپیہ تو اس وقت ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں گھر بجنور جارہا ہوں، وہاں اپنا باغ بیچوں گا اور پھر آپ لوگوں کو ادا کروں گا۔ شہر کے افراد مہتمم صاحب کی اس مخلصانہ اپیل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نہ صرف انھوں نے ہرجانہ لینے سے منع کردیا بلکہ جھگڑے سے دلوں میں پیدا شدہ خلش کو ختم کرنے اور پھر سے بھائی بھائی بن جانے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دارالعلوم کی خاطر اپنی جان کی قربانی کے ساتھ مال و دولت کی قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم سے اپنی زندگی میں کبھی کچھ نہیں لیا بلکہ نشأۃِ ثانیہ کی ابتدا میں دارالعلوم کا کافی مالی تعاون بھی کیا تھا۔ مادّیت کے اس دور میں یہ ایک انوکھی مثال ہے جسے یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔

ان کی مدتِ اہتمام میں دارالعلوم نے جو ترقی کی ہے اس پر مختصر سی روشنی ڈالے بغیر گفتگو ادھوری رہ جاتی ہے۔ تعلیمی میدان میں کافی اصلاحات سامنے آئیں۔ انھوں نے بعض ایسی کتابوں کو نصاب سے خارج کردیا جس کی جدید تقاضوں کے مطابق چنداں ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً بیضاوی (فن تفسیر)، سلم العلوم (فن منطق)، کنزالدقائق، شرح باز غہ وغیرہ۔ اسی طرح چند ایسے موضوعات کو داخل نصاب کیا گیا جس کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ مثلاً کمپیوٹر، صحافت، صنعت و حرفت، انگریزی زبان و ادب وغیرہ۔ حالانکہ عام طور سے مختلف جہتوں سے مدارس پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مدارس میں جمود اور تعطل اس قدر ہے کہ سینکڑوں سال سے ایک ہی کتاب اور ایک ہی نصاب رائج ہے۔ درج بالا تفصیلات ان لوگوں کا عملی جواب ہے۔ بہتر ہوتا اگر فلسفہ کا بالکلیہ اخراج ہوجائے، اس کی جگہ جدید سائنس کی تعلیم زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح مختلف مستند احادیث کی کتابوں سے تیار کردہ حدیث کی ایک ایسی کتاب نصاب میں داخل ہونی چاہیے جس میں مرجیہ اور جہمیہ کے بجائے قادیانی، بہائی، عیسائی اور نیچریوں کی تردید پر مواد ہوں۔ اسی طرح عربی زبان کی گرامر عربی میں ہی تیار ہو، صدیوں سے عربی گرامر فارسی میں پڑھائی جارہی ہے۔ امید ہے کہ آنے والے سالوں میں اس سلسلے میں مناسب توجہ دی جائے گی۔ اس کے علاوہ طلبہ کے لیے گرمی و سردی کے موسموں سے نبرد آزما کمرے کی تیاری طلبہ کے سالانہ وظائف میں اضافہ، لائبریری کے لیے وسیع و عریض عمارت کی تعمیر ان کی زندگی کے اہم کارنامے ہیں۔

حالانکہ مہتمم صاحب بہت دنوں سے بیمار تھے۔ طویل عمری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے بھی معذور تھے، مگر ان کے ہوش و حواس اس قدر قائم و دائم تھے کہ تمام فیصلے وہ خود ہی لیا کرتے تھے اور بعض موقعوں پر غلط سوچ کی اصلاح بھی کیا کرتے تھے۔ کچھ خام خیالوں کی یہ کوشش بھی رہتی تھی کہ اس پیرانہ سالی کا فائدہ اُٹھایا جائے اور اپنی من مرضی چلائی جائے مگر انھوں نے ایسی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ ان کی زندگی کا ایک سانحہ جمعیۃ علماء ہند میں اختلاف بھی ہے، جس کا اپنی مختلف تحریروں اور اشاعتوں میں اظہار کرچکے ہیں۔ انھوں نے آخری زندگی تک کوشش کی یہ اختلاف ختم ہوجائے مگر خدا کو یہ منظور نہیں تھا اس لیے اب تک نہیں ہوسکا، مگر اس کوشش میں اخلاص و عزم کی پختگی اس قدر تھی کہ دونوں جماعتوں میں تیز تر ہوچکی رسہ کشی کافی حد تک کم ہوگئی۔ اب بعد کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اس عظیم رہنما کو صحیح خراجِ عقیدت اس طرح پیش کریں کہ ان کی منشاء کے مطابق ان کے باقی ماندہ مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعی کریں۔ ☐☐

# امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن حیات وخدمات کی روشنی میں

مولانا شیر محمد امینی، بانی ومہتمم مدرسہ اُبی بن کعبؓ گھاسیڑہ، ضلع میوات

امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی پیدائش ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ میں شمالی ہند کے ایک مردم خیز شہر بجنور میں ہوئی۔ آپ ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم مولانا مشیت اللہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند اور شیخ الہند کے تلمیذ رشید تھے۔

امیرالہند کی تعلیم کی ابتدا مدرسہ رحیمیہ بجنور سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ از ہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں سے آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور دیگر اکابر اساتذہٗ دارالعلوم سے شرف تلمذ حاصل کرتے ہوئے ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ بھی اپنے آبائی پیشے زمینداری کی نگرانی کرنے لگے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کو مجلسِ شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی طلب پر ۱۹۸۱ء میں آپ کو مجلس شوریٰ نے دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم کے منصب پر فائز کیا اور پھر ۱۹۸۲ء میں حضرت حکیم الاسلام کے استعفیٰ کی منظوری کے بعد آپ کو مہتمم دارالعلوم دیوبند کا عظیم منصب سپرد کر دیا گیا جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔

امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی شخصیت دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک عظیم نعمت اور مثالی سربراہ کا درجہ رکھتی تھی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ۱۹۸۲ء کے بعد پیدا ہوئے سخت ترین حالات اور عبوری دور سے باہر نکالا۔ ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے مثالی ترقی کی ہے۔ انھوں نے ایشیا کی سب سے بڑی مسجد رشید تعمیر کرائی اور ان کے ہی دور میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں معیاری انگلش، کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات شامل کیے گئے اور ان کے لیے باضابطہ شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ تحفظ ختم نبوت اور رابطہ مدارسِ اسلامیہ کی مہم مولانا مرحوم کے اہم کارناموں میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کے دورِ اقتدار کی خاص بات یہ رہی کہ طلباء و ملازمین ان سے ہر طرح خوش اور مطمئن رہے۔

اپنی ان جملہ خدمات کا آپ نے کبھی دارالعلوم سے نہ صرف کوئی معاوضہ نہ لیا بلکہ اپنی جیب خاص سے رہائش گاہ، پانی اور بجلی کے لیے ایک خطیر رقم عطا فرماتے رہے۔ آپ کا ویسے بھی دارالعلوم کے خصوصی معاونین میں شمار ہوتا رہا ہے۔

مولانا مرحوم جرأت اور اصابتِ رائے کے لیے مشہور تھے۔ وہ مفادِ دارالعلوم میں جو بھی فیصلہ لیتے انتہائی غور وفکر کرنے کے بعد ہی لیتے اور جو فیصلہ لے لیتے اس پر پوری طرح قائم رہتے تھے۔ آپ نے بیرونی ممالک بالخصوص مغربی ممالک میں کافی شہرت حاصل کی۔ عالم اسلام کی اہم شخصیات میں سب سے پہلے جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے ہی امریکہ کو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد کہا تھا۔ انھوں نے اپنے دورِ اہتمام میں ہمیشہ دارالعلوم کو سیاست سے دُور رکھا۔

حسنِ سیرت انسانی زندگی کا سب سے بڑا کمال اور اوصاف وفضائل کا دلآویز گلدستہ ہوتا ہے جن میں سے کچھ اخلاقی خوبیاں ہیں اور کچھ شمائل و خصائل، صورت کے حسن اور زیبائی سے زیادہ انھیں کمالات کا اجتماع انسان کی زندگی میں مطلوب ومقصود ہے۔ خدائے پاک کے فضل ورحمت سے جس کو یہ دولت میسر آ گئی وہ دین ودنیا میں کامیاب زندگی کا مالک ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام نے مکارم اخلاق پر کس قدر زور دیا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل وتعلیم ہی قرار دیا۔ امت کے وہ نمایاں افراد جو کائنات میں سیرتِ نبویؐ کی متحرک تصویریں تھیں، اخلاق و عادات کی خوبیوں کا مرقع تھے، مولانا مرحوم کو خدائے پاک نے منموہک بنانے کے ساتھ پسندیدہ اخلاق وکردار سے بھی نوازا تھا۔ آپ کا خورد ونوش، لباس و پوشاک سب چیزیں بے تکلف سنت کے ڈھانچے میں ڈھل گئی تھیں۔ مولانا موصوف اپنی تہذیب وروایات اور اقدار کے لحاظ سے جس قدر خلیق، متواضع، حلیم مزاج اور ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے تھے، اسی قدر دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور اور مفادِ دارالعلوم میں لیے گئے فیصلوں کو نافذ کرنے میں سخت گیر بھی تھے، جس کے سبب وہ کئی بار ہدف تنقید بھی بنے

لیکن دارالعلوم کے تحفظ اوراس کے فروغ کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔مفادِ دارالعلوم ان کے یہاں ہر اعتبار سے مقدم تھا۔

مولانا مرحوم ایام طفلی سے ہی بیشمار خوبیوں اور ہمہ صفت و ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ان کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔آپ کے والد محترم بھی دل کے غنی،عقیدہ کے مومنِ کامل،عمل کے مسلمان،بھولے پن اور سادگی کے پیکر تھے۔مالدار ہوتے ہوئے بھی دنیاوی کروفر سے کوسوں دور رہتے تھے۔مہمان نوازی اور علماء پروری کے لیے دور دور تک مشہور تھے۔معمولی لباس کرتا پائجامہ استعمال کرتے تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنی زمینداری کی نگرانی میں لگ گئے،لیکن مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند مسلسل آتے جاتے رہے۔رفقاء و اساتذہ کی خدمت اور بحیثیت رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم کے انتظامی امور میں آپ کا خاص تعاون تھا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد ۲۰۰۶ء میں امیر الہند کے منصب پر فائز کیا گیا جس پر آپ تادمِ واپسیں قائم رہے اور اپنی علمی و دینی وجاہت سے اس عہدۂ جلیلہ کو عظمت بخشی۔آپ نے مسلسل تیس سال تک دارالعلوم دیوبند کی مسندِ اہتمام کو زینت بخشی۔اس دوران آپ نے اپنے پروقار برتاؤ سے نہ صرف طلباء و اساتذہ کو متاثر کیا بلکہ منجانب اللہ عطا کردہ تربیت کی خصوصی نعمت کو بھی آخر تک زندہ رکھا۔آپ کی زیرتربیت دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت لے کر نکلنے والے ہزارہا ایسے طلباء کی جماعت موجود ہے جن میں نہ معلوم کتنے عارف باللہ قطب وقت دین کے رمز شناس اور علم وعمل کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں اور جن کی ایک بڑی تعداد آج مختلف معتبر اداروں میں مسندِ انتظام و اہتمام انتہائی سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہے۔ظاہر ہے کہ حیاتِ اُخروی کے لیے یہ آپ کا ایک ایسا سرمایہ ہے جو آپ کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ صبح ساڑھے دس بجے جیسے ہی مولانا مرحوم نے اپنی آخری سانس لی فوراً ہی اس کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔پورا ماحول سوگوار ہوگیا اور لوگوں کا ایک ہجوم بجنور اور دیوبند کی طرف چل پڑا۔ پہلے بجنور میں بعد نماز ظہر چار بجے نمازِ جنازہ ہوئی پھر جنازہ دیوبند کے لیے روانہ ہوا۔راستہ میں جگہ جگہ عوام کا ہجوم حضرت کے دیدار کے لیے پلکیں بچھائے ہوئے کھڑا تھا۔ رات کو نو بجے جنازہ دیوبند پہنچا جہاں پہلے ہی سے دس ہزار سے زائد طلباء، علماء اور عوام حضرت کے جسدِ خاکی کی زیارت کے لیے کھڑے تھے۔رات کو گیارہ بجے دوسری نمازِ جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن نے پڑھائی اور اس کے بعد پرنم آنکھوں کے ساتھ آپ کو مزارِ قاسمی میں پیوند خاک کردیا گیا۔

امیر الہند کی حیاتِ مبارکہ کے پچھتّر سال دارالعلوم دیوبند کے سایہ میں گزرے ہیں۔دراصل آپ کی شخصیت ایک ایسے شجرِ سایہ دار کی مانند تھی جس کی ٹھنڈی اور دل آویز چھاؤں یاس وحرماں کے انتہائی افسردہ ماحول میں فرحت بخش ہوا کرتی ہے۔مولانا مرحوم کی ایک سو سالہ زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے قیمتی پچھتّر سال یا تو دارالعلوم کے زیرسایہ طلبِ علم میں گزرے یا بحیثیت رکن شوریٰ و معاون مہتمم یا پھر بحیثیت مہتمم گزرے ہیں۔اس طرح آپ کی تین چوتھائی زندگی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں ہی گزری جس کی تحریک آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

بہرحال مولانا مرحوم اس دنیا میں آئے اور اپنی زندگی کے ایک سو برس انتہائی کامیاب و بامراد طریقہ پر گزار کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔انھوں نے اپنی زندگی کے جو تابناک علمی و عملی نقوش چھوڑے ہیں وہ ان شاء اللہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔

مولانا مرحوم کی وفات سے علم وسیاست کی بزم میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا افسوس کرنے والے اور اس خلا کو محسوس کرنے والے بہت ہیں،لیکن اخلاق وانسانیت کی صف اوّلین اور شہ نشین میں جو جگہ خالی ہوئی ہے،اس کا احساس کرنے والے شاید کم ہیں۔شاید اس لیے کہ انسانیت کو کوئی ایسا مرتبہ نہیں سمجھا جاتا کہ کسی بزرگ یا عالم کو اس معیار سے جانچا جائے اور کسی ''مردِ کامل'' کے اُٹھ جانے سے کوئی خلا محسوس کیا جائے،مگر میرے نزدیک آدمیت کے اس قحط اور انسانیت وانحطاط کے اس دور میں مولانا کا حادثۂ وفات ایک بڑا اخلاقی خسارہ اور حادثہ ہے۔

اللہ پاک مولانا کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے،آمین۔

اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

# ایک چراغ اور بجھا

مولانا محمد یوسف قاسمی، مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ قاسم العلوم تیوڑہ، مظفر نگر

اس عالم رنگ و بو میں انسانوں کا مرنا اور جینا کوئی حیرت انگیز واقعہ اور کوئی انوکھی بات نہیں، روزانہ ہی بے شمار انسان اس دنیا سے جاتے ہیں اور یہ خاکِ ارض ان کو ہضم کرجاتی ہے، اور ان کی موت پر کوئی کف افسوس ملنے والا بھی نہیں ہوتا، لیکن پروردگار عالم نے اس عالم میں بعض ایسی عظیم المرتبت شخصیات بھی پیدا فرمائی ہیں جن کی وفات ہزاروں انسانوں کو سوگوار بنادیتی ہے، جن کے جانے پر پورا ملک بلکہ پوری ملت لرزہ براندام اور آہ و بکا میں مصروف نظر آتی ہے، اور یہ بات اس شخصیت کے لیے ہوتی ہے، جس کے دل میں خدمت دین کا جذبہ رہا ہو، جس نے اپنی زندگی میں تحفظ دین و مذہب کا بیڑا اٹھایا ہو اور اس راہ میں اس نے اپنی توانائیاں صرف کی ہوں۔ جب کبھی ایسے لوگوں کی یاد آتی ہے تو دل غمزدہ، آنکھیں اشکبار اور انسانی وجود دل فگار و بے قرار ہو جاتا ہے۔

ایسی ہی باعظمت، جامع کمالات امیرالہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً کی شخصیت تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کے سانحۂ ارتحال سے پوری ملتِ اسلامیہ سوگوار ہوئی اور ملک کے طول و عرض نیز بیرون ملک کئی روز تک تعزیتی پروگراموں کا سلسلہ رہا:

ہم نے چاہا تھا کہ نہ ہو صبح فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں

ابھی چند مہینے قبل دارالعلوم کی ایک قدآور شخصیت استاذ الاساتذہ محدث جلیل حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، پھر ان کے بعد حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کے غم کو محبین دارالعلوم بھلا نہ پائے تھے کہ ایک اور ستودہ صفات شخصیت کی وفات کا غم آپڑا، "**اللھم ارحمنا برحمتک وافرغ علینا صبرک...... العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقک یا مرغوب الرحمن لمحزونون ولا نقول الا مایرضی ربنا.**"

آپ کے اوصاف حمیدہ و معمولاتِ زندگی کا صحیح نقشہ تو وہی کھینچ سکتا ہے جو آپ کے یہاں حاضر باش رہا ہو، لیکن آپ کی امانت و دیانت کا شہرہ ہر شخص کی زبان پر رہا ہے، اس حقیقت کو تقریباً ہر شخص جانتا ہے کہ آپ نے دارالعلوم کی خدمت حسبۃً للہ انجام دی ہے، اپنے تیس سال دورِ انتظام میں آپ نے نہ کوئی تنخواہ لی، نہ سفرخرچ، بلکہ دارالعلوم کے جس کمرے میں قیام تھا اس کا کرایہ، بجلی و پانی کا بل اپنی جیبِ خاص سے ادا فرماتے تھے، اور طلبہ کے درمیان بھی یہ بات مشہور تھی۔

اسی طرح آپ نہایت سادگی پسند اور زاہد فی الدنیا واقع ہوئے تھے، حالانکہ آپ رئیس زادے، اور صاحبِ مال و جائداد تھے، آپ کے گھر کا معیار زندگی بلند تھا، کئی مرتبہ آپ کے کمرے میں جانا ہوا، لیکن آپ کے کمرے کی سادگی دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپ کا کمرہ اپنے معیار اور سہولیات کے اعتبار سے عام مدرسین کی رہائش گاہوں سے بہتر نہیں تھا، حالانکہ آپ ہر قسم کی سہولت فراہم کرسکتے تھے، ہمیشہ سادہ لباس، سادہ کھانا، سادہ زندگی، سادہ طرز معاشرت۔

نماز باجماعت کے پابند تھے، نماز کے بعد دیر تک دُعا و مناجات میں مصروف نظر آتے تھے، اسی طرح کبرسنی و کمزوری کے باوجود، دل و دماغ مکمل طور پر حاضر، سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت اور ذہنی استحضار بدرجۂ اتم آخر تک موجود رہا۔

تقریباً دو سال قبل کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا، مولانا عبداللطیف صاحبؒ کو دیکھتے ہی فوراً پہچان لیا اور نام لے کر خیریت پوچھی، اندازہ ہوا کہ اتنی عمر اور قوی جسمانی کے کمزور ہونے کے باوجود اتنی حاضر دماغی اللہ تعالیٰ کا انعام اور دارالعلوم کی خدمت کی برکت ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم و باکمال شخصیت کے بعد حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی سربراہی میں دارالعلوم کی ہم جہت ترقی میں یقیناً آپ کے تدبر و فراست، معاملہ فہمی، اعلیٰ ہمتی اور خلوص وللّٰہیت کا بڑا دخل ہے، دارالعلوم کو اس مقام تک پہنچانے میں جو کردار آپ نے ادا کیا وہ انتہائی قابلِ قدر اور لائق ستائش ہے۔

آپ کے اوصافِ حسنہ میں حلم و بردباری اور عفو درگزر بھی ایک اعلیٰ اور لائق تعریف وصف تھا جس کی وجہ سے اتنا بڑا انظام چلانا اور مختلف طبیعتوں کے افراد کو ایک ساتھ لے کر چلنا آپ کے لیے ممکن ہوا۔

آپ کے ۳۰ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے تعلیمی وتعمیری ہر میدان میں ترقی کے منازل طے کئے، وقت اور حالات کے مطابق بہت سے شعبہ جات قائم ہوئے، مثلاً تخصص فی الحدیث، شعبۂ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ محاضرات، شعبۂ انگریزی، شعبۂ انٹرنیٹ، شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ کمپیوٹر وغیرہ۔ ان شعبوں کے ذریعہ دارالعلوم کی خدمت کا دائرہ وسیع ہوا اور ہر میدان میں رجال سازی ہوئی۔

ان تمام خدمات کے باوجود حضرت مہتمم صاحبؒ کے طرزِ عمل اور سادگی کے پیشِ نظر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نام ونمود اور شہرت وتعریف کی طلب سے کوسوں دور تھے۔ آپ "**خیر الناس من طال عمره و حسن عمله**" الحدیث۔ (بہترین انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی ہوا اور عمل اچھا ہو) کا مصداق تھے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرمائے، اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان (اہلیہ محترمہ، مولانا انوار الرحمٰن صاحب وغیرہ) کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ □□

# بن گیا ماتم کدہ سارا جہاں

**مولانا احمد سعید احمد قاسمی**، بھوپال

اب کہاں وہ ہستیاں وہ مقتدا وہ راہبر
دُور تک سونی پڑی ہے راہگذارِ زندگی

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند **مبرد الله مضجعه** کا سانحۂ ارتحال ایک عظیم حادثہ ہے۔ اکابر علماء ہم سے رخصت ہوتے جارہے ہیں۔ رنج وغم کا احساس ایک فطری تقاضا ہے۔ اچانک جب کوئی دل گداز خبر کانوں میں آتی ہے تو دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے اور دل کی گہرائیوں میں غم واندوہ کا ایک طلاطم موجزن ہوجاتا ہے لیکن فرمانِ ایزدی میں کس کی مجال ہے جو چون وچرا کرسکے اس لیے ایک مردِ مومن کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ موت کا وقت مقرر ہے **اذا جاء اجلهم لايستاخرون ساعة** (الآیۃ)

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے
بھول مت نادان آخر موت ہے
اس سے بچ پایا نہ بچ سکتا کوئی
سب کی لے گی جان آخر موت ہے

امیر الہند قدس سرہٗ کا انتقالِ پرملال قوم وملت کا بہت بڑا سانحہ ہے۔ موصوف نے اسلاف کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جس خوبی و سنجیدگی اور متانت کے ساتھ بہترین اسلوب سے دارالعلوم دیوبند کی خدمت انجام دی اور ایثار وقربانی کی مثال پیش کی ہے وہ سنہرے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ موصوف کے سانحۂ ارتحال کی خبر ہوا کی طرح سارے عالم میں پھیل گئی اور سارا جہاں ماتم کدہ بن گیا:

بن گیا ماتم کدہ سارا جہاں
جب سنا وہ راہنما رخصت ہوا

ہندوستان کے علاقہ اور مدارس میں قرآن خوانی ودعائے مغفرت کی گئی۔ یہاں بھوپال اور سرونج میں بھی ایصالِ ثواب کیا گیا۔

مولانا مرحوم اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی کریمانہ عنایت سے جنت کے مقاماتِ علیا سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

# چمن سے کون گیا ہے...

مولانا صفوان احمد حلیمی قاسمی جونپوری

سبھی موجود ہیں جام وسبو ساقی و پیمانہ نہیں لیکن کوئی ہے میکدے میں پیر میخانہ
جہاں پرشادمانی تھی سدا رحمت برستی تھی وہاں چھایا ہوا ہے آج ویرانہ ہی ویرانہ

یہ خبر ہم پر ایک صاعقہ بن کر گری، ہوش وحواس معطل ہو گئے، قلم جنبش سے انکار کرنے لگے کہ ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کا سالارِ قافلہ اور میرِ کارواں طلبہ کا خیر خواہ، دارالعلوم میں تقریباً تین دہائیوں تک اہتمام کی نازک ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے والا شخص یعنی امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ اِس دنیائے فانی سے رُخ موڑ کر اپنے اُس خالق حقیقی سے جا ملے، جس نے ہر انسان کو عدم سے وجود بخشا، جس نے بنی آدم کو ماءِ مہین سے پیدا کر کے خوبصورت شکل وصورت میں ڈھالا، اور اسے اشرف المخلوقات بنایا، ویسے تو ہر ایک انسان کو ایک نہ ایک دن اِس دنیائے آب وگل سے کوچ کرنا ہے، اس دنیائے رنگ و بو سے اپنا ناطہ توڑ کر اپنے اعزاء واقرباء کو غمزدہ اور روتا بلکتا چھوڑ کر جانا ہے، لیکن کچھ انسان ایسے قیمتی اور اعلیٰ صفات کے مالک ہوتے ہیں کہ جن کا اِس دنیا سے رحلت کر جانا صرف ایک انسان کا نہیں بلکہ ایک امت سے اس دنیا کا خالی ہونا سمجھا جاتا ہے۔ پہاڑ اور پہاڑی غاروں پتھر کے ٹکڑوں اور سنگریزوں کی تعداد حد وشمار سے خارج ہوتی ہے، جنھیں انسان اور جانور ہر وقت پامال کرتے رہتے ہیں، لیکن انھیں میں کوئی سنگریزہ لعل ویاقوت بن کر نکل آتا ہے جس کی قیمت پوری ایک سلطنت کی آمدنی کے برابر ہوتی ہے، اس کو اگر کوئی توڑ ڈالے تو دل پر کیا گزرے گی؟ سمندر میں بے شمار قطرے ہر سال گرتے رہتے ہیں جو کسی حساب و کتاب میں نہیں آتے، لیکن انھیں میں سے چند قطرے وہ بھی ہوتے ہیں جو آغوش صدف میں مل کر موتی بن کر ملتے ہیں اور تاج سلطانی کا زیور بنتے ہیں، ان کو کوئی سمندر میں پھینک دے تو دل کو کیوں کر صبر وقرار آئے گا؟ جنگل میں خودرو پھول اور پتے، درخت اور پودے، بوٹیاں ہزاروں قسم و ہزاروں رنگ کی پائی جاتی ہیں جو جانوروں کی غذا کا کام دیتی ہیں، لیکن گلاب کی تازہ وشاداب کلی جو بزم ہستی کو معطر کرنے کے لیے ہوتی ہے، یہ کلی اگر خزاں کی دست برد ہو جائے تو دل کو کیسے قابو میں کیا جا سکتا ہے، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے ۱۳۳۲ھ میں اس ظلمت کدہ میں آنکھیں کھولیں، لیکن یہاں کی فضا کو شاید اپنے غیر موافق پا کر ۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ ہم سب 'اسی' کے ہیں اور سب 'اسی' کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

آنکھیں شکبار کہ عالم انسانیت کے اس گوہر نایاب کو کہاں تلاش کریں، اس جوہر آبدار کو کہاں ڈھونڈیں، قلب مضطرب کہ کائنات آب وگل کے اس نعمت بے بہا کے بغیر کیونکر آرام پائے، عقل حیران کہ گلشن بشری کے اس گل رعنا کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا جائے، لیکن غیب کا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اس قید خانۂ عنصری میں صرف اسی وقت روحوں کو مقید رکھا جاتا ہے جب تک وہ اپنی تربیت نہ حاصل کر لیں، ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے ہر نفس کے لیے سانسوں کی تعداد متعین ہے، وہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی ہے، قرآن کریم میں ہے ''ان اجل اللہ اذا جاء لایؤخر'' اور پھر ہمیں یقین ہو گیا کہ ہمیشگی صرف ایک ذات یکتا صفات خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ہیں، **کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام**۔ ۱۹۶۲ء میں آپ دارالعلوم کی مؤقر مجلس شوریٰ کے رکن بنائے گئے۔ آپ کے والد محترم اور آپ کے دادا بھی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو ترقی مل گئی، اور آپ کو معزز ارکان شوریٰ میں شمار کیا جانے لگا۔ آپ نے دارالعلوم کی خدمت انتہائی اخلاص ولگن سے کی، چنانچہ دارالعلوم کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحب علیہ الرحمہ کی مساعد مہتمم کی درخواست پر آپ کو ان کا مددگار مہتمم منتخب کیا گیا، اور پھر ۱۹۸۲ء میں آپ کو مہتمم اعلیٰ بنایا گیا، اس وقت سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک آپ اس اہم عہدہ پر فائز رہے، اور آپ نے اپنی ذمہ داری بخوبی نبھائی۔ دارالعلوم دیوبند کو سازشوں اور بری تدبیروں سے ہر ممکن حد تک بچایا۔

آپ نہایت صاف گو، متواضع اور ذکی تھے، حق بات کے کہنے میں کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے، نوافل وغیرہ سے حد درجہ شغف رکھتے تھے، اور گھنٹوں اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے رہتے تھے۔ آپ کو انتظامی امور میں زبردست صلاحیت تھی۔ پھلوں کے موسم میں آپ اساتذۂ دارالعلوم وملازمین اور معزز اہل دیوبند کی آموں کی دعوت کرتے، کوئی بھی مہمان خواہ وہ مدرسہ کے کام سے آیا ہو مولانا اس کی ضیافت کے لیے دارالعلوم فنڈ سے کبھی کچھ نہ لیتے، اساتذہ کرام کی ہمیشہ خبر گیری کرتے، اتنے بڑے گھرانے سے ہونے کے بعد آپ ہمیشہ سادگی پسند رہے، مولانا بدرالدین اجمل صاحب آسامی (ایم پی) اور دوسرے لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے دارالعلوم کے اس کمرے میں جس میں آپ مقیم تھے، کوئی تبدیلی کروانا پسند نہ کیا، اب جبکہ مولانا ہمارے بیچ نہیں رہے، تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے عادات واخلاق کو اپنائیں۔ اور اللہ سے دُعا کریں کہ مولاناؒ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے، اور ان کے ساتھ اپنی شایانِ شان معاملہ فرمائے۔ آمین۔ ◻◻

# حضرت مہتمم صاحبؒ کے انمٹ نقوش

مولانا سراج الدین قاسمی (جامعہ ناصر العلوم، کانٹھ، مرادآباد)

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کا سورج دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک افسوسناک خبر لے کر نمودار ہوا جب دارالعلوم دیوبند کے سپہ سالار حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ تقریباً تیس سال منصبِ اہتمام پر فائز رہتے ہوئے زندگی کی سو بہاریں دیکھ کر اس دُنیا کو الوداع کہہ گئے۔

یوں تو ہر بشر دنیا میں آتا ہی جانے کے لیے ہے۔ چنانچہ دن بدن یہ سلسلہ جاری ہے، جس پر کچھ وقت کے لیے اہلِ خانہ، عزیز و اقارب ایک فطری غم سے دوچار ہوتے ہیں اور بس! لیکن کچھ لوگ دنیا سے جاتے جاتے اپنے پیچھے اخلاق و کردار کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو چاہنے کے باوجود بھلائے نہیں جاتے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ انھیں میں سے ایک فردِ فرید تھے جنھوں نے تادیر یاد رکھے جانے والے بہت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو دارالعلوم کی تاریخ کا ایک زرّیں باب بن گئے۔ حضرت والا گو اچھے خطیب، شاندار واعظ نہ تھے، بہترین ادیب، کامیاب مدرّس سے بھی آپ کی شناخت نہ تھی لیکن نہایت مخلص، متقی، امین، صالح، متواضع، سیدھے سادے، ملنسار، بردبار، کم گو، نیک خو واقع ہوئے تھے۔ بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کے متموّل مگر آپ کی رہائش، لباس، پوشاک، خورد و نوش تمام چیزیں متوسط بلکہ کہیے ادنیٰ درجہ کی تھیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام قابلِ رشک تھا۔ اخلاف کے لیے قابلِ تقلید و لائقِ دید ایک خاص وصف حضرت کے اندر یہ تھا کہ آپ جماعت کے مقررہ وقت سے کافی پہلے مسجد میں آجاتے، سننِ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ادا فرماتے پھر متوجہ الی اللہ رہتے، جماعت کے بعد سنن و نوافل سے فراغت کے بعد دعاء کا اہتمام فرماتے، کبھی کبھار قیام گاہ سے آنے میں تاخیر اور مسجد کا اندرونی حصہ پر ہونے کی وجہ سے صحن ہی میں نماز ادا فرماتے۔ جماعت سے فراغت پر پانچ دس منٹ بعد مسجد خالی ہوجاتی اور حضرت بلاتکلف و جھجک دونوں ہاتھ سینہ کی محاذات تک اُٹھا کر دعا مانگتے رہتے اور کچھ طلبہ تو حیرت بھی کرتے کہ دیکھو مہتمم صاحب کتنی دیر سے دعا میں مصروف ہیں۔

راقم الحروف کو حضرت مہتمم صاحبؒ سے باضابطہ کوئی ربط و تعلق تو نہ رہا البتہ ۱۴-۱۴۱۳ھ میں دورۂ حدیث شریف میں علالت کی وجہ سے عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے ترجمانی کی خدمت جب احقر کے سپرد رہی تو چوتھا گھنٹہ (بخاری شریف جلد اوّل) کی ابتداء میں حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ کی خدمت میں دفتر اہتمام جانا ہوتا تھا۔ حضرت اس وقت نائب مہتمم تھے، تو اکثر دیکھا کہ مہتمم صاحب اپنے نائب سے بہت سے امور میں مشورہ فرماتے اور نائب صاحب دوزانو بیٹھے 'جی جی' کہہ کر تائید فرماتے رہتے یا اچھے انداز سے تبدیلی فرماتے۔

مہتمم اور منتظم چھوٹے مکتب و مدرسہ کا ہو یا کسی مرکز و ادارہ کا وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے ماتحتوں کو کام سونپنے کے بعد اس کام سے متعلق تمام اختیارات بھی اسی کے سپرد کردے اور جو حضرات "گھر کے مالک آپ کوٹھی کٹھلوں کو ہاتھ مت لگائیو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں (اور کررہے ہیں) وہ نہایت خاسر و ناکام رہتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب باوجود اقتدارِ اعلیٰ کے اس کا خاص خیال رکھتے تھے کہ جو کام جس شعبہ سے متعلق ہوتا وہ اسی کے نگراں و ذمہ دار کے حوالہ کردیتے، خود اس میں دخیل نہ ہوتے۔ اسی طرح آج یہ مرض بھی عام ہوتا جارہا ہے کہ کچھ لوگ بشمول اساتذہ و طلبہ منتظم و سربراہ سے وقتی تعلق بلکہ کہیے کہ تملق دِکھا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں اور سربراہ کی غفلت یا مسامحت کی وجہ سے یہ مفاد پرست کامیاب بھی ہوجاتے ہیں، لیکن حضرت مہتمم صاحبؒ نے کبھی اپنے خادم، متعلق یا متملّق کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ حضرت سے اپنا مطلب دارالعلوم سے پورا کرالیتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود ہمارے ساتھ ایسا ہوا کہ احقر کی سیٹ دارِ جدید فوقانی منزل کمرہ نمبر ۷۶ میں تھی۔ مجموعی طور پر کمرہ کی وسعت کی بقدر اس کمرہ میں آٹھ یا نو سیٹیں ہوا کرتی تھیں۔ دسویں سیٹ اس لیے ممکن ہی نہ تھی کہ تمام ساتھیوں کے پاس اپنی اپنی چارپائی یا تخت تھے (گو اُس وقت دارالعلوم میں اس کا عام رواج نہ تھا)، تو برابر کی سیٹ والے ساتھی نے اپنے بھائی جو کہ درمیانِ سال سماعت کرنے دارالعلوم آگئے تھے، کی سیٹ اپنے ساتھ انضمام کرنے کی ناکام کوشش کی اور منع کرنے پر انھوں نے حضرت مہتمم صاحب کے حوالہ سے یہ جواب ٹانک دیا کہ "میں مہتمم صاحب سے بات کرآیا ہوں"۔ یہ ساتھی حضرت کے خادم یا خاص متعلق تو نہ تھے البتہ "شناسا" ضرور تھے۔ ان کا یہ جواب سن کر ہم مبہوت ہوکر رہ گئے۔ حضرت مہتمم صاحب کی اجازت کے بعد ہماری کیا مجال کہ ہم چون و چرا کرسکیں۔ دن دو دن گزرے، حیران و پریشان کہ حضرت نے کیسے اجازت دے دی؟ اور اگر سیٹ ہوگئی تو میرا الماری تک پہنچنے کا راستہ مسدود ہوکر رہ جائے گا۔ چارپائی سے کنارہ ہوکر اُترنے کی جگہ نہیں رہے گی، پائینتی ہوکر اُترنا ہوگا، تو حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں جانے کا ارادہ بنایا۔ کمرہ کے دیگر ساتھیوں نے ہمت بندھائی اور غالبًا ایک دن ظہر کے بعد جا پہنچا۔ سلام کے بعد عرض کیا کہ "حضرت کیا فلاں (نام لیا) آپ سے کمرہ ۷۶ دارِ جدید

میں ایک سیٹ کرا کر لے گئے ہیں؟'' فی البدیہہ حضرتؒ نے غضبناک ہوکر فرمایا ''ہم نے کسی کی کوئی سیٹ ویٹ نہیں کری ہے۔ جاؤ، وہاں جاؤ، وہاں پتہ کرو کیا بات ہے؟'' (ناظم دارالاقامہ کی طرف اشارہ فرمایا)

اندازِ گفتگو سے یہ مترشح ہورہا تھا کہ مذکورہ ساتھی نے حضرت سے بوقتِ ملاقات اس مسئلہ پر گفتگو ضرور کی ہوگی اور سیٹ کرانے کی اپنی سی کافی کوشش کی ہوگی لیکن حضرت نے انکار کردیا ہوگا اور دارالاقامہ ہی کی راہ ان کو بتلائی ہوگی۔ انھوں نے حضرت سے شناسائی کی بنیاد پر مہتمم صاحبؒ سے یہ سب کرانا چاہا لیکن مہتمم صاحبؒ نے اصول وضوابط کو ترجیح دی اور اپنے تعلقات کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان ساتھی کو جب ہمارے دفتر اہتمام تک پہنچنے کی آہٹ محسوس ہوگئی تو یہ خود ہی پریشان ہوگئے اور سیٹ ویٹ سب بھول گئے اور اس طرح ان کا جھوٹ فاش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقوش پر عمل پیرا فرمائے اور مہتمم صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، آمین! □□

# الوداع! اے بے لوث خادمِ دیں الوداع!

## اشرف عباس

گزشتہ ۸/اکتوبر کو کارگزار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب کی اچانک رحلت کے جانکاہ حادثہ کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ کل بوقت صبح ۸ دسمبر ۲۰۱۰ء دارالعلوم دیوبند کے مستقل مہتمم امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ بھی طویل علالت کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے ۱۹۱۴ء میں بجنور کے ایک زمین دار اور دیندار خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ والد گرامی مولانا مشیت اللہ صاحب شیخ الہندؒ کے شاگرد، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رفیق درس اور دارالعلوم کے مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی ہوئی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے جہاں سے ۱۹۳۲ء میں فراغت ہوئی۔ فراغت کے بعد اپنے وطن میں ہی قیام کیا۔ سادگی، بےنفسی، تقویٰ وطہارت اور خلوص وللّٰہیت جیسی اہم صفات کے جامع تھے۔ حضرت مہتمم صاحب نے اتنے طویل عرصہ تک دارالعلوم کی جو بےلوث خدمت کی ہے وہ یقیناً مولانا کے حسنات میں جلی حروف سے لکھی جائے گی۔ وہ خطۂ برصغیر کے مؤقر اور ہمہ گیر اثرات رکھنے والی اسلامی یونیورسٹی کے سربراہ ہوتے ہوئے بھی جس سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے کے عادی تھے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ورع وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب تک دارالعلوم کے مطبخ سے کھانے منگواتے رہے اس کی فیس جیب خاص سے ادا کرتے رہے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی دارالعلوم کے لیے وقف کررکھی تھی اور اس کے بدلے میں دارالعلوم سے ایک پائی بھی نہیں لیتے تھے، بلکہ ہر سال ایک خطیر رقم دارالعلوم کو چندہ کے طور پر دیتے تھے۔ اگر کبھی کسی ضرورت سے دارالعلوم کی گاڑی کے استعمال کی نوبت آتی تو طے شدہ ضابطہ کے مطابق اس کے ایندھن کا خرچہ بھی اپنی جیب خاص سے دارالعلوم کو ادا کردیتے تھے۔ اس عہدہ پر رہتے ہوئے اس درجہ احتیاط کی روایات تقریباً ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں جب احقر دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا تو اس وقت میرے ایک درسی ساتھی مولوی قمر الحسن صاحب حضرت مہتمم صاحب کی خدمت کرتے تھے، مطبخ سے کھانا لاکر اس کی اصلاح بھی ان کے ذمہ تھی، ایک بار انھوں نے مجھے بتلایا کہ آج عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں نے حضرت مہتمم صاحب سے کہا کہ کچھ پیسے دیجیے تاکہ میں بازار سے پیاز لاکر کھانے کی اصلاح کرلوں۔ اسی دوران چند ہم مہمان آگئے، حضرت مہتمم صاحب ان سے محو گفتگو ہوگئے۔ میں نے تاخیر سے بچنے کے لیے یہ کیا کہ دارالعلوم کے مطبخ سے دو تین پیاز لے آیا اور مہتمم صاحب کا کھانا تیار کرکے دسترخوان پر لگادیا۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہی مہتمم صاحب نے مجھ سے استفسار کیا کہ تم نے کہا تھا کہ پیاز نہیں ہے، تو میں سالن میں پیاز کے اثرات کیسے محسوس کررہا ہوں؟ اس پر میں نے حقیقت عرض کردی، یہ سننا تھا کہ مہتمم صاحب نہایت خفگی کے عالم میں دسترخوان سے اُٹھ گئے اور فرمایا دارالعلوم کی اشیاء طلبہ کی امانت ہے۔ میں اپنی ذات کے لیے ایسی کسی بھی چیز کے استعمال کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتا۔ تم ابھی جاؤ اور دارالعلوم کے دفتر محاسبی میں میرے نام سے دس روپے جمع کرکے آؤ۔ میں بھاگم بھاگ دفتر محاسبی پہنچا، دس روپے جمع کرکے اس کی رسید لی، اور وہ رسید لاکر حضرت مہتمم صاحب کو دکھلائی تب جاکر آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک چھوٹا واقعہ ہے لیکن بڑے آدمیوں کی شخصیت کا اندازہ انھیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے لگایا جاتا ہے بلکہ میرے خیال میں موجودہ معاشرہ میں اپنے آپ میں یہ ایک انتہائی غیر معمولی واقعہ ہے۔

حضرت مہتمم صاحب نے ہمیشہ اپنے آپ کو سیاست کے بکھیڑوں سے پاک رکھا۔ ان کی ساری تگ ودو کا خلاصہ صرف دارالعلوم تھا اور اپنی عمر گراں مایہ کا بڑا حصہ اس طرح اس کی خدمت کرتے ہوئے گزاردیا کہ طلبہ اور اساتذہ جو عموماً اپنے مہتمم سے شاکی ہوتے ہیں، آپ کے اخلاص، انابت، صفائی باطن اور ورع وتقویٰ کی وجہ سے ہمیشہ آپ کی عظمت وعقیدت کے گیت گاتے رہے اور آئندہ بھی گاتے اور ایصالِ ثواب کے اہتمام کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے انشاءاللہ۔ اللہ پاک اپنے اس بےلوث خادم دین کی تربت پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔ □□

# حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کی خدمات ناقابلِ فراموش

**جمال الدین قاسمی**،خادم مدرسہ فخر الاسلام شیر نگر

امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی شخصیت دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک نعمت عظیمہ اور مثالی سربراہ وقائد کا درجہ رکھتی تھی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ۱۹۸۲ء کے بعد رونما ہوئے سخت ترین حالات اور عبوری دَور سے باہر نکالا، ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے مثالی ترقی کی ہے انھوں نے ایشیا کی سب سے بڑی مسجد رشید تعمیر کرائی، اور ان کے ہی دور میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں معیاری انگلش کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات شامل کئے گئے اور ان کے لیے باضابطہ شعبوں کا قیام عمل میں آیا، تحفظ ختم نبوت اور رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مہم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے اہم کارناموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کی توسیع ان کے دورِ اقتدار میں چار گنا ہوئی ہے آپ کے دورِ اہتمام کی خاص بات یہ رہی کہ طلباء وملازمین ان سے ہر طرح مطمئن رہے اور ان کے کم وبیش تین سالہ دورِ اقتدار میں کسی قسم کی کوئی ہڑتال یا طلباء کی جانب سے شورش برپا نہیں ہوئی۔ مولانا کے بارے میں یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ مفاد دارالعلوم میں جو فیصلہ لیتے تھے وہ حتمی ہوتا تھا ان کے سامنے دارالعلوم کے مفاد کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہوتی تھی۔

قابلِ ذکر ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ دارالعلوم دیوبند کے وہ واحد مہتمم رہے جنھوں نے مغربی دنیا میں بھی بڑی شہرت حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند کو شہرت و مقبولیت کی نئی بلندیاں عطا کیں۔ عالم اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سب سے پہلے انھوں نے امریکہ کو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک قرار دیا، مولانا نے دارالعلوم کو ہمیشہ سیاست سے پاک رکھنے کی کوشش کی ان کے دورِ اقتدار میں کسی بھی قسم کا کوئی سیاسی رجحان دارالعلوم سے وابستہ نہیں رہا، جمعیۃ علماء ہند کے تنازع کو بھی انھوں نے آخری حد تک حل کرنے کی کوشش کی ایک بزرگ کے طور پر انھوں نے ثالث کا کردار بھی ادا کیا تاہم وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے جس کے نتیجہ میں انھوں نے اس تنازع کی آنچ سے دارالعلوم دیوبند کو بچانے کے لیے سخت ترین اقدامات کئے اور دارالعلوم میں اہم عہدوں پر فائز، متصادم دونوں گروپوں کے افراد کو اپنے اہم مناصب سے مستعفی ہونے پر مجبور کردیا اور دارالعلوم دیوبند کو جمعیۃ کے تنازع سے محفوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

خاص بات یہ ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اپنی تہذیب و روایات اور اقدار کے لحاظ سے جس قدر خلیق متواضع اور حلیم و ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے تھے اسی قدر دارالعلوم دیوبند کے انتظامی امور اور مفاد دارالعلوم میں لیے گئے فیصلوں کو نافذ کرنے میں سخت گیر بھی تھے جس کے سبب وہ متعدد مرتبہ تنقید کا نشانہ بنے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند کے تحفظ اور اس کے فروغ کے سلسلہ میں آیت باری تعالی **لایخافون لومة لائم** پر عمل پیرا رہتے تھے، مفاد دارالعلوم ان کے یہاں اوّلین ترجیح تھی۔

## آپ کا بچپن اور نسب

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیر الہند ولا نا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ ایام طفلی سے ہی اَن گنت صفات حسنہ اور ہمہ جہت صلاحیتوں سے متصف تھے آپ کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا کر ملتا ہے مولانا کا پورا خانوادہ علم پرور رہا ہے مولانا کو رئیس بجنور وصاحب ثروت ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

۱۹۱۴ء میں بجنور شہر کے علمی خانوادہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم ''مدرسہ رحیمیہ'' بجنور میں حاصل کی تعلیم کے باقی تمام مراحل دارالعلوم دیوبند میں طے کئے۔ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کو آپ نے دارالعلوم میں باضابطہ داخلہ لیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگردوں میں آپ کا شمار ہے مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے ''تکمیل الافتاء'' تک کی تعلیم حاصل کی آپ بذات خود ایک جیّد عالم اور مفتی تھے تاہم آپ نے درس وتدریس کے مشغلہ کے بجائے انتظامی امور کو زیادہ ترجیح دی۔

آپ کے خانوادہ کا تعلق ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے رہا ہے اراکین شوریٰ نے اسی خاندانی دیرینہ تعلّق اور مولانا کی دُور اندیشی اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کا رُکن بنادیا تھا، مجلس شوریٰ کے رُکن کی حیثیت سے آپ کی تجاویز ہمیشہ قابلِ قدر رہیں، اس کے پیشِ نظر جب اُس وقت کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو ایک معاون مہتمم کی ضرورت کا احساس ہوا تو مجلس شوریٰ نے ۱۹۸۱ء میں اس منصب پر مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کو منتخب کیا۔ ۱۹۸۲ء کے انقلاب کے بعد مجلس شوریٰ نے مولانا کو باضابطہ منصب اہتمام پر فائز کردیا، تادم آخر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے بلا تنخواہ وبلا معاوضہ خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا نہ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ یا اپنی کسی خدمت کا معاوضہ لیتے تھے بلکہ اپنی جیب خاص سے اس ادارے کو ایک خطیر رقم عنایت فرماتے تھے اور دارالعلوم میں اقامت کے دوران بجلی پانی اور طعام وغیرہ کے مصارف از خود برداشت کرتے تھے۔ □□

اشتہار (سیاہ)

دارالعلوم محمودیہ پھچھرولی ہریانہ

اشتہار (سیاہ)

مدرسہ معارف القرآن، بڈیڈ

اور

فیض سبحانیہ فیروز پور نمک

# خطباتِ امیرالهند قدس سرہ'

**امیرالهند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مهتمم دارالعلوم دیوبند نے مختلف جلسوں اور اجتماعات میں جو خطبات ارشاد فرمائے وہ ہمارے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے بلاشبہ مشعلِ راہ ہیں۔ مولانا شاہ عالم گورکھپوری نائب ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند لائق شکریہ ہیں کہ انہوں نے ان خطبات کے حصول میں ہمارا تعاون فرمایا۔ ہم ذیل میں مولانا موصوف کے شکریہ کے ساتھ امیرالهند کے حاصل شدہ خطبات پیش کررہے ہیں۔**

## خطبہ استقبالیہ

### بموقع عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۲۹-۳۰-۳۱؍اکتوبر ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العٰلمین و الصلوۃ والسلام علی رسولہ سیّدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اجمعین،

امابعد!

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ آج خدام دارالعلوم کی حقیر دعوت پر لبیک کہنے والا ایک اجتماع سرزمین دیوبند کی رونق میں اضافہ کررہا ہے جس میں ہر طبقہ اور ہر سمت کے گرامی قدر علماء تشریف فرما ہیں، خداوند کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ اس دعوت کو شرف قبول سے نوازنے والے صرف ہندوستان کے علماء نہیں بلکہ بیرونِ ہند کے اربابِ علم ودین بھی ہیں جن کو دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بعثت الی الاسود والاحمر کی عملی تفسیر نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔

اس ایمان پرور اور روح افزا موقع پر ہم خدام دارالعلوم ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے تمام مہمانوں کا صرف رسمی نہیں بلکہ بہ صمیم قلب شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے خالص لوجہ اللہ دور دراز کے سفر کی صعوبت برداشت فرما کر تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی اور خدام دارالعلوم کو یہ موقع بہم پہنچا کہ مسائل پر تبادلۂ خیال کر کے ملتِ اسلامیہ کے سفینہ کو عصر حاضر کے طوفانوں میں ساحل مقصود تک پہنچانے کی جدوجہد کو تیز کرسکیں۔

**مہمانانِ محترم!**

دارالعلوم کی دعوت پر اس قابلِ رشک پذیرائی کا یہ منظر سرزمین دیوبند نے بار بار دیکھا ہے اور اس طرح کی بہاریں اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ بار بار جلوہ ریز رہ چکی ہیں۔ اور آج الحمدللہ یہ بہار پورے آب وتاب کے ساتھ رونق افروز ہے اور ہم اس قافلۂ بہار کے برگزیدہ علماء فرزندانِ قدیم اور اپنے محسنین ومعاونین کا استقبال کررہے ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

**گرامی مرتبت حاضرین کرام!**

اس مبارک ومسعود موقع پر دارالعلوم اور اس کے مسلک سے متعلق یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم روزِ اوّل سے الحمدللہ اسی تہذیبی، عملی اور علمی وراثت کا امین ہے جو اسے عہد خیرالقرون سے قرناً بعد قرن پہنچی ہے، امتِ مسلمہ پر چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی دارالعلوم علم وعمل کے لحاظ سے اسی عہدِ خیرالقرون کا نمونہ ہے، ہمارے یہاں سب سے باکمال وہ ہے جو زمانہ کی دور دراز مسافتوں اور زبان ومکان کے فاصلوں کو طے کر کے اس مجلسِ نبوت میں حاضر ہوجائے جس سے حضرت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مستفید ہوئے تھے۔ غیر متزلزل یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے فرقۂ ناجیہ کی جو علامت "ماانا علیہ واصحابی" بیان فرمائی تھی وہ الحمدللہ پوری طرح دارالعلوم اور اس کے مسلک پر منطبق ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کی آغوش میں جن مایۂ ناز عناصر نے پرورش پائی ہے وہ نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ پوری ملّت اسلامیہ کے صالح ترین عناصر کہلانے کے مستحق ہیں۔ نیز یہ کہ ان صالح عناصر کے ذریعہ دین وملّت کی جو گرانقدر خدمات انجام پائیں ان کی وجہ سے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ دارالعلوم علم وعمل کا صرف محور نہیں بلکہ منبع اور سرچشمہ ہے اور گذشتہ صدی کا تجدیدی کارنامہ اللہ رب العزت نے محض

اپنے فضل وکرم سے دارالعلوم اوراس کے فرزندوں کے ذریعہ انجام دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ اس تجدیدی کارنامہ کی انجام پذیری کی وجہ یہ ہے کہ علمی وعملی طور پر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قرآنِ مجید اور سنتِ پاک پر استوار ہوئی ہے، پھر جو روشنی قرآن کریم اور حدیثِ پاک کے ذریعہ دل و دماغ پر مستولی رہی اس نے احسان سلوک اور فقہ وفتاویٰ کی شکل میں پوری ملّت اسلامیہ کے لیے رہبری رہنمائی کی خدمت انجام دی، چنانچہ رجالِ دارالعلوم کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل میں جو رہنمائی قرآن وسنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں کی گئی وہ الحمدللہ اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اگر چہ گذشتہ صدی اپنی مادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے بہت اہم اور تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ انقلاب انگیز ہے لیکن انسانیت اور مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش نہ کردیا گیا ہو۔

اس باب میں بلا مبالغہ ہدایت کا کوئی رُخ ایسا نہیں ہے جہاں باری تعالیٰ نے دارالعلوم کے ہاتھوں مشعلیں اور منارے قائم نہ فرمادیئے ہوں اور اسی طرح ضلالت وگمراہی کا کوئی پیچ وخم ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم کے ذریعہ صراطِ مستقیم کی تعیین نہ کرادی ہو۔

**سامعین عالی مقام!**

دارالعلوم نے اپنے قیام کے روز اول سے صراطِ مستقیم کی تعیین اور غلط راستوں کی تغلیط کو اپنا نصب العین بنایا ہے، دارالعلوم کا قیام جن حالات میں عمل میں آیا تھا اس وقت عیسائیت کے فروغ کا ایک ایسا فتنہ اٹھا ہوا تھا جس نے تقریباً پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، بحمداللہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے دارالعلوم کا قدم آگے بڑھا اور مناظرہ وتقریر اور قلم وتحریر کے ہر میدان میں عیسائیت کے مبلغین کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ اس موضوع پر ہزاروں صفحات فرزندانِ دارالعلوم کے قلم سے نکلے اور اس کے باوجود کہ حکومت واقتدار کی تمام طاقتیں اس فتنہ کی پشت پناہی کررہی تھیں مگر دارالعلوم کے اہلِ حق مجاہدین نے برق بے اماں بن کر ان کی تمام پناہ گاہوں کو خاکستر کردیا۔ اسی فتنہ کے پہلو بہ پہلو توحید کی تعلیم سے محروم کرنے کے لیے آریائی یا شدھی تحریک وجود میں آئی، یہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرنے کی خطرناک اور زبردست سازش تھی لیکن اس میدان میں بھی فرزندانِ دارالعلوم نے اپنا فرض منصبی پوری طرح ادا کیا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے تاریخ کے گورستان میں دفن کرنے کی سعادت حاصل کی اس سلسلے میں فضلائے دارالعلوم کی سینکڑوں تصانیف آج بھی کتب خانۂ اسلام کی زینت ہیں۔

ان زبردست فتنوں کے علاوہ انگریز کی جانب سے مسلمانوں کے اندرون میں متعدد فتنے کرائے گئے جن میں سب سے اہم فتنہ قادیانیت کا تھا۔ اس فتنہ نے سیاسی، علمی اور اعتقادی طور پر خلفشار پیدا کیا۔ اس فتنہ کی طرح تو تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں پڑگئی تھی لیکن مرزا نے ۱۴۰۱ھ میں براہین احمدیہ کے چار حصّے شائع کرکے اپنے زیغ وضلال کو طشت ازبام کردیا تو علماء نے اس کا تعاقب شروع کردیا۔ اس سلسلہ میں ابتداً اگرچہ علمائے لدھیانہ وامرتسر مولانا غلام علی امرتسریؒ، مولانا احمداللہ امرتسریؒ، حافظ عبدالمنان وزیرآبادیؒ، مولانا عبدالعزیز لدھیانوی، مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ، مولانا محمد اسمٰعیل لدھیانویؒ اور مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے کی۔ مگر اکابر دارالعلوم کا کارنامہ اس سلسلہ میں محیرالعقول ہے کہ وہ محض الہامی طور پر فتنے کے وجود سے پہلے ہی پیش بندی فرمارہے ہیں۔

جماعتِ دیوبند کے سیّدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرّہٗ کے بارے میں یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت پیر مہرعلی شاہ صاحب گولڑویؒ کو حجاز مقدس میں قیام نہ فرمانے دیا، اور ایک بڑے فتنہ کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے انھیں ہندوستان آنے پر مجبور فرمایا۔ مولانا پیر مہرعلی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے علاوہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے دوسرے خلفاء حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا انواراللہ صاحب حیدرآبادیؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہم وغیرہ بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ان خلفاء گرامی قدر میں اگرچہ بعض حضرات کا کارنامہ تاریخی اعتبار سے کچھ بعد ہی میں سامنے آیا لیکن اس کو حضرت حاجی صاحب کی نسبت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ پیر مہرعلی شاہ گولڑویؒ کو تو حضرت حاجی صاحب نے بطورِ خاص اس فتنہ کی تردید کی طرف متوجہ فرماکر ہندوستان بھیجا تھا اس لیے ان کی کتاب ''شمس الہدایہ'' غالباً ردقادیانیت پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ اور حضرت مولانا انواراللہ صاحب حیدرآبادیؒ قدس سرہما بھی ابتدا ہی میں سامنے آگئے ہیں۔ حضرت محدث امروہویؒ نے تو مرزا کو مناظرہ ومباہلہ کا چیلنج بھی دیا تھا۔ اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا کام زمانہ کے اعتبار سے مؤخر سہی لیکن وہ ایک طاقتور تحریک کی صورت میں سامنے آیا اور اس نے باطل کے اس سیلاب پر بند باندھنے کا کام انجام دیا۔

قبل از وقت تنبہ میں اکابر دارالعلوم میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ تنہا نہیں ہیں بلکہ اس سلسلہ میں دوسرا نام حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کا ہے کہ انھوں نے فتنہ کی نقاب کشائی سے

پہلے اس موضوع پر ''تحذیر الناس'' جیسی اہم مدلل اور قیمتی کتاب تصنیف فرمائی جو ردقادیانیت کے موضوع پر راہنما و راہبر کا کام انجام دے رہی ہے۔ پھر ''مناظرہ عجیبہ'' میں ان کا یہ فیصلہ بالکل الہامی زبان میں نقل ہوا ہے۔ ''اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔'' (مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳)

پھر مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل ادعاء کے پہلے ہی سال ۱۳۰۱ھ میں جب مرزا نے اپنے الہامات کو وحی الٰہی کی حیثیت سے براہین احمدیہ میں شائع کیا تو علمائے لدھیانہ نے اس کی تکفیر کی۔ اس وقت تک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کو اس دجل وفریب سے پوری طرح واقفیت نہ تھی اس لیے کچھ لوگوں نے جو مرزا سے حسنِ ظن رکھتے تھے علمائے لدھیانہ کی مخالفت میں حضرت گنگوہیؒ سے فتویٰ منگالیا لیکن علمائے لدھیانہ اسی سال جمادی الاول ۱۴۰۱ھ میں جلسۂ دستار بندی کے موقع پر دیوبند تشریف لائے اور قادیانی کے مسئلہ میں گنگوہیؒ اور دوسرے علماء دیوبند سے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ گفتگو کے بعد دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے جو تحریر مرتب فرمائی وہ یہ ہے۔

''یہ شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے اس شخص نے اہلِ اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس روح سے اویسیت ہے مگر اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے۔'' (رئیس قادیان جلد ۲، ص ۱۰)

اس کے بعد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی مرزا کے بارے میں وہ موقف اختیار فرمایا جو اس کے باطل عقائد کی رو سے ضروری تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات متعلق بہ وفات عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ ہیں ظاہر ہے۔ پس اس مرزائی جماعت کا اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور ان کے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر رکھنا کیسا ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا:

''مرزا قادیانی گمراہ ہے، اس کے مُرید بھی گمراہ ہیں، اگر جماعت سے الگ رہیں اچھا ہے جیسا رافضی، خارجی کا الگ رہنا اچھا ہے۔ ان کی واہیات مت سنو، اگر ہوسکے اپنی جماعت سے خارج کردو، بحث کرکے ساکت کرنا اگر ہوسکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو۔ اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اس کا جواب علماء نے دے دیا ہے مگر گمراہ ہے، اپنے اِغوا اور اضلال سے باز نہیں آتا، حیا اس کو نہیں کہ شرمادے۔''

اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے مرزا کو مرتد، زندیق اور خارج اسلام قرار دیا۔ اور چونکہ حضرت اقدس ہی جماعت دیوبند کے سیّد الطائفہ تھے اور ان کا فتویٰ گویا پوری جماعت کا اجماعی فیصلہ تھا اس لیے مرزا حضرت اقدس کے فتویٰ کی ضرب کاری کو زندگی کے آخری سانس تک نہ بھلا سکا۔ اور حضرت اقدس کے بارے میں حسب عادت فحاشی پر اُتر آیا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانویؒ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ نے زبان وقلم کی پوری طاقت اس کے لیے وقف کردی اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے مولانا غلام دستگیر قصوری کے استفتاء پر ۱۳۰۲ھ میں مرزا کو مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر علمائے حرمین سے اس کی تصدیق کرائی اور یہ فتویٰ مرزا کی بڑھتی ہوئی آندھی کی مؤثر کاٹ ثابت ہوا۔

اس کے بعد ۱۳۰۷ھ میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے استفتاء کے جواب میں تمام علماء ہندوستان نے مرزا کی تکفیر کی جس میں اکابر دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے رقم فرمایا:

''مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تاویلات فاسدہ اور ہفوات باطلہ کی وجہ سے دجال، کذاب اور طریقہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے۔''

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:

''جاہل یا گمراہ کے سوا ایسے عقائد کا معتقد کوئی نہیں ہوسکتا۔''

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے رقم فرمایا:

''قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ بلاشک الحاد اور شریعت کا ابطال ہے۔''

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوریؒ نے ارشاد فرمایا:

''ان عقائد کا مخترع ضال مضل بلکہ دجاجلہ میں راس رئیس ہے۔''

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:

''ایسے عقائد کا معتقد کتاب اللہ کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا ہے۔''

اس کے بعد ۱۳۰۸ھ میں جب مرزا کی کتابیں ''فتح اسلام، توضیح مرام اور ازالۂ اوہام'' شائع ہوئیں جس میں وفات مسیح کا دعویٰ کرکے اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو علماء ربانیین خم ٹھونک کر میدان میں آگئے اور سارا ہندوستان مرزا کی تردید کے غلغلوں سے گونجنے لگا۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا اسماعیل صاحب علی گڑھیؒ نے بھی کام شروع کردیا۔ جگہ جگہ مناظروں میں مرزائیوں کو شکست فاش دی جانے لگی۔

شعبان ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ نے ''البرہان'' نامی رسالہ شاہ جہاں پور سے جاری کیا جو تقریباً دو سال تک تاریکیوں کی شب میں تنویر سحر کا کام انجام دیتا رہا۔

۱۳۲۷ھ میں نواب حامد علی خاں والیٔ ریاست رامپور کے زیرِ اہتمام عظیم الشان تاریخی مناظرہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ اور حضرت مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کے باطل شکن دلائل اور بیانات سے قادیانیت لرزہ براندم ہوگئی اور ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہٗ کی زیرسرکردگی وہ تاریخی مناظرہ ہوا جس میں چالیس علماء کرام نے شرکت فرمائی جن میں حضرت مولانا سیّد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اور دوسرے اکابر دیوبند شریک ہوئے اور اس مناظرہ میں مرزائیوں کی شکست فاش نے ان کی کمر توڑ دی۔

پھر اس کے بعد ۱۳۳۱ھ میں مولانا محمد سہول صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند کے قلم سے ایک مفصل فتویٰ کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس مفصل فتویٰ میں پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار وعقائد کو اسی کی کتابوں سے نقل کیا گیا تھا پھر لکھا گیا تھا۔

''جس شخص کے ایسے عقائد اقوال ہوں اس کے خارج از احاطۂ اہل سنت والجماعت اور احاطۂ اسلام سے خارج ہونے میں کسی مسلمان کو خواہ جاہل ہو یا عالم تردد نہیں ہوسکتا لہٰذا مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین درجہ بدرجہ مرتد، زندیق، ملحد، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہیں۔''

اس فتویٰ پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت علاّمہ کشمیریؒ اور دوسرے مشاہیر علماء کے دستخط ہیں حضرت شیخ الہندؒ نے اس فتویٰ پر دستخط کے ساتھ یہ الفاظ مزید قلمبند فرما کر اپنی مہر لگائی ہے۔

''مرزا علیہ یستحقہ کے عقائد واقوال کا کفریہ ہونا ایسا بدیہی مضمون ہے کہ جس کا انکار کوئی منصف فہیم نہیں کرسکتا جن کی تفصیل جواب میں موجود ہے۔''

(بندہ محمود عفی عنہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ انگریز کی ذریت (قادیانی ٹولہ) سے نہیں بلکہ براہِ راست قادیانی نبوت کے خالق (انگریز بہادر) سے ٹکر لے رہے تھے لیکن ذریت برطانیہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا اور اپنے نابغۂ روزگار تلامذہ (جن کی فہرست بڑی طویل ہے) کو اس جانب متوجہ فرمایا جنھوں نے اس موضوع کو اپنی خدمت کا جولانگاہ بنایا محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاند پوری، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب انصاری، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری اور حضرت مولانا محمد عالم آسی امرتسری قدس اللہ اسرارہم نے تحریر وتقریر کے ذریعہ حریم ختم نبوت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیا۔ لیکن ان اکابر کی خدمات کی فہرست میں حجۃ اللہ فی الارض حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور فاتح قادیان حضرت مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسریؒ گرچہ مسائل فقہیہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے مسلک پر نہ تھے مگر ختم نبوت کے لیے آپ کے ارشاد پر جان چھڑکتے تھے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کے ذریعہ پورے حلقۂ اہلِ حدیث میں مرزائیت کے خلاف بیداری پیدا کردی اور مولانا امرتسریؒ نے مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ اور مولانا داؤد غزنویؒ کو بھی اس پلیٹ فارم پر لاکھڑا کردیا۔ ادھر حضرت علامہ کشمیریؒ نے اپنے علم وقلم اور تلامذہ کی پوری طاقت اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے وقف کردی اور ردقادیانیت کی تقریب سے اصول دین اور اصول تکفیر کی وضاحت پر ایسا قیمتی سرمایہ تیار فرمایا کہ قیامت تک اس طرح کے فتنوں کی سرکوبی کے لیے امت اس سے روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا چراغ محمد صاحب گوجرانوالہؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ، حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوریؒ، حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ، حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ، حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور دوسرے جلیل القدر علماء نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں قریہ قریہ گھوم کر حق کی وضاحت کی اور اس موضوع کے ہر پہلو پر اتنا لٹریچر تیار کردیا کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے۔ **فجزاهم الله عنا و عن سائر المسلمين۔**

تقسیم ہند کے بعد اس فتنہ نے سرزمین پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تو وہاں بھی علمائے دیوبند اور منتسبین دیوبند نے تمام طاقتیں اس حریم

مقدس کی حفاظت کے لیے وقف فرمادیں۔تا اینکہ قادیانیت تاریخ انسانیت میں ایک بہتان اورافتراء بن کررہ گئی اور یہ کام خدا کے فضل وکرم سے تکمیل تک پہنچ گیا۔

**مجاھدین قوم!**

علماء کرام کی جدوجہد سے قادیانیوں کو مرتد اور غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اب قادیانیوں نے ایسے مقامات کو منتخب کیا ہے جہاں انھیں اس سلسلہ میں سیاسی طور پر فرصت مہیا ہوسکتی ہے چنانچہ اب ہندوستان میں بھی ان کی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے جگہ جگہ مراکز قائم ہورہے ہیں کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں اوراس فتنہ نے ازسرِ نو مختلف انداز پر کام شروع کردیا ہے۔تغلق آباد دہلی میں مرزائیوں نے ایک وسیع وعریض جگہ خرید کر وہاں اپنا مرکز قائم کرلیا ہے خرید کردہ زمین کا احاطہ بنالیا گیا ہے اور عارضی طور پر ایک مسجد ضرار (بیت الشیاطین) کی بنیاد ڈال کر ''اسلامی احمدی تبلیغی مشن'' کا بورڈ لگادیا گیا ہے۔بمبئی وکلکتہ میں ان کے مراکز پہلے سے قائم ہیں جن کی تجدید کرکے طاقتور بنایا جارہا ہے۔میرٹھ میں بھی ایک دفتر قائم کرلیا ہے اور وہاں مرزائیوں کی ایک کانفرنس بھی منعقد ہوچکی ہے۔اسی طرح چند ماہ قبل لکھنؤ میں بھی کانفرنس کرچکے ہیں۔ہاتھرس ضلع علی گڑھ میں بھی مشن قائم کرلیا گیا ہے جس سے غرباء میں مفت دوائیں بھی تقسیم ہورہی ہیں اور طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی دیئے جارہے ہیں اور وہاں العیاذ باللہ متعدد خاندان قادیانیت کو قبول بھی کرچکے ہیں۔ اسی طرح فتح پور کانپور میں مرزائیوں کی جدوجہد تیز ہوئی ہے اور کئی گھرانے قادیانیت کے لپیٹ میں آ گئے ہیں حیدرآباد مالا بار میں بھی مرزائیوں کی تنظیم جدید ہورہی ہے۔مرزائیوں کا شعبہ نشر واشاعت بھی زندہ کیا گیا ہے اور ۸۲ء سے اب تک ان کی کوئی نئی اور پرانی کتابیں طبع ہوکر سامنے آئی ہیں اور بہت سارے لٹریچر تیار کئے گئے ہیں۔اخبار بدر قادیان میں ازسرنو روح ڈالی جارہی ہے۔ مرزائیوں نے اپنے کفر کی اشاعت کرنے کے لیے مبلغین کی تربیت کا کام بھی شروع کردیا ہے اوراس کے آگرہ میں 'سادھن' کے نام سے سینٹر کا قیام عمل میں آ گیا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ دارالعلوم کے فرزندوں اور ہندوستان کے علماء کو اس موضوع پر غوروفکر کرنے کی دعوت دی جائے۔

اجلاس منعقد کرنا اگرچہ دارالعلوم کے بنیادی مقاصد میں نہیں ہے لیکن جب ضرورت سامنے آجائے اور حالات کا تقاضہ ہوتو پھر اجلاس بلانا، اہل مشورہ اور اربابِ تعلق کو زحمتِ اجتماع دینا ضروری ہوجاتا ہے چنانچہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹/۲۰/۲۱رشعبان ۱۴۰۶ھ نے فیصلہ کیا کہ اس وقت سرزمین ہند پر قادیانیت کا عفریت پھر پنجہ گاڑنے کی تدبیریں کررہا ہے تو فوراً اس کا محاسبہ کیا جانا چاہیے اور اہلِ علم کو جمع کرکے اس کے تازہ پیرہن کو تارتار کرنے کی جدوجہد کو تیز تر کردینا چاہیے۔

**علمائے والامقام!**

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے اسلاف امجاد نے اس موضوع کو پوری طرح مکمل فرمادیا ہے لیکن عرصہ دراز سے ہندوستان میں چونکہ قادیانیت کی آواز مدھم پڑگئی تھی اس کی تردید کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں تھی اور اکابر مرحومین کی تمام ہی کتابیں نایاب ہوگئی تھیں اس موقع پر دارالعلوم کی جانب سے چند کتابیں بھی شائع کی جارہی ہیں اور ارادہ ہے کہ تازہ دم فضلاء کو اس فتنہ کی اہمیت سے آگاہ کرکے انھیں اس کی تردید کے لیے میدان میں اُتاردیا جائے اور اس کے ساتھ ہی صحیح افکار وعقائد کی نشر واشاعت کے لیے بھی تابمقدور اپنی مساعی کو تیز تر کردیا جائے۔کیونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انسانیت کی نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسانیت کا قافلہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوجائے۔

**قابل صداحترام بھائیو!**

اس موقع پر یکساں سول کوڈ کے مسئلے کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابھی چند دن پہلے اس سلسلہ میں بار کونسل آف انڈیا کے زیرِ اہتمام کنونشن کی جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کے سبب مسلمانوں کی پوری توجہ اس مسئلے کی طرف منعطف ہوگئی ہے۔

اس کنونشن میں جو پالیسی اختیار کی گئی ہے اور جو طرزِ عمل سامنے آیا وہ مسلمانوں کے لیے انتہائی دل آزار ہے کیونکہ یکساں سول کوڈ کے بعد مسلم پرسنل لا کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، اور مسلمانوں کے لیے مذہبی اور شرعی ہدایات کے خلاف کسی چیز کا قبول کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے دارالعلوم دیوبند، اس کے فرزند اور متنسبین غیر مبہم الفاظ میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اوراس کو مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے اس کے ہر حال میں ناقابل قبول ہونے کو واضح کردینا اپنا ملی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس طرح کے تمام شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔آمین۔

آخر میں احقر خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے مہمانانِ گرامی قدر کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کے لیے معذرت خواہ ہے اور امید کرتا ہے کہ حضرات محترمین نے جس طرح زحمت سفر برداشت کرکے کرم بے پایاں کا ثبوت دیا ہے اسی طرح تقصیرات سے صرف نظر فرماکر بھی ممنون فرمائیں گے۔□□

# خطبہ استقبالیہ

## بموقع اجلاس تحفظ حرمین شریفین، دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۸؍صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۲؍اکتوبر ۱۹۸۷ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین.

خداوند قدوس کا فضل وکرم ہے کہ خدامِ دارالعلوم کی دعوت پر مغربی اضلاع کے نمائندہ حضراتِ علماء تشریف فرما ہیں اور ہم ایسے موضوع پر تبادلۂ خیال کرکے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں جس نے پورے عالم اسلام کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے۔ اس لیے ہم سب سے پہلے اپنے مہمانانِ گرامی قدر کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنی گوناگوں مشغولیات کے باوجود دارالعلوم کی دعوت کو قبول فرماتے ہوئے سفر کی زحمت برداشت کی اور اس موضوع کو اہمیت دی جس نے تمام مسلمانوں کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

مہمانانِ گرامی قدر! اہلِ تحقیق مورّخین کا خیال ہے کہ دنیا میں کوئی اہم حادثہ اتفاقی طور پر پیش نہیں آتا اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دلگداز سانحہ بھی اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے جو اسلام دشمن گروہ طرح طرح کی سازشوں کی ترتیب میں مصروف کار تھے، یہ حادثہ اس کی ریشہ دوانیوں کی کامیابیوں کا پہلا اظہار اور امتِ محمدیہ کے درمیان افتراق و انتشار کی مہم کا آغاز تھا۔ پھر اس نفاق پیشہ گروہ کے دسیسہ کاروں نے اپنی تنظیم کو عہد عثمانی کے اواخر تک مضبوط و مستحکم کرلیا تو حضرت عثمان ذوالنورین کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی اور اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی کا یقین کرلینے کے بعد امت مرحومہ کی تیسری سب سے اہم شخصیت مجسمہ صبر و رضا، پیکرِ حلم و حیا اور مرقع جود و سخا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا اور اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں اس گروہ کے سربراہوں نے امت مسلمہ کو باقاعدہ دوحصوں میں تقسیم کرنے کی مہم سر کرلی۔

شیعیت کے اسی تاریخی پس منظر کی بنیاد پر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ شیعوں کے اس اختلاف کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف اس وقت شروع کیا گیا جب دین وشریعت کا کامل اظہار ہوچکا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کی مکمل تبلیغ فرمانے اور لاکھوں صحابہ کو تبلیغ دین پر گواہ بنانے کے بعد تشریف لے گئے تھے۔ اس کامل شریعت میں دینی ضروریات، فرائض وواجبات اور آیاتِ محکمات کی جو اہمیت بیان فرمادی گئی تھی وہ قیامت تک بدستور باقی رہے گی۔ پھر ان تمام دینی امور کی عملی تصویر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں پیش کردی گئی اور اب انہی چیزوں کے اتباع سے امت مسلمہ کی صداقت وحقانیت کا تسلسل قائم ہے۔

گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تکمیل دین کا اعلان فرمانے کے بعد جس گروہ نے سب سے پہلے دین میں تفرقہ اندازی اور فساد انگیزی کا کام شروع کیا وہ یہی شیعوں کا گروہ ہے جو اس وقت سے آج تک سینکڑوں بار دینِ صحیح کے خرمن کو نذرِ آتش کرنے کی جدوجہد کرچکا ہے۔ تاریخ میں اس نفاق پیشہ گروہ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی تفصیلات موجود ہیں، ان کو جب بھی کوئی سیاسی اقتدار حاصل ہوا ہے انھوں نے مقاماتِ مقدسہ کی حرمت کو پامال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

۲۷۸ ہجری میں سرزمینِ کوفہ میں حمدان عرف قرامطہ نامی ایک شخص نے شیعیت کے فتنہ کی خوب آبیاری کی۔ اس نے خلیفہ معتقد باللہ کے زمانہ سے سراُبھارنا شروع کیا، سلاطینِ اسلام کی بار بار سرکوبی کے باوجود قرامطہ کے معتقدین میں سے متعدد لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بحرین، کوفہ اور بصرہ ان کی سرگرمیوں کے مرکز رہے اور یہ فتنہ یہاں تک بڑھ گیا کہ وہ ایک زمانہ میں بحرین پر قابض ومتصرف ہوگئے۔

۳۱۲ھ میں پھر حجاج کا قتل عام انہی قرمطی شیعوں کے ہاتھوں سے ہوا۔ ان شرانگیزوں نے خانۂ کعبہ کے اندر بھی قتل وخوں ریزی کا شرمناک کام کیا۔ مقتولین کی لاشیں زمزم میں ڈال دیں، حجرِ اسود کو گرز مار کر دیوار سے الگ کردیا اور گیارہ دن تک حجر اسود یوں ہی زمین پر پڑا رہا۔ خانۂ کعبہ کے دروازے توڑ دیئے۔ میزابِ رحمت کو اُکھاڑ کر پھینک دیا، پھر ظالم حجرِ اسود کو اُکھاڑ کر اپنے دارالسلطنت بحرین لے گئے۔ پھر مطیع باللہ کے عہد میں بیس سال کے بعد یہ حجر اسود واپس ہوا اور اصل جگہ پر نصب کیا گیا۔

یہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ قرامطہ کا فتنہ تقریباً پچاس سال تک سلاطینِ اسلام کی توجہ کا مرکز بنا رہا اور اس کے بعد ہر صدی میں کہیں نہ کہیں یہ فتنہ دینِ صحیح کو پامال کرنے کی جدوجہد میں مصروف نظر آتا ہے۔

سامعینِ عالی مقام! آپ کو یاد ہوگا کہ ایرانی انقلاب کے فوراً بعد جو

اعلانات آنے شروع ہوئے تھے ان میں خمینی صاحب کے اس اعلان نے تمام مسلمانوں کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرالیا تھا کہ:

''دنیا کی اسلامی اور غیر اسلامی طاقتوں میں ہماری قوت اس وقت تک تسلیم نہیں ہوسکتی جب تک مکہ و مدینہ پر ہمارا قبضہ نہیں ہوجاتا۔ میں جب فاتح بن کر مکہ اور مدینہ میں داخل ہوں گا تو سب سے پہلے میرا یہ کام ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے میں پڑے ہوئے دو بتوں (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو نکال باہر کروں گا۔'' (بحوالہ خمینی ازم اور اسلام)

چنانچہ اس ناپاک منصوبہ کو پردۂ کار میں لانے کے لیے ہر سال ایرانی مفسدہ پرداز جدوجہد میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ایرانی انقلاب پر ابھی پورا ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یکم محرم ۱۴۰۰ھ کو ایک مسلح گروہ نے کعبۃ اللہ اور مسجد حرام پر قبضہ کرکے یہ اعلان کردیا کہ: ''مہدی موعود ظاہر ہوگئے ہیں اور اب ان کی بیعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اور چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی کی آمدورفت یا قیام پر پابندی عائد کرنا شرعاً حرام ہے اس لیے امام مہدی کے عہد میں ان پابندیوں کو ختم کردیا جائے گا اور تمام مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک ان مقاماتِ مقدسہ میں آنے اور قیام کرنے کی سہولت مہیا کی جائے گی اور تمام غیر اسلامی قوانین کو منسوخ کردیا جائے گا۔''

مہدیٔ موعود کے نام پر رچائے جانے والے اس ناپاک ڈھونگ کا انجام یہ ہوا کہ دو ہفتہ سے زائد مدت تک بیت اللہ کا طواف بند رہا پھر ان شیاطین میں سے کچھ کو زندہ گرفتار کرلیا گیا اور اکثریت کی لاشیں مسجد حرام کے تہہ خانوں سے ان پر قابو پالینے کے بعد برآمد کی گئیں جن میں نام نہاد مہدیٔ موعود کی بھی لاش تھی۔ پھر اس کے بعد ہر سال موسم حج میں حج کے نام پر سفر کرنے والے ایرانیوں کی جانب سے جو صورتِ حال پیش آتی رہتی ہے وہ انتہائی تکلف دہ اور شرمناک ہے۔ ایران کے اس اسلام دشمن انقلاب سے پہلے ایرانی زائرین کی تعداد بہت کم رہتی تھی لیکن انقلاب کے بعد ان کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا اور اب یہ تعداد بڑھ کر ڈیڑھ لاکھ سے بھی زائد ہوگئی ہے۔ ان زائرین کا مقصد حدودِ حرم میں عام مسلمانوں کی ایذا رسانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ طرح طرح کی شورشیں برپا کرتے ہیں، امن وامان کو تباہ کرنے کے لیے ہمیشہ جلوس کی شکل میں نکلتے ہیں، خمینی کی تصویروں کو اُٹھائے احتجاجی مظاہرے اور جلوس کی کوشش کرتے ہیں، طواف کے دوران بھی ''اللہ واحد خمینی قائد، اللہ اکبر، خمینی رہبر'' کے نعرے لگاتے ہیں۔ حدودِ حرم میں تکلیف دہ اور ضرر رساں چیزوں کو پھینکتے رہتے ہیں اور بسا اوقات غلاظت تک بکھیر دیتے ہیں۔ خلفائے ثلاثہ اور اُمہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر تبرے سے بھی باز نہیں آتے۔ کچھ بد بخت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کینہ کی آگ بجھانے کی غرض سے روضۂ اقدس کی بے حرمتی کا بھی ارتکاب کر ڈالتے ہیں۔ اپنے قابلِ شرم مذہب کے مطابق جن عورتوں کو ساتھ لاتے ہیں ان کے ذریعہ ان مقدس مقامات پر بھی متعہ جیسی بدترین عیاشی کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایرانی امیر الحجاج کو حکومت ایران کی جانب سے یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ مختلف مقاصد کے تحت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جلوس نکالے اور سیاسی مظاہروں کا اہتمام کرے۔ اس طرح یہ ایرانی جلسے جلوس اور ہنگامے کرکے لاکھوں حجاج کرام کی توجہ اصل عبادت سے ہٹا کر سیاسی نعرے بازی کی طرف مبذول کرتے رہتے ہیں اور اگر ان کو سلامت روی کے ساتھ ان حرکتوں سے باز رکھنے کی تلقین کی جائے تو آمادۂ پیکار ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام دین و سیاست کے مجموعہ کا نام ہے وغیرہ۔ ان تمام نازیبا اور ناروا حرکتوں کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اس مقدس خطہ کے امن وسکون کی اس نعمت لازوال کو تباہ و برباد کردیا جائے جو اسے ہمیشہ سے حاصل رہی ہے۔

مہمانانِ محترم: ان بدترین مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ایران کی موجودہ حکومت تسلسل کے ساتھ کام کررہی ہے اور انقلاب ایران کے بعد ہر سال ہی کچھ نہ کچھ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۸۱ء میں مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ کے اندر جب ایرانیوں نے مظاہرے کا آغاز کیا تو اس وقت بھی سعودی سیکورٹی فورس کو مداخلت کرنا پڑی تھی اور ایرانیوں کے جارحانہ کردار کی بنیاد پر تصادم کی نوبت آگئی تھی جس کے نتیجہ میں تمام ایرانیوں کو مکہ معظّمہ میں مظاہرے سے روک دیا گیا تھا اور ایران کے حج کے ذمہ دار حجۃ الاسلام موسوی کو ۱۴۰ رفقائے سفر کے ساتھ ملک بدر کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر ستمبر ۱۹۸۳ء میں ایرانیوں نے مکہ مکرمہ میں باقاعدہ مظاہرہ کا انتظام کیا۔ اس ہنگامے کو فرو کرنے کے لیے حفاظتی فورس کو مداخلت کرنا پڑی جس کے نتیجے میں ایرانی مظاہرین اور فورس کے ساتھ بعض حجاج کرام بھی مجروح ہوگئے۔ پھر ستمبر ۱۹۸۴ء میں ایرانی اور عراقی حاجیوں کے درمیان مدینہ منورہ میں تصادم کی نوبت آئی اور ایک ایرانی مارا گیا۔

پھر اگست ۱۹۸۵ء میں جب ایرانی زائرین کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار کے قریب تھی، ایرانیوں نے اجتماعی طور پر ایک زبردست مظاہرے کا اہتمام کیا جس میں خمینی صاحب کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ اس موقع پر بھی سیکورٹی فورس کو مداخلت کرنا پڑی اور متعدد ایرانیوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ پھر اگست ۱۹۸۶ء میں متعدد ایرانی جدہ ایئرپورٹ پر گرفتار کیے گئے

کیونکہ ان کے بارے میں یہ مصدقہ اطلاعات تھیں کہ ان کے بکسوں میں دھماکہ خیز اور آتش گیر ساز وسامان ہے۔ چنانچہ تلاشی کے دوران یہ انتہائی خطرناک چیزیں برآمد ہوئیں اور مسافروں کے صندوقوں کی خفیہ تہوں سے یہ آتش گیر مادّے برآمد کر لیے گئے۔ ایک ایک اٹیچی کی تہہ سے جو مادّہ برآمد ہوا وہ بڑی سے بڑی عمارت کو خاکستر کرنے کے لیے کافی تھا۔ ان مسافروں نے یہ بیان دیا کہ طہران ایئرپورٹ پر انھیں یہ ساز وسامان کچھ بتلائے بغیر دیا گیا تھا۔

پھر اب سالِ رواں میں جو واقعہ پیش آیا اس کی تفصیلات سب کے سامنے ہیں کہ امسال بھی ایرانی زائرین کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار سے متجاوز تھی اور تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق یہ چیز فکر انگیز ہے کہ ان میں تقریباً پچھتّر فیصد زائرین فوجی تربیت یافتہ اور فوجی تنظیموں کے رضا کار تھے۔ ان حضرات کے منظّم منصوبہ کے تحت ۶ ر ذی الحجہ کو جمعہ کے دن، جمعہ کے بعد ہی سے خطرے کی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں کہ ایرانی زائرین ہزاروں کی تعداد میں جلوس کی شکل میں مسجد حرام میں پہنچنے شروع ہو گئے تھے۔

یہ حضرات علامہ خمینی اور ان کے جانشین آیت اللہ منتظری کی تصویریں لیے ہوئے تھے جس سے حجاجِ کرام میں سراسیمگی پھیلنا شروع ہو گئی۔ ان مظاہرین نے حرم شریف کے دروازے بند کرنا شروع کیے اور آمد ورفت کے راستوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔ اس دوران کعبۃ اللہ کا طواف بھی رُک گیا۔ ایرانی بار بار اشتعال انگیز نعرے بھی لگاتے رہے، پھر نمازِ مغرب کے بعد ایرانی زائرین کا ایک زبردست ہجوم جلوس کی صورت میں نعرے لگاتا ہوا جنت المعلیٰ سے مسجد حرام کی طرف روانہ ہوا۔ پولیس نے جلوس کو روکنے کی کوشش کی تو اچانک ان ایرانی زائرین نے چھرے نکال کر سپاہیوں پر حملہ شروع کر دیا اور ہجوم نے دُکانوں اور کاروں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ تشدد اور خوں ریزی کا یہ سلسلہ برابر بڑھتا رہا۔ سعودی سیکورٹی فورس نے بار باران حرکتوں سے باز رہنے کی پرامن تلقین کی مگر مظاہرین نے اس کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ پھر فورس کی ایک بڑی تعداد نے پہنچ کر سعودی فورس کے بیان کے مطابق گولیاں چلائے بغیر ہلکے درجے کی تدبیروں سے ان مفسدہ پردازوں اور دین کے دشمنوں کو قابو میں کیا۔ اس کارروائی میں سینکڑوں افراد جاں بحق ہو گئے۔

حاضرینِ کرام! ایران کی اسلام دشمن حکومت کی ان مسلسل جارحانہ کارروائیوں سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کا مقصد ان مقدس مقامات کے نقوش کو پامال کرنا ہے۔ وہ قرنِ اوّل سے لے کر آج تک کی معاندانہ روش کے مطابق دینِ صحیح کے علم بردار اہل سنت والجماعت کو اس مقدس خطہ کی خدمت سے محروم کرنے اور اپنے ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے کی منصوبہ بند جدوجہد کر رہے ہیں۔ کیونکہ اثنا عشری عقائد کی رُو سے اس مذہب کے ماننے والوں پر یہ بات مذہبی فریضہ کے طور پر واجب ہے کہ وہ حرمین شریفین اور عراق پر قبضہ کی خفیہ تدبیریں عمل میں لاتے رہیں تا کہ اگر کسی وقت گردشِ ایام ان کا ساتھ دے تو وہ صدیوں پہلے کے غائب شدہ بارہویں امام کو مکہ مکرمہ میں ظاہر کر سکیں۔ ان حضرات کے عقیدے کے مطابق یہ بارہویں امام چار پانچ سال کی عمر میں تمام تبرکات ساتھ لے کر ایک غار میں غائب ہو گئے تھے۔ ان تبرکات میں قرآن کریم کا اصل نسخہ، تورات، زبور، انجیل، دیگر آسمانی صحیفے، مصحف فاطمی، عصائے موسیٰ، خاتم سلیمانی اور انبیائے سابقین کی بیش قیمت یادگاریں شامل ہیں۔

ان حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ امام غائب قربِ قیامت میں عراق میں اپنے غار سے نکلیں گے اور مکہ ومکرمہ میں ظاہر ہوں گے اور کفار سے پہلے سنّیوں کے قتل سے اپنی مہم کا آغاز کریں گے۔ پھر مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرات شیخین اور امہات المومنین کو زندہ کریں گے اور ان کو عبرتناک سزا دیں گے وغیرہ۔ (نعوذ باللہ ہٰذہ الخرافات)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے موجودہ مذہبی قائدین اپنے ان بدترین عقائد کو عملی صورت میں ظاہر کرنے کے لیے مسلسل منصوبہ بندی میں لگے ہوئے ہیں اور سعودی عرب کی موجودہ حکومت کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں ہمہ تن منہمک ہیں۔ ان حضرات کی یہ تجویز بھی ان ہی سازشوں کا ایک حصہ ہے کہ ان مقدس مقامات کا انتظام بین الاقوامی شہر کے طور پر کیا جائے اور حرمین شریفین کا نظم ونسق پوری دنیا کے مسلمان نمائندوں کے سپرد کیا جائے حالانکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس وقت کے حرمین شریفین کے خدام بجا طور پر اس خدمت کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جو سہولتیں حجاج کرام کے لیے فراہم کی ہیں اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

دردمندانِ ملت! آپ جانتے ہیں کہ ہر سال عالمِ اسلام سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جانے والے حجاجِ کرام کی تعداد پچیس لاکھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اتنی بڑی تعداد کے لیے ہر سال آمد ورفت، دیکھ بھال، قیام و رہائش اور خورد ونوش کا انتظام کرنا بڑا اہم کام ہے اور اس وقت کی سعودی حکومت بڑی محنت و جانفشانی اور خوبی کے ساتھ یہ تمام خدمتیں انجام دے رہی ہے۔ اسی حسنِ انتظام کی بدولت مکہ مکرمہ، میدانِ عرفات اور منیٰ کی وادئ غیر ذی زرع میں نہ صرف پینے کے پانی کی فراوانی ہے بلکہ خورد ونوش کے

لیے دنیا کی تمام نعمتیں وہاں مہیا ہیں۔ پچاس سال پہلے کے حجاجِ کرام سے وہاں کے قیام کے دوران کی مشکلات سننے میں آتی ہیں تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی مگر اب تمام راستے پرسکون اور مامون ہیں۔ ہر موقع پر زندگی کی ہر ضرورت مہیا ہے۔ حجاجِ کرام کے خیموں تک میں ہمہ وقت پانی کی سپلائی بحال رہتی ہے۔ حرمین شریفین کو کئی بار اتنی توسیع دی جا چکی ہے جتنی ممکن تھی۔ چھتوں پر جانے کے لیے چاروں کونوں میں لفٹ نصب کر دیئے گئے ہیں جن میں سے ہر یونٹ کی صلاحیت ایک گھنٹہ میں تیس ہزار افراد کو لانے اور لے جانے کی ہے۔ مطاف میں حرارت کو جذب کرنے والے ٹائل لگا دیئے گئے ہیں جن کے سبب سخت گرمی کے باوجود طواف میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ پورے حرم شریف میں ٹھنڈے پانی کی سپلائی کے لیے ہزاروں کی تعداد میں کولروں کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ پورے حرم شریف میں روشنی اور ہوا کے لیے انتظام کر دیا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی علاقہ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ ان سہولتوں کی فراہمی پر کروڑوں نہیں مجموعی طور پر اربوں کی دولت خرچ ہو چکی ہے۔ اگر ان سہولتوں کی تفصیل بیان کی جائے جو موجودہ سعودی حکومت حجاجِ کرام کے لیے عمل میں لاتی رہتی ہے تو اس کے لیے یہ وقت ناکافی ہے۔ دینِ صحیح کی ترویج و اشاعت اور بدعات کے قلع قمع کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے جا رہے ہیں وہ بھی اس حکومت کی قابلِ قدر خدمات کا وسیع باب ہیں۔

ہمدردانِ اسلام! ان مختصر معروضات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس وقت ملت اسلامیہ تاریخ کے نازک موڑ پر کھڑی ہوئی ہے کہ ایک طرف دینِ صحیح کے خدام ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح وراثت کے تحفظ کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور دوسری طرف طاغوتی اور شیطانی طاقتیں ہیں جو ہر طرح سازشیں کر کے دینِ صحیح کو نقصان پہنچانے کی سازش مرتب کر رہی ہیں۔

اس نازک موقع پر دینِ صحیح کا وارث ہونے کی حیثیت سے عموماً اور دارالعلوم دیوبند سے نسبت فیض رکھنے کی بنیاد پر خصوصاً ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں کیونکہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد ہی دینِ صحیح کی ترویج و اشاعت اور باطل قوتوں کے ساتھ نبرد آزمائی رہا ہے۔

اثنا عشری فرقہ کی ریشہ دوانیوں کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں ان کی بنیاد پر ضروری تھا کہ دارالعلوم دیوبند اپنے تمام ہی ابنائے قدیم اور ہمدردوں کا اجتماع طلب کر کے اس موقع پر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی جدوجہد کرتا لیکن وقت کی کمی کے سبب اس وقت صرف مغربی اضلاع کے علمائے کرام کو دعوت دی گئی ہے تا کہ ہم اس نازک موقع پر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور حرمین شریفین اور فریضۂ حج کو ایرانی سازشوں سے بچانے کے لیے احتیاطی تدابیر پر غور کریں اور جو تدابیر طے پائیں ان سے سعودی حکومت کو فوری طور پر مطلع کریں تا کہ وہ اپنی حرمین شریفین کی حفاظت اور حجاجِ کرام کے امن و عافیت کے ساتھ حج کرنے کی ذمہ داری کو باحسن وجوہ پورا کر سکے اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے فضل و کرم سے دینِ مبین کی حفاظت فرمائے، اعدائے اسلام کی سازشوں کو ناکام و نامراد کرے اور دینِ صحیح، حریم پاک کے تقدس اور اس کی عصمت و عظمت کے تحفظ کے سلسلے میں ہماری مساعی کو قبولیت سے نوازے۔

میں آخر میں دارالعلوم دیوبند کے ادنیٰ خادم کی حیثیت سے پھر مہمانانِ گرامی قدر کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ واجبات کی ادائیگی میں ہونے والی تقصیرات سے درگذر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

**وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین**

# خطبہ استقبالیہ

## بموقع جلسہ غلہ اسکیم دارالعلوم دیوبند

**الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی الہ و صحبہ اجمعین! امابعد!**

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور آپ کو دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے جمع فرمایا تا کہ ہم سب مل کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علمی میراث کے اس عظیم مرکز کے حالات اور مسائل پر غور و فکر کریں اور اس کاروانِ خیر کو صحیح مدت میں لے جانے کے عزم اور ہمت کی تجدید کر کے اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کریں۔

مہمانانِ محترم! اس مبارک موقع پر میرا رب سے پہلے یہ فرض ہوتا ہے کہ میں صمیم قلب سے آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے خرام مدرسہ کی مخلصانہ دعوت کو قبول فرمایا اور سفر کی زحمت برداشت کر کے یہ موقع فراہم کیا کہ ہم ایک جگہ بیٹھیں، ملت اسلامیہ کے مسائل پر غور و فکر کریں، مادرِ علمی کے احوال و مسائل کو دیکھیں، سنیں اور پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں دعائیں کریں کہ وہ اس علمی گلشن کی بہاروں کو دوام عطا کرے اور اس چشمۂ علم

ومعرفت کو ہمیشہ تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کے لیے آباد رکھے۔''آمین''

گرامی قدر سامعین! یہ حقیقت ہمارے آپ کے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پروردگار نے یہ دنیا بے فائدہ نہیں بنائی ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

**وماخلقنا السماء والارض ومابینھما باطلا۔** (سورہ ص آیت ۲۷)

اور ہم نے آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔اس کارخانۂ عالم کو پیدا کرنے اور اس کی قیادت انسان کے ہاتھ میں دینے سے اللہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے پروردگار کو پہچانیں، اس کے مقصدِ تخلیق کو معلوم کریں اور اس کے مطابق اپنی اس دنیوی زندگی کی عمر کو پورا کرکے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں۔

ظاہر ہے کہ پروردگار کے تفصیل احکام کا معلوم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے سمجھنے پر موقوف ہے، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور علماء کی بڑی عزت افزائی فرمائی ہے اور قرآن و حدیث میں علم دین سیکھنے اور سکھانے والوں کی بڑی بڑی فضیلتیں مذکور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **یرفع اللّٰہ الذین آمنوا منکم والذین اُوتوا العلم درجات.** (سورۂ مجادلہ آیت ۱۱)

تم میں سے جو ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون.** (سورۂ زمر آیت ۹)

آپ فرمادیں کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ برابر ہوسکتے ہیں۔قرآن کریم میں اس طرح کے مضامین جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا ہے وہ انھی مضامینِ قرآن کی تفسیر ہے بخاری شریف میں آپ کا ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے اور دوسرے موقع پر عبادت گزار اور عالم کا تقابل کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ عبادت گزار پر عالم کو ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) تم میں سے کسی معمولی آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔

سامعین محترم! اہل علم کی اس فضیلت کا راز اور اس کا سبب یہی ہے کہ وہ انسانوں کو ان کے مقصدِ تخلیق سے آگاہ کرتے ہیں۔اور یہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ کی مرضیات پر چلنے کا کیا طریقہ ہے اور چونکہ یہ دینی مدارس جن کے سب سے بڑے مرکز میں آپ اس وقت تشریف فرما ہیں۔انھی دینی علوم کی اشاعت کے لیے قائم کئے گئے ہیں۔اس لیے دین کی حفاظت اور بقاء اور اللہ کی مرضی معلومات کرنے کے لیے ان کی بڑی اہمیت ہے۔

پھر یہ کہ اکابر دارالعلوم کے مقصد کو صرف درس وتدریس اور علوم دینیہ کی حفاظت واشاعت تک محدود نہیں رکھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کا قیام ایک منظّم منصوبہ اور مذہبی تحریک کے طور پر عمل میں آیا تھا جس کا مقصد علوم دینیہ کی نشر واشاعت کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ و بقا تھا۔ دینِ صحیح کی دعوت وتبلیغ تھا اور مسلمانوں کے معاشرے کو رسوم وبدعات سے پاک کرکے کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن کرنا تھا، گویا دارالعلوم کا قیام خدا کی آخری نعمت اسلام اور مسلماوں کے بقاء وتحفظ کی ایک ہمہ جہتی کوشش اور ایک ہمہ گیر مذہبی تحریک کے طور پر عمل میں آیا تھا جس کا سلسلہ آغاز سے آج تک بحمد للہ جاری ہے۔ چنانچہ اکابر دارالعلوم میں حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ، قطب العالم حضرت گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، بحرالعلوم حضرت علاّمہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمہم اللہ اور دوسرے بزرگوں نے ہمیشہ اسلام اور علوم اسلامیہ کی مثبت انداز میں بھی زبردست خدمات انجام دیں اور اسی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جب بھی کوئی فتنہ اٹھا تو انھوں نے میدانِ عمل میں نکل کر اس کا بھرپور مقابلہ کیا اور ہر فتنہ کو روپوشی پر مجبور کردیا۔

ہندوستان پر جب انگریزوں کا تسلّط ہوگیا۔تو انھوں نے یہ چاہا کہ طرح طرح کی جابرانہ کارروائیوں اور تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دین سے منحرف کرکے عیسائی بنالیا جائے تاکہ ان کی حکومت ہمیشہ کے لیے مستحکم ہوجائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے عیسائی پادریوں کی ایک بڑی جماعت کو ہندوستان بلایا گیا۔مشنریوں کو حرکت میں لایا گیا، اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے اکابر دارالعلوم بالخصوص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ اپنے شاگردوں کے ساتھ میدان میں آئے اور دن رات محنت کرکے اس فتنے کا سدباب کیا۔اسی طرح ایک وقت آیا جب شدھی سنگھٹن کی تحریک چلی اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے شدومد کے ساتھ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جانے لگے تو اس وقت اکابر دارالعلوم اساتذہ دارالعلوم دیوبند یہاں تک کہ طلبۂ دارالعلوم بھی اس عظیم فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک کے طول وعرض میں پھیل گئے اور اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچالیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ انگریزی حکومت نے

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش کر کے مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرا دیا تو اس کے مقابلے کے لیے اکابر دارالعلوم کی جماعت حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی سربراہی میں میدانِ عمل میں اُتر آئی اور اس فتنہ کو دبا دینے کی کامیاب کوشش کی۔

اسی طرح جدوجہد آزادی میں اکابر دارالعلوم کا حصّہ ایک مفصل تاریخ ہے جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ ہندوستان آزاد ہوا بلکہ یہاں سے انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد وہ تمام اسلامی ممالک جو برطانیہ کے زیر حکومت یا زیرِ انتساب تھے یکے بعد دیگرے آزاد ہوتے چلے گئے، اس میدانِ عمل میں حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام رحمہما اللہ کی کوششوں سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔

ہمدردانِ اسلام! آج بھی اسلام دشمن طاقتیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے برپا کرنے میں مشغول ہیں۔ ابھی حال ہی میں عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش سے شیطان رشدی کی کتاب کی صورت میں ایک عالمی فتنہ برپا کیا گیا ہے جس نے دنیا کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے دلوں کو تڑپا دیا ہے، مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے، مگر اپنے دین اور ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ برداشت نہیں کرسکتا، یہ شیطان رشدی اگر کسی اسلامی حکومت میں ہوتا تو اس کا سر قلم کر دیا جاتا مگر یہ ایک اسلام دشمن حکومت کا شہری ہے جو اس کی حمایت وحفاظت کر رہی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ حکومت اپنے آپ کو مہذب ترین حکومت کہلانے کے باوجود عیسائیت کے خلاف تقریر وتحریر کو قابلِ سزا جرم قرار دیتی ہے اور دوسرے مذاہب کی توہین و تذلیل کو آزادی رائے کا عنوان دے کر جائز کہتی ہے، اس موقع پر ہم حکومت ہند کے اس رویّہ کی تحسین کرتے ہیں کہ اس نے اصولی پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے شروع ہی میں اس کتاب پر پابندی لگا دی۔

مہمانانِ گرامی قدر! دارالعلوم دیوبند کی طویل الذیل خدمات کی تاریخ اور فہرست بہت طویل ہے اس لیے میں تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ اکابر دارالعلوم نے درس وتدریس اور مدارس کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی ایک منظّم مذہبی تحریک کا آغاز کیا تھا اور ان کے مصارف کے لیے عوامی چندہ کی صورت بھی سب سے پہلے ہمارے ان ہی اکابر نے اختیار فرمائی تھی کیونکہ جب ہندوستان میں اسلامی حکومت تھی تو اس وقت دینی مدرسے اور دینی ادارے حکومت کی مدد اور شاہوں اور نوابوں کی عطا کردہ جاگیروں سے چلتے تھے۔

عوامی چندہ کا جو طریقہ ہمارے اکابر نے اختیار فرمایا وہ بھی ہمارے آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ ؐ نے علم دین سیکھنے والے طلبہ کے لیے مسجد نبوی سے ملی ہوئی ایک جگہ صفّہ کے نام سے خاص فرما دی تھی۔ صفّہ کے طلبہ کا نظم صحابہؓ کرام کی دعوتوں یا ان کے بھیجے ہوئے کھجور کے خوشوں سے کیا جاتا تھا۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص نے صفہ کے طلبہ کے لیے ردّی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا رکھا ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ نے اپنی چھڑی کو خوشہ پر مارا اور فرمایا: **لوشاء رب هذه الصدقة لتصدّق باطيب من هٰذا**۔ ترجمہ: یعنی صدقہ دینے والا اگر چاہتا تو اس سے اچھی کھجوروں کا خوشہ دے سکتا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہر باغ میں سے ایک خوشہ لاکر مسجد نبوی میں رہنے والے مسکینوں کے لیے لٹکایا جائے۔

بہی خواہانِ قوم! آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں کھجوروں کی پیداوار تھی اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ کے مسکینوں کے لیے خوشۂ کھجور لانے کا حکم دیا تھا، ہمارے زمانہ اور ہمارے علاقہ میں کھجور کے انھی خوشوں نے غلّہ اسکیم کی صورت اختیار کرلی ہے، اور خوش نصیب ہیں وہ صاحبِ خیر مسلمان جو اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق مدارس کے طلبہ کی غلّہ سے امداد فرماتے ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ امداد کا مستحق یہی دارالعلوم دیوبند ہے یہ اکابر کا قائم کیا ہوا چندہ پر چلنے والا پہلا مدرسہ ہے، اسی کے نقشِ قدم پر دوسرے مدارس کی طرح ڈالی گئی ہے اس کے بزرگوں نے ہندوستان ہی پر نہیں سارے عالم اسلام پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، اس کے ذریعہ پروردگار عالم نے اس صدی میں دین اور علم کی حفاظت کا کام لیا ہے اور آج بھی مادیت اور الحاد کی طاقتوں سے ٹکر لینا اسی مرکز کا کام ہے۔ یہ علمی مرکز ہندوستان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دینی شعار بن گیا ہے جس کی حفاظت کرنا، جس کی مدد کرنا، جس کی آواز کو طاقتور بنانا ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے۔

الحمدللہ چند سالوں سے اس کی رفتارِ ترقی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس کی ضروریات میں اضافہ ہوگیا ہے، چند سال پہلے یہاں امداد طعام کا عدد سات آٹھ سو کے درمیان رہتا تھا، اب یہ تعداد بڑھ کر اٹھارہ سو سے متجاوز ہوگئی ہے، طلبہ کی اسی تعداد کے اضافہ کے سبب نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کی مسجد تنگ ہوگئی بلکہ قرب وجوار کی تمام مسجدوں سے بھی یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو اب الحمدللہ دارالعلوم ایک وسیع وعریض اور شاندار مسجد تعمیر کرا رہا ہے۔ جس کا پہلا حصّہ تکمیل کے قریب ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سارا کام آپ ہی جیسے مخلص ہمدردان اور خیر خواہوں کے

تعاون سے انجام پا رہا ہے۔طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ہوش ربا گرانی کے سبب درخواست ہے کہ اس کارخیر میں زیادہ حصّہ لیں کیونکہ کئی سالوں سے آخر سال میں غلّہ خرید کرضروریات کو پورا کرنا پڑتا ہے۔خدام دارالعلوم یقین کرتے ہیں کہ جب آپ نے اپنی آنکھوں سے دارالعلوم کی رفتار ترقی کو دیکھ لیا ہے اور اس کی ضروریات آپ کے سامنے آ گئی ہیں تو آپ ضرور بیش از بیش حصہ لیں گے۔اللہ آپ کو توفیق اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

آیئے ہم سب مل کر بارگاہ خداوندی میں دعائیں اور التجائیں کریں کہ وہ دارالعلوم اور اس کے نہج پر کام کرنے والے مدارس کے فیوض و برکات کو قیامت تک اسی طرح جاری رکھے۔اس کے تمام خدام اور کارکنان کو خلوص کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے،تمام مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام کے شر سے محفوظ رکھے،تمام اسلام شعائر یعنی مسجدوں مدرسوں اور حرم پاک حفاظت فرمائے،تمام مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم فرمائے۔ اوران کی زندگی کو اپنے اور اپنے رسول کی مرضیات کے مطابق ڈھالنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بے روزگار کو روزگار عطا کرے اور بیماروں کو اپنی رحمت سے شفا نصیب کرے۔اکابر دارالعلوم کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو ہمّت و استقامت اور ایمان وعمل عطا کرے، دارالعلوم کے تمام معاونین ومحسنین، بہی خواہوں اور ہمدردوں کے تمام دینی و دنیاوی کام اپنے فضل و کرم سے پورے کردے اے اللہ! ہماری دنیا اور آخرت کی نیک خواہشات کو پورا فرمادے۔ ہمارے کھیتوں اور پیداوار میں خیر و برکت عطا فرمانا۔جب تک ہم زندہ ہیں ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کے لیے صحت وتندرستی عطا کر اور جب وقت موعود آ جائے تو ایمان پر خاتمہ کی نعمت سے نوازے،عذابِ قبر سے نجات دے اور اپنی مرضیات سے سرفراز فرما۔

**آمین یارب العٰلمین**

**وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین**

# توسیعی خطبہ

وانمباڑی (مدراس) میں انجمن خدام القرآن کی جانب سے منعقدہ مقالات تفسیر کے پندرہ روزہ پروگرام میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مندرجہ ذیل توسیعی خطبہ پڑھ کر سنایا۔

**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**

**الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و علیٰ آلہ وصحبہ اجمعین. امابعد!**

سب سے پہلے ہمیں بارگاہ خدوندی میں سجدۂ شکر بجالانا چاہیے جس نے اپنے فضل وکرم سے،قرآن کریم کی پاکیزہ اور مبارک نسبت کے طفیل ہم سب کو ایک جگہ جمع ہوکر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، قابلِ مبارکباد ہیں وہ سعید روحیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی تفسیر کی اشاعت کے لیے منتخب فرمایا اور عام مسلمانوں تک قرآن کریم کے پیغام اور علوم کو پہنچانے کے لیے انھیں ایک نئے مگر کامیاب اور مبارک پروگرام کو مرتب کر کے اختتام تک پہنچانے کا سلیقہ عطا کیا۔

محترم حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ قرآن کریم، خداوند احکم الحاکمین کا کلام ہونے کی بنیاد پر دوسرے ہر کلام سے افضل ہے۔ترمذی شریف میں روایت ہے۔**فضل کلام اللّٰہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللّٰہ علی خلقہ** ۔یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو بقیہ کسی بھی کلام سے فوقیت کی وہی نسبت ہے جو نسبت اللہ کی ذات کو مخلوق پر حاصل ہے، پروردگارِ عالم سے قرآن پاک کی اسی نسبت کے سبب حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **افضل عبادۃ امتی قراء ۃ القران** قرآن کریم کا پڑھنا میری امت کی افضل ترین عبادت ہے۔اور اسی لیے قرآن کریم کے بارے میں مسلمانوں کو وہ ادب سکھایا گیا جو اور کسی کلام کے بارے میں نہیں ہے،فرمایا گیا: **اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا** ۔جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور بالکل خاموش رہو۔

چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح خود تلاوت فرمانے کا بے پناہ ذوق اور شوق تھا اسی طرح آپ قرآن کریم کو دوسروں سے پڑھوا کر سننے کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے،حضرت جبرئیلؑ سے قرآن سننا اور بار بار سننا تو مشہور ہی ہے، آپ نے بسا اوقات صحابہ کرامؓ سے بھی قرآن سنا ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآنِ کریم سنانے کی فرمائش کی، حضرت ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ حضور! میں سناؤں جبکہ قرآن کریم آپ پر نازل ہوا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: **انی اشتھی ان اسمعہ غیری** ۔یعنی میں اپنے علاوہ کسی اور کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تعمیل حکم میں سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے۔**فکیف اذا جئنا من کل امۃٍ**

**بشھیدٍ وّ جئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا** ۔اوراس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہوں کو پیش کریں گے اوران سب کے لیے آپ ؐ کی ذات کو گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔

جب آپ اس آیت پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بس!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ ؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اسی لیے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت دوسرے کی زبان سے سننے کا ثواب خود تلاوت کرنے کے ثواب سے کم نہیں ہے۔

حاضرین کرام! قرآن کریم کی فضیلت سے متعلق ہزاروں آیات و احادیث میں سے، تبرک کے طور پر مندرجہ بالا چند باتیں پیش کرنے کے بعد یہ عرض کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ظاہر و باطن ہر اعتبار سے نعمت ہی نعمت ہے اوراس کو بغیر سمجھے پڑھنا بھی ثواب ہی ثواب ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بے سمجھے تلاوت پر ثواب عطا کرنا تو اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے یعنی بے سمجھے پڑھنے سے بھی انشاء اللہ قرب خدوندی میسر آئے گا، ہر حرف پر نیکیاں دینے کا وعدہ اللہ نے فرمایا ہے۔ مگر سمجھ کر پڑھنے سے روح و دل کی کائنات میں سچے اور صالح انقلاب کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں حضرت عائشہ نقل فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری رات نماز میں قیام کراتی تھی آپ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء وغیرہ کی تلاوت فرماتے اور جب کسی بشارت کے مضمون پر مشتمل آیت سے گزرتے تو ٹھہر کر بڑے اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے، اسی طرح جب کسی وعید اور خوف کے مضمون پر مشتمل آیت سے گزرتے تو ٹھہر کر اللہ سے دعا واستغفار کرتے اور پناہ طلب کرتے اور ظاہر بات ہے کہ سوز و گداز کی وہ پاکیزہ کیفیت کمال عبدیت حاصل کرنے کے لیے مطلوب ہے بغیر سمجھے پڑھنے سے اس کا حاصل ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے اور شاید اسی لیے خداوند علیم وحکیم نے قرآن کریم میں ایسے کمالات ودیعت فرمائے ہیں کہ وہ علوم بے پایاں کا خزانہ اور کلید ہونے کی حیثیت سے سب سے بلند پایہ اور عمیق کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان بھی ہے، قرآن حکیم کے بارے میں پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے: **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھم من مدکر** ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کردیا ہے، کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

قرآن کریم کے ذریعہ نصیحت وعبرت حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ اس کی تفسیر سے استفادہ ہے کہ امت کے قابلِ اعتماد علماء نے قابلِ اعتماد طریقوں سے قرآن کریم سے سمجھ کر جو مضامین بیان کئے ہیں ان سے بقدر توفیق فائدہ اٹھایا جائے، اور یوں تو علوم قرآن کے وسیع وعمیق سمندر میں غواصی کا کام کرنے والے علماء کرام نے بیش قیمت جواہر کے انبار لگادیے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سے استفادہ بھی علماء ہی کا کام ہے مگر عام مسلمانوں میں بھی قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کے لیے امت کے قابلِ اعتماد علماء نے بہت سے کام کئے ہیں۔ ہمارے ہندوستان کے علماء میں مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے قرآن کے اول اورآخر چند پاروں کی تفسیر لکھی ہے جو تفسیر عزیزی کے نام سے مشہور ہے اس میں انھوں نے اظہار فرمایا ہے کہ میں اس حصہ کی تفسیر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اس کو نمازوں میں زیادہ پڑھا جاتا ہے، اگر عام مسلمان اس تفسیر کے لیے قرآن کریم کی ان سورتوں کو سمجھ لیں گے تو ان کی نمازوں میں اُمید ہے کہ خشوع وخضوع، انابت الی اللہ اور ذوق وشوق کی وہ کیفیت پیدا ہوجائے گی جس کی بغیر سمجھے پڑھنے کی صورت میں امید نہیں کی جاسکتی گویا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے نمازوں میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے اوراس کے ذریعہ نمازوں میں نشاط وسرور اور ذوق وشوق کی کیفیت پیدا کرنے کی تمنا میں تفسیر لکھی ہے۔

ہمارے اکابر دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ جب مالٹا کی جیل میں قید وبند کی طویل مدت بسر کرنے کے بعد ہندوستان آئے تو انھوں نے طویل تجربات کے بعد مسلمانوں کے لیے جن چیزوں کو ضروری سمجھا تھا ان میں مسلمانوں کے درمیان قرآن فہمی کا ذوق عام کرنے کی تمنا شامل تھی اور اسی لیے انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے اُردو ترجمہ قرآن کی تجوید فرمائی تھی اوراس پر حواشی لکھنے کا آغاز فرمایا تھا جسے ناتمام ہونے کی بنیاد پر ان کے مایۂ ناز شاگرد علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مکمل کیا۔

اسی طرح مراد آباد جیل میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ سے ان کے متوسلین نے قیدیوں کے درمیان تفسیر قرآن بیان کرنے کی فرمائش کی تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے درخواست کو قبول فرمالیا اور درس کا آغاز فرمادیا قیدیوں میں علماء کرام کے ساتھ عوام بھی تھے، اس درسِ قرآن کا ایک حصہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب مرحوم نے مرتب کرکے شائع کردیا۔

حضرات گرامی قدر! عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم کے مضامین میں علماء اور خواص کا حصہ تو معلوم ہے، لیکن عام مسلمانوں میں **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر.** کے مطابق عملی جدوجہد بھی ماضی

میں کی جاتی رہی ہے اسی لیے ان دنوں انجمن خدام القرآن وانمباڑی کے زیرِ اہتمام مقالات تفسیر کا پندرہ روزہ جو پروگرام نہایت مرتب انداز میں چلایا گیا وہ دراصل اپنے اسلاف واکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی ایک مبارک کوشش ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی زیرنگرانی اس کے انعقاد نے پوری قاسمی برادری کو اس کی طرف متوجہ کردیا ہے، نہایت مسرت کی بات ہے کہ اساتذۂ دارالعلوم، فضلاء دارالعلوم اور جنوبی ہند کے مسلک دارالعلوم سے محبت رکھنے والے علماء کرام نے اس پروگرام میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا ہے اور شہر وانمباڑی کے علم پرور اور قرآن کریم سے محبت رکھنے والے کرم فرماؤں نے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے، میں صدق دل سے ان تمام حضرات کو قابلِ مبارکباد اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے زیادہ سے زیادہ اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

قابلِ مبارکباد نوجوانو! میں اپنے طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کی یہ کوشش نہ صرف یہ کہ کامیاب ہے بلکہ امید یہ ہے کہ یہ قرآن فہمی کے لیے ایک اچھے اور نئے طریقۂ تعلیم کی دریافت ہے، کیا بعید ہے کہ قرآن کریم سے محبت کا رشتہ رکھنے والے مسلمان اپنی پیشوا کتاب کو سمجھنے کے لیے آپ کے پیش کردہ پروگرام کو قبول کرلیں اور جگہ جگہ اس طرح کے پروگرام مرتب کرکے اپنی کشت ویراں کی مٹّی کو نم کرنے اور اسے زرخیز بنانے میں کامیاب ہوجائیں مگر اس موقعہ پر میں مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے پروگرام میں شرکت اسی وقت درست اور مفید ہوگی جب قرآن کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے اور خطبہ دینے والے علماء قابلِ اعتماد ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ یہ کام کم سوادوں اور کج عقیدہ لوگوں کے ذریعہ انجام دیا گیا تو نفع کے بجائے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اللہ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، انجمن خدام القرآن، اس کے کارکنان اور معاونین کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا کرے، دارالعلوم دیوبند کے فیوض و برکات کو عام فرمائے اور ہم سب کو شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔ والسلام

# خطبہ استقبالیہ

## بموقع اجتماع فضلائے دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۱۸ر جون ۱۹۹۰ء

**الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہٖ اجمعین. امابعد!**

معزز حاضرین! آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں کہ راہ کی صعوبت اور گرمی کی شدت کا خیال کئے بغیر ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے یہاں جمع ہوگئے، بلاشبہ مادرعلمی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ آپ کی یہ والہانہ محبت اور بے لوث عقیدت ہم خدام دارالعلوم کا عزیز سرمایہ ہے اور آپ کی یہ رفاقت ومساعدت ہماری کمزوریوں و درماندگیوں کے لیے مضبوط سہارا ہے۔

**مقصد اجتماع:**

حریم ملت کے پاسبانو! مادرعلمی دارالعلوم ایک ملی وجمہوری درسگاہ ہے جو اپنے ابتدائے قیام سے تنظیم جماعت بالفاظ دیگر اجتماعیت کی داعی ہے چونکہ اجتماعیت کا ظہور اجتماع ہی کے بطن سے ہوتا ہے، اجتماعات جاندار، مؤثر اور نتیجہ خیز ہوں تو وہ اجتماعیت ریڑھ کی ہڈی بن جاتی ہے جس کی طاقت پر اس کا وجود قائم رہتا ہے، دل ودماغ بن جاتے ہیں جس سے جماعت کو غور وفکر اور حرکت وعمل کی نئی توانائی حاصل ہوجاتی ہے، اجتماعات کی اس اثر آفرینی کی بنا پر اسلام نے اپنے نظام عبادت میں اس کا بطورِ خاص لحاظ رکھا ہے، اجتماعات کی اسی افادیت واہمیت کی بناء پر دارالعلوم دیوبند، جلسۂ دستار بندی، اجلاس غلہ اسکیم، اجلاس صدسالہ اور نمائندہ اجتماع وغیرہ کے عنوانات سے اجتماعات کی تقریب پیدا کرتا رہا ہے ہمارا آج کا یہ اجتماع بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے موسم کی شدت کے باوجود منعقد کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ چند افراد کی جانب سے دارالعلوم، اساتذۂ دارالعلوم، مجلس شوریٰ اور اس کی انتظامیہ کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کی مہم شروع کی گئی ہے۔

محترم فضلاء کرام ومحبان دارالعلوم! جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء میں جب چھ ماہ کی بیجا قفل بندی کے بعد دارالعلوم مجلس شوریٰ کی تحویل میں کھلا اور اس کے انتظام واہتمام کی عظیم ذمہ داری باوجود شدید معذرت کے اس ہیچمداں کے ناتواں کندھوں پر رکھی گئی تو حالات کس درجہ نامساعد وصبر آزما تھے اس کا صحیح ومکمل اندازہ آج کل کے ماحول میں نہیں کیا جاسکتا۔ مخالفتوں کا ایک سیل رواں تھا جو ہر جانب سے اُمنڈ رہا تھا من گھڑت الزامات اور بے بنیاد پروپیگنڈوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جس نے ماحول کو پراگندہ سے پراگندہ تر بنادیا تھا دارالعلوم کا خزانہ خالی اور بجٹ تقریباً فیل تھا

اوراس حالت بے بسی میں دوسو سے زائد اساتذہ وکارکنان کے مشاہرے کے ساتھ تیرہ سوطلباء عزیز کی کفالت کا بارگراں سر پر تھا۔

جوعزم وعمل کے لیے ایک سیدھا چیلنج تھا، علاوہ ازیں دارالعلوم کے تعلیمی وانتظامی نظام کو اختلال وانتشار سے بچانے کے واسطے خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا نازک و پیچیدہ مسئلہ دل و دماغ پر بوجھ بن کر مسلّط تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ ''شب تاریک بیم موج، گرداب چنیں حائل'' کا ہولناک عالم اور ایک ہمہ جہت طوفان تھا جس میں دارالعلوم کی کشتی گھری ہوئی تھی اور پتوار مجھ جیسے ناتجربہ کار وناتواں کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا، اس ربِ کریم اور خدائے کارساز کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں کہ اس انتہائی ناگفتہ بہ صبر آزما ہمّت شکن حالت میں اس نے اپنی رحمت بیکراں اور فضل بے پایاں کے دروازے ہم پر کھول دیئے اور آپ حضرات کی تائید واعانت ہماری دست گیر ہوگئی۔

آیئے اس آقائے کریم اور کارسازِ حقیقی کے آگے جھک جائیں جس کے فضل وکرم کے بغیر ہماری کوئی سعی وجستجو کامیاب نہیں ہوسکتی، اور رب ذوالمنن سے دست سوال دراز کریں کہ اے کریم کارساز، ہماری بیچارگیوں پر رحم فرما، اپنی رحمتوں وبرکتوں سے ہماری درماندگی کو دُور کردے اور ہمیں جادۂ حق وصداقت پر استقامت عطا فرما، ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔

**آٹھ سالہ خدمات کا سرسری جائزہ:**

بہی خواہانِ ملت! دارالعلوم کی خدمات کا آغاز کس بیچارگی وبے بسی کے عالم میں ہوا تھا اس کا ہلکا سا خاکہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا، ایسے سنگین اور انتہائی ناموافق حالات میں کس پیش قدمی اور ترقی کا تصور تو دُور کی بات ہے اس کے سابقہ معیار کو برقرار رکھنا اور مزید اضمحلال اور کمزوری سے بچالینا ہی بڑا مشکل اور صبر آزما کام تھا، لیکن خدائے پاک کی تائید ونصرت اور آپ حضرات کے بے لوث تعاون نے خدام دارالعلوم کے عزم وحوصلہ کو تازگی و توانائی عطا کی، چنانچہ حالات کی نامساعدت اور اسباب و ذرائع کی قلّت سے صرف نظر کرتے ہوئے دارالعلوم کی ہمہ جہتی ترقیات کا منصوبہ ترتیب دیا گیا اور خدا کا نام لے کر منزلِ مقصود کی طرف پیش قدمی شروع کردی گئی، جس کی تفصیل مختصر الفاظ میں یہ ہے۔

**(الف) طلبہ اور تعلیم سے متعلق اصلاحات و پیش رفت:**

(۱) سابقہ انتظامیہ میں طلبہ کی مجموعی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی جسے بڑھا کر پچیس سو کردیا گیا ہے۔

(۲) اُس وقت آٹھ سوطلباء کو طعام دیا جاتا تھا فی الحال اٹھارہ سوطلبۂ عزیز امداد طعام سے مستفید ہورہے ہیں۔

(۳) دورسابق میں تیل صابون وغیرہ کے لیے نقد دس روپے بطور وظیفہ دیا جاتا تھا اس وقت پچیس روپے دیئے جاتے ہیں۔

(۴) ذی صلاحیت وبا استعداد طلبہ کے فارغ التحصیل ہوجانے کے بعد ان کی مزید تدریب وتربیت کا پہلے کوئی نظم نہ تھا، اب تدریب کے عنوان پر ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے جس میں تدریس، افتاء، تجوید اور کتابت میں عملی مشق وتمرین کے لیے اوّل ودوم پوزیشن سے کامیاب ہونے والے طلبہ کو دوسال کے لیے داخل کیا جاتا ہے جن میں شعبہ جات کی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے طعام کے ساتھ نقد معقول وظیفے (اسکالرشپ) دیئے جاتے ہیں اس طرح رجال کار تیار کرنے کا نہایت مفید سلسلہ شروع کیا گیا ہے جو بحمد اللہ توقع سے زیادہ کامیاب ہے۔

(۵) طلبہ عزیز کے مطالعہ کے واسطے کتب درسیہ کی شروح وحواشی بڑے پیمانہ پر خریدکی گئیں اور مطالعہ کی سہولت کے لیے درس کے علاوہ اوقات میں بھی کتب خانہ کھلا رکھنے کا نظم کیا گیا۔

(۶) مطبخ کے نظام کو درست واستوار رکھنے کے لیے (تاکہ طلبہ کو صحیح اور مناسب وقت پر کھانا مل سکے) اہتمام کی جانب سے بھرپور نگرانی کے ساتھ مستقل طور پر دو اساتذہ کو مقرر کیا گیا ہے جو روزانہ گوشت روٹی وغیرہ کی جانچ کرتے ہیں۔

(۷) پہلے انتظام میں دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کی ضروریات کی نگرانی اور ان کی فکری واخلاقی تربیت کے کے لیے صرف چار نگراں ہوا کرتے تھے جو پورے دارالعلوم کو چار حصوں میں تقسیم کرکے ایک ایک حصہ کی نگرانی کی خدمت انجام دیتے تھے، اس طرح ہر نگراں کے ذمہ ایک وسیع حلقہ ہوتا تھا جس کی وہ اچھی طرح نگرانی نہیں کرپاتے تھے، اب سردست دارالاقامہ کو چھوٹے چھوٹے دس حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حلقے کے لیے ایک ایک نگراں ہیں جو پوری تندہی کے ساتھ اپنی مفوضہ خدمات انجام دیتے ہیں۔

**(ب) جدید تعمیرات اور قدیم عمارتوں کی شکست و ریخت کی مرمّت:**

اس آٹھ سال کی قلیل ومختصر مدت میں طلبہ کی کفالت سے متعلق مصارف کے دوگنا سے بھی زائد اضافہ کے باوجود طلبہ کی رہائش میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے مجموعی طور پر ۱۲۳ جدید حجرے تعمیر کئے گئے جن میں بحمد اللہ طلباء رہائش پذیر ہیں، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) رواق خالد دومنزلہ جو ۵۲ کمروں اور حسبِ ضرورت فلیش اور غسل خانوں پر مشتمل ہے۔

(۲) اعظمی منزل جس میں کل ۱۲ کمروں کے علاوہ متعدد غسل خانے اور فلیش ہیں۔

(۳) افریقی منزل جدید کا بالائی درجہ جو ۱۳ حجروں پر مشتمل ہے۔

(۴) التربیت جس میں کل ۱۸ کمرے ایک وسیع صحن اور ضرورت کے مطابق فلیش اور غسل خانے ہیں۔

(۵) متفرق دو کمرے۔

(۶) علاوہ ازیں زیرِ تعمیر مسجد جامع دارالعلوم کے احاطہ میں ۱۶ کمرے تکمیل کے مرحلے میں ہیں اس کے علاوہ طلباءِ عزیز کے کمروں میں چار سو سے زائد الماریاں لگائی گئیں۔

**مسجد جامع دارالعلوم**:

(۸) یہ طویل وعریض مسجد جس کے سقف حصہ میں بیک وقت چھ ہزار سے زائد نمازیوں کی وسعت ہوگی تقریباً تین سال سے زیرِ تعمیر ہے اور بفضل ربِ کریم بڑی حد تک تعمیر ہو چکی ہے اس عالیشان خوبصورت اور مضبوط و مستحکم مسجد کی لاگت کا تخمینہ ایک کروڑ ہے۔

(۸) دارالمدرسین: حضرات مدرسین کی اقامتی سہولت کے لیے دارالمدرسین کے عنوان سے نصف درجن سے زائد فیملی مکان بھی تعمیر کرائے گئے جنھیں رعایتی کرائے کے ساتھ ضرورت مند اساتذہ اقامت پذیر ہیں۔

اس مستقل جدید عمارتوں کے علاوہ قدیم عمارتوں کی مرمت کا کام بھی بڑے پیمانہ پر جاری ہے دارالاقامہ کے تمام قدیم کمروں میں پختہ فرش لگا دیا ہے۔ اسی طرح سے بہت سی کچی یا نیم پختہ گزرگاہوں کو بھی پختہ کرا دیا گیا ہے حجروں کے سامنے فرش لگانے کا کام جاری ہے اور شکست و ریخت کی مرمت کا سلسلہ تو پورے کے پورے سال جاری رہتا ہے۔

**(ج) دارالعلوم کی اراضیات کا تحفظ اور مزید اراضی کی خرید**:

(۱) مقبرہ قاسمی سے متصل جانب مغرب تقریباً چھ بیگھ زمین پر سابق انتظامیہ میں ایک شخص قابض ہوگیا تھا جس کی واگزاری کے لیے ۲۰ سال کے طویل عرصہ سے مقدمہ کا سلسلہ جاری تھا، ہندوستان کے شعبہ دیوانی کا نظام عدالت اس قدر پر پیچ ہے کہ پشتیں گزر جاتی ہیں اور مقدمے کا فیصلہ نہیں ہو پاتا جس کا علم آپ حضرات کو اچھی طرح ہے، مقدمے کی اس غیر منقطع طوالت سے بچنے کے لیے صلح ومصالحت کی گفتگو شروع کی گئی اور بالآخر پچاسی ہزار روپے دے کر اس ناجائز قبضے سے مذکورہ راضی کو واگزار کرلیا گیا، اس وقت یہ پوری جائیداد دارالعلوم کے قبضہ میں ہے اور اس میں بھرائی کا کام جاری ہے۔

(۲) اسی زمین سے متصل عیدگاہ چنگی کے قریب چھ بیگھ کا ایک اور قطعہ اراضی جو ’’پزادہ کی زمین‘‘ کے نام سے موسوم ہے اس کا اکثر حصہ اگر چہ دارالعلوم کی ملکیت میں تھا مگر اسی کے ساتھ کچھ دیگر حضرات کے بھی اس میں حصے تھے۔ اس اشتراک کی بناء پر اسے اب تک قبضے میں نہیں لیا جا سکا تھا اور خطرہ تھا کہ اس پر ناجائز قبضہ نہ ہوجائے اس لیے شرکاء زمین سے بات چیت کر کے ان کے حصوں کو خرید لیا گیا اور پھر بغرض حفاظت پوری زمین کو چہار دیواری سے گھیر دیا گیا ہے اس طرح یہ زمین بھی محفوظ کر لی گئی۔

(۳) دارالتربیت کے سامنے ایک وسیع صحن ہے۔ اس حصہ اراضی میں بھی دارالعلوم کے ساتھ دیگر حضرات شریک تھے۔ چنانچہ ڈیڑھ لاکھ روپے میں حصہ داروں سے ان کے حصہ کو خرید لیا گیا اور پھر پوری زمین کے چاروں طرف احاطہ کھینچ کر اسے بھی محفوظ کرا دیا گیا ہے۔ اس طرح اب دارالعلوم وسیع ہو کر سہارنپور روڈ تک پہنچ گیا ہے۔

ان جزوی حصوں کی خریداری اور حفاظتی انتظام کے مصارف کے علاوہ زیرِ تعمیر مسجد جامع کے لیے مستقل اراضی خریدی گئی اور ابھی حال ہی میں مسجد سے متصل جانب شمال پونے تین لاکھ کی مزید زمین خریدی گئی ہے۔

یہ ہے آٹھ سال کی مختصر مدت میں تعلیمی، تعمیری اور انتظامی شعبہ جات میں دارالعلوم کی پیش رفت کا اجمالی نقشہ جو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خدام دارالعلوم مادرِ علمی کے دائرۂ عمل کو وسیع سے وسیع تر بنانے اور اس نیک نامی میں روزافزوں اضافہ کے لیے کس سرگرمی کے ساتھ مصروفِ کار ہیں، بغیر کسی فخر ومباحات کے تحدیثاً للنعمة عرض ہے کہ اس قلیل ومختصر عرصہ میں یہ ہمہ جہتی ترقیات بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور انعام ہے۔ **فالحمد لله علی ذالک۔**

**ہمارا طریقۂ کار**:

گرامی قدر ساتھیو! آپ اچھی طرح سے واقف ہیں کہ دارالعلوم کے آئین و دستور کی رو سے اس کی سربراہ اعلیٰ مجلس شوریٰ ہے۔ دارالعلوم کے جملہ امور میں اسی کا فیصلہ آخری مانا جاتا ہے۔ اہتمام درحقیقت مجلس شوریٰ کا نیابتی ادارہ ہے جو مجلس کے فیصلوں اور تجاویز کی تنفیذ واجراء پر مامور ہے۔ انتظام وانصرام کے سلسلے میں دفتر اہتمام قطعاً مستند بالرائے نہیں ہے بلکہ ہر معاملے میں اس کی نظر مجلس شوریٰ کے فیصلے پر ہوتی ہے۔ اگر چہ آئینی اعتبار سے مہتمم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ روزمرہ کے معمولی انتظامی امور میں اپنی صوابدید کے مطابق عملدرآمد کرتا رہے پھر بھی بنظر احتیاط ایک عرصہ تک احقر کا یہ عمل رہا ہے کہ اہم امور کے علاوہ جزوی ومعمولی کاموں کو بھی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کر کے فیصلہ لے لیا کرتا تھا لیکن جب مجلس نے ایک تجویز کے ذریعہ اس بات کا پابند کر دیا کہ مجلس کے سامنے صرف اہم امور پیش کیے جائیں روزمرہ کے معاملات مہتمم خود اپنی صوابدید کے مطابق انجام دیتے رہیں تو تعمیلاً للامر اس طریقۂ کار کو موقوف کر دیا گیا۔ اس محولہ تجویز کے الفاظ یہ ہیں:

''شوریٰ طے کرتی ہے اور مہتمم صاحب کو ہدایت کرتی ہے کہ شوریٰ کے سامنے جزئیات وتفصیلات نہ لائی جائیں جو اصولی ہیں اور جن کا تعلق پالیسی سے ہے اور جن امور کو از روئے دستور شوریٰ ہی کے سامنے آنا۔ (تجویز اجلاس شوریٰ، ۲۵-۲۶-۲۷ر صفر المظفر ۱۴۰۵ھ)

مجلس شوریٰ کی اس تجویز کے بعد جب معمولی مسائل کو مجلس میں پیش کرنے کی گنجائش ختم ہوگئی تو یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں حضرت صدرالمدرّسین صاحب، حضرت نائب مہتمم صاحب، مجلس تعلیمی کے محترم ارکان، بعض حضرات اساتذہ اور نظماء دفاتر سے اجتماعی یا انفرادی طور پر مسائل کی نوعیت کے مطابق مشورہ کرکے اس پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرات اساتذہ یا دیگر کارکنان اگر کبھی از راہِ خیر خواہی از خود کوئی مشورہ دیتے ہیں تو پورے جذبہ تشکر و امتنان کے ساتھ اسے قبول کیا جاتا ہے۔ کسی بھی معاملہ میں جبر واستبداد اور حاکمیت وآمریت کا شائبہ تک آنے نہیں دیا جاتا۔ کامل وثوق اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں **وامرھم شوریٰ بینھم** کی ہدایت الٰہیہ سے دیدہ ودانستہ کبھی انحراف نہیں کیا گیا۔ اس طریق کار کی سب سے بڑی برکت جو نمایاں طور پر محسوس کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آج بحمداللہ دارالعلوم کے تمام شعبوں میں ہم آہنگی اور توافق پایا جاتا ہے اور دارالعلوم کے تمام خدام حریت فکر ورائے وانشراحِ صدر کے ساتھ اپنے اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں مصروفِ عمل ہیں۔

**ایک ضروری وضاحت:**

ادھر چند ہفتوں سے بعض اخبارات وافراد نے حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی کے بارے میں شوریٰ کے فیصلہ پر دور از حقیقت حاشیہ آرائی کرکے غلط فہمیاں پھیلانے کی غیر پسندیدہ مہم جاری رکھی ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ شوریٰ نے مولانا موصوف کے اعزاز واکرام کے سلسلہ میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے۔

چنانچہ ۱۴۰۳ھ میں انھیں ناظم تعلیمات کے مؤقر منصب پر فائز کیا۔ پھر ان کی خواہش ان ہی کے سپرد کردی، پھر چند سالوں کے بعد ۱۴۰۵ھ میں معاون مہتمم کے کلیدی عہدہ سے سرفراز کیا اور مزید برآں مدعو خصوصی کا امتیازی اعزاز دیا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا موصوف اپنے امراض اور مزاج کی بنا پر ان مناصب کو سنبھالنے میں کامیاب نہیں ہوسکے اور از خود ان سے علیحدہ ہوکر شعبۂ تدریس میں منتقل ہوجانے کی خواہش کی۔ ان کی خواہش کے احترام میں تدریس کی خدمت ان سے متعلق کردی گئی مگر اس دوران کچھ ایسی باتیں پیش آتی رہیں جن کی تفصیل کی نہ گنجائش ہے اور نہ موقع، جس کی بنا پر شوریٰ کو بادلِ ناخواستہ انھیں تدریس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرکے ان کی قدیمی خدمات کے صلہ میں وظیفہ جاری کرنا پڑا، کیونکہ دارالعلوم کا مفاد بہرحال شخصیات کے مفاد پر فوقیت رکھتا ہے۔

معزز شرکاء! آپ حضرات نے میری سمع خراشی کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کیا۔ یہ آپ کی عالی ہمتی اور سیر چشمی ہے۔ آپ کے اس ایثار وقربانی کے صلہ کے لیے ہم بوریہ نشینوں کے پاس بجز دعاؤں اور نیک تمناؤں کے اور کیا ہے؟ ہمیں اس کا بھرپور احساس ہے کہ ہم آپ کی شایانِ شان آپ کا استقبال نہیں کرسکے۔

آپ حضرات کے اخلاقِ کریمانہ سے ہمیں یہی توقع ہے کہ ہماری بیچارگی ودرماندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے دامنِ عفو سے ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور مادرِ علمی دارالعلوم کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ مستعد وآمادہ رکھیں گے۔

**وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین**

**والصلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین**

# خطبہ استقبالیہ

## بموقع تحفظ شریعت کانفرنس جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ ۳-۴ر اکتوبر ۱۹۹۳ء بمقام دہلی

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

حمد وستائش ہے خدائے علیم وبصیر کی جس نے ہمیں علم وفہم اور فکر ونظر کی دولت بخشی اور ہم بے نواؤں کے سر پر تاجِ امانت رکھ کر کائناتِ ارض وسماء میں ہمیں سرفرازی وسربلندی عطا کی۔

درود وسلام ہو محسنِ انسانیت پر جن کی بدولت ہماری نارسا عقلوں کو کتابِ مبین کا نور اور سنت بیضا کی روشنی ملی اور دنیا وآخرت میں فیروزمندی کا ضامن دین اسلام جیسا کامل ومکمل نظامِ زندگی ہمیں نصیب ہوا۔ اور رضائے الٰہی کی بارش ہو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے نخلستانِ اسلام کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی اور اپنا سب کچھ لٹا کر **بلغوا عنی ولو آیۃ** کا فرمانِ حق گھر گھر پہنچایا۔ پھر ہزاروں رحمتیں نچھاور ہوں فقہاء، محدثین اور

سلف صالحین پر جنھوں نے اپنے جہد وعمل سے اسلامی تعلیمات کو مبطلین کی تحریفات اور دراندازیوں سے بچائے رکھا اور اپنی علمی سرگرمیوں سے ہر عہد اور ہر زمانے میں تعلیماتِ اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری آشکارا کرتے رہے۔

مہمانانِ عالی قدر! آج کی اس متحرک اور دوڑتی بھاگتی دنیا میں سواریوں کی ہزار سہولتوں کے باوجود سفر کتنا کٹھن اور دشوار ہے اس کا تجربہ کسے نہیں ہے۔ اس کے باوجود ملک کے طول وعرض سے طویل مسافتیں طے کرکے اتنی بڑی تعداد میں آپ کا اکٹھا ہوجانا آپ کے عزم وحوصلہ اور شریعتِ اسلامی کے ساتھ آپ کی گرویدگی اور محبت وعقیدت کا زندہ ثبوت ہے۔

بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی
تمھارے نام پہ آئیں گے غمگسار چلے

یقین جانئے آپ کے اس اجتماع کو دیکھ کر میرا رواں رواں فرحت وانبساط کی ٹھنڈک سے سرشار ہے۔ مجلس استقبالیہ کا ایک ایک فرد آپ کا پرتپاک خیر مقدم کرنے کے لیے خلوص دل سے چشم براہ ہے اور آپ کے عزم وحوصلہ پر مخلصانہ مبارکباد پیش کرتی ہے۔ اس ضروری اور نہایت اہم اجتماع کو کامیاب اور مفید تر بنانے کی خدمت اور آپ جیسے عالی مرتبت وخلاصۂ امت مہمانوں کے استقبال کی سعادت میرے نام لکھ دی گئی ہے، جس کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ ہماری مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین!

علمائے عظیم المرتبت! یہ تاریخی شہر جس میں آپ اس وقت جمع ہیں ہماری عظمتِ رفتہ کا امین ہے جس کے کھنڈرات کے مٹتے ہوئے نقوش میں آج بھی ہمارے عہد عروج کی داستانیں پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن اب ہمیں رفت، بود، گیا اور تھا کے سوا کچھ یاد نہیں:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

میرے دوستو! یہ شہر کبھی رشکِ بغداد، غیرتِ مصر، ہمسرِ قسطنطنیہ اور موازی اندلس تھا۔ یہاں قدم قدم پر اسلامی درسگاہیں اور چپہ چپہ پر روحانی خانقاہیں قائم تھیں۔ اسی دہلی میں فقہِ اسلامی کا وہ گرانمایہ مجموعہ مرتب ہوا تھا جو فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور عالم ہے اور آج بھی احکامِ فتاویٰ کا ایک اہم ماخذ شمار ہوتا ہے۔ اسی شہر کے ایک زاویہ میں بیٹھ کر مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے احیائے دین واصلاحِ امت کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اسی عظیم تحریک کا ایک مظہر جمیل دارالعلوم دیوبند ہے جو اگرچہ ایک تعلیمی ادارہ اور مذہبی درسگاہ ہے مگر اس نے قومی زندگی اور ملّی مسائل سے کبھی صرفِ نظر نہیں کیا۔ ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد جب برصغیر پر برطانوی راج کا تسلط ہوگیا تو قانونِ فطرت کے مطابق فاتح قوم کا اثر ونفوذ جسموں سے گزر کر مفتوح رعایا کے دل ودماغ کو بھی مسخر کرنے لگا۔ دینی عقائد واعمال اور اسلامی تہذیب واخلاق کی مضبوط بنیادیں متزلزل ہونے لگیں اور خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ اندلس کی طرح سرزمینِ ہند سے بھی اسلام ہمیشہ کے لیے رختِ سفر باندھ لے۔ اس نازک ترین گھڑی اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں اسلام کی بقاء وتحفظ کا تاریخی کارنامہ دارالعلوم دیوبند ہی نے انجام دیا۔ **ذالک فضل الله يوتيه من يشاء۔**

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر اِک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں

اسی ولی اللّٰہی تحریک نے اسلامیانِ ہند کو جمعیۃ علماء ہند جیسی اولوالعزم، باحوصلہ، مدبر اور باشعور جماعت فراہم کی جس نے سامراجی اقتدار کو اس وقت للکارا جبکہ اس کے قلمرو میں آفتاب غروب نہ ہوتا تھا۔ اس جانباز جمعیۃ نے وقت کی اس سب سے بڑی طاقت سے اس زمانہ میں اعلانِ جنگ کردیا تھا جبکہ دوسرے لوگ اس نو وارد آقا کی خوشامد میں لگے تھے اور اپنے جہد وعمل اور جانبازی وجاں سپاری کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا یہاں تک کہ وطن عزیز کا ایک ایک چپہ برطانوی پنجۂ استبداد سے آزاد ہوگیا۔ تجربہ گواہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے آزادی کے بعد قوم وملت کی تعمیر وترقی سے متعلق ایسی ایسی ٹھوس ونتیجہ خیز اور بے مثال خدمات انجام دی ہیں جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اسی جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر ہم لوگ آج یہاں اکٹھا ہوئے تاکہ اس نئی صورتِ حال پر جس سے شریعت اسلامی سے متعلق خدشات اور اندیشے پیدا ہوگئے ہیں مل کر غور وفکر اور فیصلے کریں۔

زعمائے ملت! آپ حضرات راقم الحروف سے زیادہ باخبر ہیں کہ یہ دنیا حق وباطل اور نور وظلمت کا میدانِ کارزار ہے اسی لیے خدا کے آخری دین کے نزول کے ساتھ ہی باطل پرستوں کی ریشہ دوانیاں تیز ہوگئی تھیں اور آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔

تاریخ کے ہر دَور میں ایسی جماعتوں اور ایسے افراد کی نشاندہی کی جاسکتی ہے مگر عصر حاضر میں ایک نمایاں تبدیلی یہ آئی ہے کہ باطل کے آقاؤں نے میدان بدل کر ایک ایسی جنگ شروع کی ہے جس کو نظریاتی جنگ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس میں کبھی حقائق کو بگاڑ کر پیش کیا جاتا ہے جیسے تعدد ازدواج کا مسئلہ، کبھی نئی اصلاح مقرر کرکے اس کی اپنی منشا کے مطابق تشریح کی جاتی ہے جیسے بنیاد پرستی اور دہشت گردی وغیرہ اور کبھی اسلامی احکام میں سے کسی

ایسے حکم کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کے محاسن کو چھپا کر اس کے بارے میں تشکیک وتضحیک کا ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر تمام ذرائع ابلاغ اس کام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں سے کچھ مفاد پرست روح اسلامی سے بے خبر یا سادہ لوح حضرات ان کی ہمنوائی کرنے لگتے ہیں۔ باطل کے قائدین اپنا معاندانہ چہرہ چھپائے رکھتے ہیں اور خیر خواہی کے جذبات کا مظاہرہ کرکے اپنی مہم کو کامیاب کرنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔

ادھر تقریباً آٹھ مہینوں سے بیک مجلس دی گئی تین طلاقوں کا مسئلہ اخبارو جرائد وغیرہ میں بحث ومباحثہ کا خاص موضوع بنا ہوا ہے اور عام طور پر پیش پیش ماڈرن سوسائٹی سے وابستہ وہ لوگ ہیں جو صحافتی دنیا میں دانشور اور روشن خیال کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، جن کی اکثریت عربی زبان وادب سے نابلد ہونے کی وجہ سے براہِ راست قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہے اس لیے دیگر اسلامی موضوعات کی طرح طلاق کے موضوع پر بھی یہ دانشور جو کچھ لکھ رہے ہیں اس میں وہ اسلام کی کم اور مغربی مستشرقین کی ترجمانی زیادہ کرتے ہیں، جن کے یہ بالواسطہ یا بلاواسطہ خوشہ چیں ہیں۔

تین طلاق کا یہ مسئلہ عورتوں کے ساتھ ہمدردی کے عنوان سے اُبھارا جارہا ہے اور ہندوستان میں مختلف مصلحتوں کے سبب اس مسئلہ کی لہر اور تیز ہوگئی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جس ہندوستان میں ہزاروں مردوں کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہزاروں بیواؤں اور لاکھوں یتیموں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا اسی ہندوستان میں معدودے چند تین طلاق کے واقعات سے پورا ہندوستان عورت کی مظلومیت کا نام لے کر کراہنے لگتا ہے۔

اگر ان حضرات نے تین طلاق کے واقعات کے اعداد وشمار جمع کیے ہوتے اور ظلماً قتل ہونے والے مردوں کے مقابلے اس کی تعداد بالفرض زیادہ ہوتی تو اس شور وواویلا کے لیے انھیں ہمدرد سمجھنے کی گنجائش نہیں ہوتی مگر یہ اعداد وشمار کبھی سامنے نہیں آئیں گے کیونکہ ایسی طلاق کا تناسب مظلومانہ قتل کے مقابلہ میں صفر کے برابر ہے۔

اسی طرح غیر مسلم معاشرہ میں جہیز کے معاملہ میں عورتوں کے دلدوز قتل کے واقعات کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے رہتے ہیں لیکن کبھی یہ مسائل تین طلاق کے موضوع کی طرح اخبارات میں زیر بحث نہیں لائے گئے۔ پھر کیا یہ باتیں یہ سمجھنے کی کافی دلیل نہیں ہیں کہ تین طلاق کا مسئلہ ان سیاسی بازیگروں کا اُچھالا ہوا ہے جو ہوتے کچھ ہیں اور نظر آتے کچھ ہیں:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

عورت کے بارے میں اسلام اور اہلِ مغرب کے نظریات یکسر متضاد ہیں۔ مثلاً اسلام عورت کی عفت اور پاک دامنی کو انتہائی اہمیت دیتا ہے اسی لیے اس نے عورت کے لیے قانونِ عفت مرتب کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس قانون کا پابند بنایا ہے۔ اسلام اپنے اس قانون کے تحت عورت کو فطری تقدس عطا کرتا ہے اور اس کے تحفظ کی ضمانت مہیا کراتا ہے۔ عورت کے متعلق اسلام کا یہ نظریہ فطری تقاضوں اور سماجی حالات کے عین مطابق ہے جبکہ اہل مغرب عورت کی عفت وپاکدامنی کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے۔ اس لیے وہ مرد وعورت کے بے باکانہ اختلاط اور آزادانہ میل ملاپ کو نہ صرف روا سمجھتے ہیں بلکہ اسے فطری حق کا نام دے کر خوشنما اور پسندیدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بے مہار آزادی میں رکاوٹ کو وہ حق تلفی اور ظلم بتاتے ہیں۔ اہل مغرب کا عورت سے متعلق اس غیر فطری رویہ کا غیرت سوز اور عبرتناک نتیجہ آج دنیا کے سامنے ہے۔

☆ فرانس میں ہر سال اوسطاً ۷ ہزار ناجائز بچے پیدا ہو رہے ہیں۔

☆ برطانیہ کے اندر سالانہ لاکھوں دوشیزائیں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے پہلے ہی ماں بن جاتی ہیں۔

☆ امریکہ میں ہر سال پندرہ فیصد مرد زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور پچیس فیصد لڑکیاں شادی سے پہلے ہی اپنی دوشیزگی گنوا بیٹھتی ہیں۔

لیکن اس نفسیاتی کمزوری کو کیا کہا جائے کہ جھوٹ کو اگر بار بار دہرایا جائے تو سماج اسے حقیقت سمجھ کر اپنا لیتا ہے اور سچ کہنے والے اس کی نظر میں جھوٹے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ عورت کے بارے میں مغرب کا موقف بالکل اسی نوعیت کا ہے۔ اس نے قوانینِ فطرت کے خلاف ہمیشہ کذب بیانی کی ہے مگر اپنے جھوٹ کو وہ اس قدر کثرت سے دہراتے ہیں کہ سطحی ذہن وفکر کے لوگ اسے سچ باور کر لیتے ہیں۔ یہ کس قدر حیرتناک اور الم خیز فریب ہے کہ اسلام جو عورت کو گھر کی رانی اور خاندان کی ملکہ کا درجہ عطا کرتا ہے اس پر عورت کی تحقیر اور آزادئ نسواں پر ظالمانہ قدغن لگانے کا الزام تھوپا جارہا ہے اور جو عورت کو آزادئ نسواں کے پرفریب کام سے ماڈرن گرل، ڈانسر، اداکارہ وغیرہ بنا کر اس کے تقدس کا سرِ بازار سودا کرتا ہے وہ اس کا نجات دہندہ اور عزت بخشنے والا ہوگیا:

زخم کو پھول تو صرصر کو صبا کہتے ہیں
جانے کیا دَور ہے کیا لوگ ہیں کیا کہتے ہیں

اسی طرح طلاق کا معاملہ ہے۔ اسلام نے اس کے لیے کچھ ضابطے مقرر کیے ہیں جس کے تحت وہ مرد کو طلاق کا اختیار دیتا ہے اور بعض قیودات کے

ساتھ فسخ نکاح وغیرہ کا اختیار عورت کو بھی حاصل ہے جبکہ اہلِ مغرب نے نکاح وطلاق کے معاملہ کو مذہب کی گرفت سے آزاد کرلیا ہے اور اکثر حالات میں افتراقِ جسمانی ہی سے وہ طلاق کی ضرورت پوری کرلیتے ہیں اور بسا اوقات طلاق کا استعمال بھی ان کے یہاں ہوتا ہے۔ طلاق کی ان دونوں صورتوں میں مرد وعورت کا حق ان کے یہاں یکساں ہے اور دونوں اپنے حق کو استعمال کرنے میں مطلقاً آزاد ہیں اور اپنے اس غیر معقول اور خود اپنے مذہب کے خلاف طرزِ عمل کو شخصی آزادی کا دلفریب عنوان دیتے ہیں۔

اسلام نے طلاق سے متعلق جو نظام اور ضابطہ بتایا ہے وہ مرد وعورت کی راحت، طبعی جذبات، صنفی صلاحیتوں اور معاشرتی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنی حماقت، بے جا جذباتیت، ہوس پرستی وغیرہ اسباب کے زیر اثر اسلامی ضابطۂ طلاق نظر انداز کردے اور من مانی کر بیٹھے جس کی بنا پر بعد میں پیچیدگی پیدا ہوجائے تو یہ بے ضابطگی کا نتیجہ ہوگا۔ اصل ضابطہ پر اس سے کیوں الزام آئے گا لیکن دانشوروں کی اکثریت جن کے مضامین ومقالات اخبار وجرائد میں شائع ہورہے ہیں وہ آنکھ بند کرکے اپنے اساتذۂ مغرب کی تقلید میں اسلامی ضابطۂ طلاق پر غیر معقول جارحانہ حملے کررہے ہیں۔ کوئی عورتوں کو اُبھار رہا ہے کہ وہ اس بات کی تحریک چلائیں کہ نکاح وطلاق کے معاملہ کو مذہب سے علیحدہ کرکے کورٹ اپنے ہاتھ میں لے لے، کوئی یہ مشورہ دے رہا ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی طلاق دینے کا حق دیا جائے، کوئی یکساں سول کوڈ بنانے کا حکومت کو مشورہ دے رہا ہے اور کوئی ہے کہ من گھڑت قصّے کہانیوں کے ذریعہ اس اسلامی قانون کی تضحیک کررہا ہے۔ ملک کا قومی پریس جسے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود گوارہ نہیں وہ ان خرافات کو شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع کرتا ہے۔ سیاسی پارٹیاں بھی در پردہ اور بعض کھل کر ان کی حمایت کررہی ہیں تاکہ مسلمانوں میں انتشار پھیلے اور وہ اپنے دیگر اہم مسائل کی جانب توجہ نہ کرسکیں۔ غرضیکہ ایک طوفان ہے جو ہر چہار سمت سے بڑھ رہا ہے۔ اس طوفان کو اگر آج روکا نہ گیا تو کل اس کی بلاخیزیوں کا مقابلہ دشوار ہوجائے گا۔ اگر **العلماء ورثة الانبیاء** ایک مقولہ ہی نہیں بلکہ صادق ومصدق صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ ایک سچی حقیقت ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وراثت کے صحیح مصداق ہم اسی وقت ہوسکتے ہیں کہ حضرات انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کی جرأتمندانہ سعی وجہد، ان کے غیر فانی عزم وارادہ، ان کا جوشِ عمل اور حق کی خاطر مرمٹنے کا جذبۂ صادق ہمارے رگ وریشہ میں موجزن رہنا چاہیے:

اُٹھیئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر ہوگئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اذا لعن آخرُ هٰذه الامة اوّلها فمن كتم حديثاً فقد كتم ماانزل الله عز و جل** (ابن ماجہ) اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سکوت اور خاموشی کا کیا جواز ہے۔ آگے بڑھیئے اور مستشرقینِ مغرب کے پردوں اور سیاسی بازیگروں پر واضح کردیجیے کہ ہم اس شور وغوغا سے کسی طرح دبنے والے نہیں ہیں۔ ہم اپنے دین ومذہب میں کسی فرد، جماعت یا حکومت کی مداخلت کسی قیمت پر برادشت نہیں کرسکتے اور اس قسم کی ہر بیجا کوشش کی ہم جان کی بازی لگا کر مزاحمت کریں گے:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحان ہمارا

حاملینِ شریعت! جہاں تک مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین یا ایک شمار ہونے کا ہے تو اصول وضوابط کے دائرہ میں رہتے ہوئے علمی بحث وتحقیق کے طور پر گفتگو کی جاسکتی ہے اور اس گفتگو کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس باب میں بغیر کسی لچک کے ہمارا مسلک وہی ہے جو حضراتِ صحابہ، جمہور تابعین، ائمہ محدثین، فقہائے مجتہدین اور امت کے سوادِ اعظم کا ہے۔ ہمارے اس مسلک کی دلیل **الطلاق مرتان اور ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالک امراء** آیاتِ قرآنیہ ہیں۔ ہمارے مسلک کی دلیل حدیث عویمر رضی اللہ عنہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **فلما فرغ قال عويمرٌ كذبت عليها يا رسول اللّٰه ان امسكتها فطلقها ثلاثة** (بخاری باب من اجاز طلاق الثلاث، ج۲،ص۷۹۱، ومسلم ج۱،ص۴۸۹، ونسائی، ج۴،ص۸۱ باب الرخصۃ فی ذالک ای المجموعۃ) ابوداؤد میں یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ ہے:

**عن مهل بن سعد في هٰذا الخبر ملطقها الثلاث تطليقات عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فانفذه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم** (ج۲،ص۲۱۴)

ہمارا مستدل حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جس میں ابن عمر کا سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ان الفاظ میں مذکور ہے: **یارسول الله ارأيت لواني طلقتها ثلاثاً اكان كل لي ان أراجعها قال لا كانت تبينُ منك و تكون معصية.** (سنن دارقطنی، ج۲،ص۴۳)

اس حدیث کی سند اصول محدثین کے اعتبار سے بے غبار ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید حدیث رکانہؓ سے ہوتی ہے۔ حضرت رکانہؓ روایت کرتے ہیں: **انه طلق امرأته البتت فاتي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم**

فقال ماار دت قال واحدة قال اللّٰہ اللّٰہ قال هو علی ماار دت.

اس حدیث کے راوی امام شافعیؒ ہیں اور ان کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں اس کی تصحیح امام ابوداؤد سے دارِقطنی سے نقل کی ہے اور امام ابن حبان، حاکم اور ابوداؤد سے حافظ ابن حجر نے تلخیص الجبیر، ص۳۱۹ پر نقل کی ہے۔ حدیث عائشہ صدیقہؓ بھی ہمارے مسلک کی موئید ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً نتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أتعل للاوّل قال لاحتی یذوق عسلیتها کما ذاق الاوّل. (بخاری باب من اجاز طلاق الثلاث، ج۲ص۷۹۱ ومسلم ج۱ص۴۶۳)

اسی مضمون کی حدیث حضرت انسؓ سے طبرانی نے الاوسط میں نقل کی ہے جس کے بارے میں علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: ورجاله رجال الصحیح خلا محمد بن دینار و قد وثقه ابوحاتم وابوزرعة و ابن حبان و فیه کلام لایضرّ. (المجمع الزوائد، ج۴ص۳۴۰)

ہمارے مسلک پر سبط رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث بصراحت دلالت کرتی ہے۔ حضرت حسنؓ نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو بایں الفاظ طلاق دے دی تھی: اذهبی فانت طالق ثلاثاً بعد میں حضرت حسنؓ کو خبر ملی کہ عائشہ کو جدائی کا بڑا غم ہے تو حضرت حسنؓ فرطِ رقت سے رو دیئے اور فرمایا: لولا انی سمعت جری او حدثنی بی انه سمع جدی ایمارجل طلق امراته ثلاثاً عند الاقراء او ثلاثا مبهالم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها. (السنن الکبری مع الجواہر النقی، ج۶ص۳۳۶ والدارقطنی، جد۲، ص۴۳۸) حافظ ابن رجب حنبلی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (الاشعناق، ص۴۴) اور علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: رواه الطبرانی و فی رجاله ضعف و قدوثقوا۔

بہرصورت اصولِ محدثین کے اعتبار سے یہ حدیث قطعی طور پر لائق احتجاج واستدلال ہے۔ اس وقت پیش کردہ احادیث سے متعلق نہ تفصیلی کلام کا موقع ہے اور نہ مسئلہ سے متعلق سارے دلائل جمع کرنے کا۔ اس لیے انہی چند حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں عہد فاروقی میں اس پر صحابہ کا اجماع بھی صحیح نقول سے ثابت ہے۔ اس اجماع میں تین خلفائے راشدین کی شرکت بغیر کسی شک وشبہ کے یقینی طور پر ثابت ہے اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہدایت ہے۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین. خلفائے راشدین کی سنت کو دربارِ رسالت سے تشریعی سند حاصل ہوجانے کے باوجود اس اجماع کو حضرت فاروق اعظم کا ایک سیاسی فیصلہ کہہ کر رد کردینا بے جا جسارت ہے جو خود قابل رد ہے۔

مزید برآں پندرہ حضرات صحابہ کے فتاویٰ سے بھی ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور ان فتوؤں کے خلاف کسی ایک صحابی سے بھی کوئی فتویٰ صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ یہ فتاویٰ جن صحابہ سے کتب حدیث میں منقول ہیں ان میں فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ علی مرتضیٰؓ (خلفائے راشدین)، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمروؓ، زید بن ثابتؓ، عائشہ صدیقہؓ، ام سلمہؓ (ازواجِ مطہرات)، ابوہریرہؓ، عمران بن حصینؓ وغیرہ فقہائے صحابہؓ شامل ہیں۔ عہد صحابہ میں یہی حضرات افتاء کے منصب پر فائز تھے اور بقیہ سارے صحابہ ان کے فتوؤں پر عمل کرتے تھے۔ اس لیے قرآن وحدیث اجماع اور آثارِ صحابہ کی مستحکم بنیاد پر بغیر کسی تردد اور شک وشبہ کے ہم اسی بات کو حق وصواب سمجھتے ہیں کہ بیک مجلس یا بیک تلفظ دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ ہمارا یہی مسلک ہے اور ہم اسی پر قائم رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔

رہبرانِ قوم! آج ہمارا معاشرہ عجیب زبوں حالی کا شکار ہے۔ اسلامی قدریں اور مذہبی روایات تدریجاً ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ اعمال واخلاق کا تو ذکر کیا اعتقادات کی مضبوط ومستحکم دیواریں لرزہ خیز ہیں۔ تن آسانی وراحت کوشی، فرائض وذمہ داریوں سے غفلت، باہمی اختلاف ونزاع جیسی تباہ کن بیماریاں جڑ پکڑتی جارہی ہیں۔ گھر تباہ ہورہے ہیں۔ خاندان اُجڑ رہے ہیں، معاشی، اقتصادی حالت دن بدن ابتر ہورہی ہے اور اس بدحالی سے پیدا ہونے والی بیواؤں سے ملّی شیرازہ بکھر رہا ہے۔ قوم کا یہ اضمحلال اقتصادی و معاشی زوال اور اخلاقی ومعاشرتی فساد روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے، پھر کیوں ہماری اسلامی عصبیت کو ٹھیس نہیں لگتی، کیوں ہماری مذہبی غیرت سورہی ہے اور کیوں ہماری تبلیغی قوتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ آخر ہمارے جوشِ عمل اور جذبۂ جہاد کو کیا ہوگیا ہے:

جب کی نہ دوائے دردِ جنوں پھر چارہ گر کہتے ہو یہ کیوں
ہر درد کا درماں ہوتا ہے ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے

بزرگانِ محترم! ہماری زبوں حالی ہمارے دشمنوں کی مدد کررہی ہے۔ وہ مسلمانوں کی عملی زندگی کے نقائص کو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے دوری کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ ہمارے دشمن تو ان چیزوں میں شاطر اور عیار ہیں، مگر سادہ لوح انسان بھی اس لیے معذور ہیں کہ وہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو مسلمانوں کی عملی زندگی سے ممتاز کرنے پر قادر نہیں۔ وہ ہماری کوتاہیوں اور خرابیوں کی تصویر میں مذہب اسلام کو دیکھتے ہیں تو اسلامی تعلیمات سے گرویدگی اختیار کرنے کے بجائے ان سے دور بھاگتے ہیں۔ اس لیے ہماری

سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے حالات کو درست کریں۔ عملی زندگی کی کوتاہیوں کو ختم کرنے کے بعد تواصیٔ حق اور تواصیٔ استقامت کی دعوت لے کر گھر گھر پہنچیں اور بچے بچے کے اندر دین و مذہب کی تڑپ پیدا کردیں اور اسلامی زندگی کا انھیں پیکر بنادیں۔ گاؤں گاؤں اصلاحی انجمنیں قائم کریں اور اپنی نگرانی میں ان انجمنوں کو فعال و متحرک رکھیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے سربراہوں سے بھی میری درخواست ہے کہ وہ اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر چھوٹے چھوٹے کتابچے شائع کرکے شہر شہر، قصبہ قصبہ تک پہنچائیں نیز اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے جگہ جگہ اجتماعات اور شخصی ملاقات کرکے فضا ہموار کی جائے اور یہ سلسلہ مسلسل قائم رکھا جائے۔ قوم آج بھی سننے، ماننے اور عمل کے لیے تیار ہے۔ بس اسے جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کی ضرورت ہے نیز عورت اور مرد کی علیحدگی جن صورتوں میں اسلامی عدالت یا قاضی کی ضرورت پڑتی ہے اور عورت شرعی قاضی نہ ہونے کے سبب انصاف حاصل کرنے میں پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا حل یہ نہیں کہ اسلامی قانون میں تبدیلی کی جائے بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ حکومت قاضی بل کی منظوری دے اور جمعیۃ علماء ہند اس سلسلہ میں پوری کوشش صرف کرکے اس دشواری کو ختم کرنے کے لیے حکومت کو آمادہ کرے۔

آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ میری باتیں سنیں۔ میں اس کرم فرمائی پر اظہارِ تشکر کرتے ہوئے سلسلۂ کلام کو ختم کررہا ہوں اور چونکہ تمدنی حقوق اور اجتماعی رسوم کے لحاظ سے رفقائے کار کا شکر یہ بھی ضروری ہے اس لیے جذبۂ تشکر کی وہ لطیف اور پاکیزہ شیرینیاں جنھیں میرا قلب محسوس کررہا ہے اگر نطق وکلام ان کی ترجمانی کرسکتے ہوں تو میں منّت پذیری کے جذبات اپنے احباب اور بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں کہ اگرچہ ہم اپنی تمامتر کوششوں کے باوجود مہمانانِ گرامی قدر کے شایانِ شان استقبال کا حق ادا نہیں کرسکے ہیں، نیز راحت رسانی اور میزبانی کے فرائض کی ادائیگی میں بھی یقیناً کوتاہی ہوسکتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جس خلوص و جانفشانی کے ساتھ محترم ارکانِ استقبالیہ اور جماعتی رفقاء نے اجلاسِ تحفظ شریعت کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے اس کے نقوش میرے ورقِ دل پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین.

والصلوٰة والسلام علی خاتم الانبیا والمرسلین

# خطبہ صدارت

## بموقع اجتماع کل ہند مدارس عربیہ

منعقدہ یکم دسمبر ۱۹۹۴ء بمقام دارالعلوم دیوبند

**الحمدلله نحمدہٗ و نستعینهٗ ونستغفرہٗ ونومن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیئاٰت اعمالنا من یهده اللّٰه فلامضل له ومن یضلله فلاهادی له ونشهد ان لااله الااللّٰه وحدہٗ لاشریک له ونشهد ان سیّدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولهٗ صلی اللّٰه علیه وعلیٰ اٰله واصحابه وازواجهٖ و ذریته واهل بیته اجمعین. امابعد!**

**حضرات علماء عظام!**

میرے ضعیف کاندھوں پر جو بارگراں رکھا گیا ہے میں اس کا ہرگز اہل نہیں ہوں، لیکن یہ سوچ کر رحمتِ خداوندی سے وابستہ امید میں قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ یہ بندہ کے حق میں **شهداء اللّٰه فی الارض** کی شہادت ہے نیز یہ کہ مجھے آپ حضرات سے اُمید ہے کہ حکم نبوی **فان کلفتموهم مایغلبهم فاعینوهم** کے پیشِ نظر آپ بھی اپنے خادم کی اعانت ونصرت فرمائیں گے۔

**حضرات فضلائے ذی شان!**

کسی تنظیم یا جماعت وادارہ پر بحث وتبصرہ اسی وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ یہ بحث ونظر اس کے پس منظر، نصب العین، مقاصد اور خدمات کے دائرے میں رہ کر کی جائے۔

ہماری دینی درسگاہوں کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے، ان کی تاسیس و قیام دوررَس اور عظیم تر مقاصد سے وابستہ ہے، پھر ان مقاصد کو بروئے کار لانے میں ان کی مسلمہ خدمات ہیں، اس لیے ان مدارس سے متعلق وہی گفتگو صحیح لائق قبول اور مبنی برصواب ہوسکتی ہے جو ان مذکورہ امور کی روشنی میں کی جائے گی چونکہ ہمارے اس عظیم اجتماع کا موضوع بحث یہی اسلامی مدارس ہیں، اس لیے اصل موضوع پر قائم رہنے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک سرسری نظر ان کے پس منظر، نصب العین، مقاصد وخدمات پر ڈالتے چلیں۔

**مدارس کا تاریخی پس منظر!**

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جب اپنے قیام حرمین شریفین سے

۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں وطن مالوف واپس لوٹے ہیں تو دہلی کا حال بد سے بدتر تھا، سلطنت مغلیہ ایک لاشۂ بے جان یا شاہ صاحب کے الفاظ میں "لعبۂ صبیان" بچوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی، آئے دن کی ہنگامہ خیزیوں سے دہلی کے عوام اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ خود اپنا وجود ان پر گراں گزر رہا تھا، ان وحشت ناک و ہمت شکن حالات نے امام الہند کے اندر یاس وقنوطیت پیدا کرنے کی بجائے ان کے اشہب ہمّت کو مہمیز کا کام دیا، انھوں نے کامل دیدہ دری کے ساتھ ماحول کا جائزہ لیا، زوال وانحطاط کے عوامل واسباب کی چھان بین کی اور زندگی کے ان تمام گوشوں کو متعین کیا جو محتاج اصلاح تھے۔

شاہ صاحب نے مسلم معاشرہ اور مغلیہ سلطنت کے انحطاط وزوال کے اسباب علیحدہ علیحدہ متعین کئے تھے، مسلم معاشرہ کے زوال کا سبب ان کے نزدیک مذہبی شعار سے بے اعتنائی اور علوم دینیہ سے بے تعلقی تھی، سیاسی زوال کی بنیاد اقتصادی بگاڑ کو ٹھہرایا تھا حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ وغیرہ تصانیف سے ان دونوں امور کے متعلق ان کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے، اس تجویز وتشخیص کے بعد اصلاح کا جامع پروگرام مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ درس وافادہ اور ارشاد وتلقین کے ذریعہ تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کردی جس نے ان کی اصلاحی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کی وفات ۱۱۷۶ء کے بعد ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز کو ان کا جانشین بنا گیا، تحریک ولی اللّٰہی کا وہ نہال تازہ جسے امام الہند نے اپنے ہاتھوں نصب کیا تھا، اس جانشین کی تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں سے ایک تناور درخت بن گیا جس کی بہار آفریں شاخیں ملک کے گوشے گوشے تک پھیل گئیں۔ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا صرف یہی کارنامہ نہیں ہے کہ انھوں نے ولی اللّٰہی تحریک کو جو ابھی تک اعلیٰ طبقوں تک ہی پہنچ سکی تھی، سہل الحصول بنا کر مقبول خاص وعام بنا دیا بلکہ اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعہ رجالِ کار کی ایک ایسی مستعد وبافیض جماعت پیدا کردی جو علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت، صبر واستقامت اور جذبۂ ایثار وجاں سپاری میں اس مقام بلند ومعیارِ اعلیٰ پر فائز تھی کہ جس خطۂ ارض سے گزر گئی اس میں ایمان ویقین اور جہد وعمل کی لہر دوڑ گئی:

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

آہ! تاریخ کا کتنا حسرت ناک المیہ ہے کہ ایک بوڑھے نحیف ونزار، مختلف امراض کا شکار، انکھوں سے معذور قائد داعی نے ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرکے اپنی شب وروز کی جدوجہد اور دعائے نیم شبی سے قوم وملت کی، صلاح وفلاح کے لیے مردان باوفا کی ایک جماعت تشکیل کی، اور یہ جماعت جب اس قابل ہوگئی کہ اللہ کی مخلوق کو ظلم واستبداد کے پنجوں سے نکال کر عدل وانصاف فراہم کرے تو خود اپنوں ہی کی بیوفائیوں وچیرہ دستیوں سے بالاکوٹ کے ریگزاروں میں تحلیل ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس موقعہ پر یہ خیال کرنا کہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وفات اور حادثہ بالاکوٹ کے بعد ولی اللّٰہی تحریک ختم ہوگئی "خلاف واقعہ ہے" کیونکہ کسی تحریک کے اصول ومنہاج کے مطابق جب تک کام کرنے والے افراد موجود رہتے ہیں وہ تحریک حقیقتاً زندہ رہتی ہے، چنانچہ تحریک ولی اللّٰہی کے اس انتہائی نازک موڑ پر سراج الہند کے جانشین مسند آفاق شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے تحریک کی قیادت سنبھال لی، اور سراج الہند شاہ عبدالعزیز کے دستور کے مطابق انھیں کے مدرسہ میں تعلیم وارشاد کے ذریعہ ذہنی وفکری تربیت کا سلسلہ شروع کردیا اور چار سال کی قلیل مدت میں جماعت کو پھر سے منظّم کرکے مولانا سیّد نصیرالدین دہلوی کی امارت میں سرفروشوں کا ایک قافلہ تبلیغ وجہاد کے لیے تیار کردیا لیکن جب انگریزوں کی جانب سے نگرانی بڑھ گئی اور یہاں رہ کر کام کرنا مشکل ہوگیا تو اپنے خاص تلمیذ استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتوی کی صدارت میں تحریک کی نگرانی کے لیے ایک بورڈ مقرر کرکے خود مکہ معظّمہ ہجرت کرگئے اور اپنے ایک دوسرے شاگرد مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کو اپنا جانشین بنا کر مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی مسند تدریس ان کے حوالہ کردی، اس بورڈ کے اہم ارکان میں مذکورہ دونوں بزرگوں کے علاوہ نواب قطب الدین دہلوی صاحب مظاہر حق، مولانا مظفر حسین کاندھلوی اور امیر الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی شامل تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاہ عبدالغنی مجددی اور حاجی امداداللہ قدس اسرارہما نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اس لیے شکست کے بعد یہ دونوں حضرات مکہ معظّمہ ہجرت کرگئے، اور مدرسہ شاہ عبدالعزیز اور اکبری مسجد کو جو وابستگان تحریک کی تربیت گاہ کی حیثیت سے معروف تھے، انگریزوں نے تباہ وبرباد کرادیا۔

**دانشمندانِ ملت!**

سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، دینی علم وعلماء کو مٹا دینے کے لیے وحشت وبربریت کی حد کردی گئی، سرزمین ہند جس پر انھوں نے صدیوں حکمرانی کی تھی، اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کردی گئی، مسلم امراء ورؤسا کی جائدادیں ضبط کرکے انھیں نان شبینہ کا محتاج بنا دیا گیا، غرضیکہ ظلم وجبر کی جتنی شکلیں بھی امکان میں تھیں وہ سب مجبور مسلمانوں پر آزمائی گئیں، لیکن خانماں برباد ملّت میں ابھی زندگی باقی تھی، سب کچھ لٹ گیا تھا مگر اسلامی کردار باقی

تھا، شان وشوکت مٹ گئی تھی مگر دینی غیرت وحمیت محفوظ تھی، ان ساری وحشیانہ حرکتوں کے باوجود دین ومذہب اور ملک ووطن کے ساتھ ان کی وفاداریاں بدلی نہ جاسکیں تو شاطر حکمرانوں نے بجائے ظلم وتشدد کے ایک دوسرے حکمتِ عملی تجویز کی، جس کی تفصیل مولوی محمد طفیل علیگ کے الفاظ میں یہ ہے:

''حقیقی نبض شناس انگریزوں کی تشخیص سے گورنمنٹ ہند کی حکمتِ عملی (پالیسی) ۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارہ میں تبدیل ہوئی، اور سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دبا کر اور برباد کر کے انھیں سلطنت کا خیر خواہ اور وفادار نہیں بنایا جاسکتا، چنانچہ سال مذکور میں گورنمنٹ ہند نے مسلمانوں کو جدید طریقہ پر تعلیم دینے کا تہیہ کر لیا۔'' (روشن مستقبل ص ۱۲۵)

اس حکمتِ عملی کے پس پردہ کیا عزائم کارفرما تھے اسے فاش کرنے اور پالیسی کی اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے ہمیں اور پیچھے لوٹنا پڑے گا یعنی ۱۸۳۴ء کی اس کمیٹی کی روداد کا جائزہ لینا ہوگا جو یہ طے کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ ہندوستانی طلبہ کو مشرقی زبان میں تعلیم دی جائے، یا انگریزی زبان میں، اس کمیٹی کا اجلاس ۷؍مارچ ۱۸۳۵ء کو لارڈ میکالے کی صدارت میں ہوا، جس میں صدر اجلاس لارڈ میکالے کے ترجیحی ووٹ پر انگریزی زبان کی تعلیم کا فیصلہ ہوا تھا، لارڈ میکالے کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی محمد طفیل علیگ مرحوم لکھتے ہیں:

''اس فیصلے کی تعریف میں بڑے بڑے راگ الاپے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے اس کے ذریعہ ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا، مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے ان میں سے ایک اعلانیہ اور دوسرا خفیہ تھا، اعلانیہ رائے تو وہ تھی جو انھوں نے اپنی رپورٹ میں ان الفاظ میں دہرائی تھی ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہوں۔''

لارڈ میکالے کی حقیقی رائے جو ان کے قلب کے اندرونی پردوں کے اندر چھپی ہوئی تھی وہ تھی جو انھوں نے اپنے والد ماجد کو ایک چٹھی میں لکھ کر بھیجی تھی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

''اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا، بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عمل درآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔'' (روشن مستقبل ص ۱۵۰-۱۵۱)

۱۸۷۰ء میں مسلمانوں کے بارے میں حکمتِ عملی کی تبدیلی اور انھیں جدید طریقہ پر تعلیم دینے کا مقصد اسی مخفی جذبہ کے تحت تھا جس کا ذکر لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں اپنے مذکورہ مکتوب میں کیا تھا۔ چنانچہ اس پالیسی کے تحت مسلمانوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی جانے لگی، مسلمان طلبہ کے لیے وظائف مقرر کئے گئے اور تمام صوبوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹیوں تک مسلمانوں کے لیے مراعات کا انتظام کیا۔ (روشن مستقبل ص ۱۸)

گذشتہ سطروں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مسلمانوں میں جدید تعلیم کی ترویج کا مقصد ومنشاء کیا تھا، اس موقع پر اس تعلیم کی نوعیت کا واضح ہو جانا ضروری ہے، جس کے لیے مسلمانوں پر وظائف اور مراعات کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، سر ولیم ہنٹر کی ایک تحریک سے یہ امر بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے یہ تحریر ولیم ہنٹر نے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم سے متعلق لکھی تھی، اس طویل تحریر کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

''موجودہ خالص عربی شعبہ کو انگریزی اور عربی کا شعبہ کر دیا جائے تا کہ گورنمنٹ اسکول کا پاس شدہ لڑکا کالج کی اعلیٰ تعلیم سے مستفید ہو سکے، یہ امر مشتبہ ہے کہ شرع محمدی کی باضابطہ تعلیم دی جائے جو سب پر لازم ہو، یقیناً شرع محمدی کو تعلیم کا مقصد نہ بنانا چاہیے کیونکہ شرع محمدی سے مراد مسلمانوں کا مذہب ہے اور مذہب بھی اس زمانہ کا جبکہ اس کے پیرو تمام دنیا کو اپنی جائز شکارگاہ سمجھتے تھے اور انھوں نے زمانہ حال کی مسلمان آبادیوں کی طرح عیسائیوں کے ساتھ اتحاد کر کے یا ان کی رعایا بن کر رہنا نہ سیکھا تھا، سردست بجائے شرع محمدی کی روزانہ قواعد کرنے کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور فارسی لٹریچر اور اُردو میں مغربی سائنس کی تعلیم دی جائے۔''

(روشن مستقبل ص ۱۸۵)

سر ولیم ہنٹر کی اس تحریر سے صاف عیاں ہے کہ یہ جدید طریقۂ تعلیم دین و مذہب سے بیگانہ بنانے کی ایک خفیہ سازش تھی، جس پر 'تعلیم' کی خوشنما چادر ڈال دی گئی ورنہ شرع محمدی سے یہ گریز کیوں ہوتا، پھر مسلمانوں میں اس جذبہ نظام تعلیم کو نافذ کرنے کے لیے ابتداً وہ مقامات منتخب کئے گئے جہاں مذہب کا زور تھا، جہاں کے مسلمانوں کو مذہبی مجنوں (آج کل کی مغربی اصطلاح میں بنیاد پرست) اور پشتینی بدخواہ سمجھا جاتا تھا، تا کہ بقول ہنٹر:

''ایک ہی سال میں عام پسند رنگ بدل جائے اور مخالفوں کو اپنا طرفدار بنالیا جائے۔''

سرسیّد خاں مرحوم نے بھی اپنی مشہور تصنیف ''اسباب بغاوت ہند'' میں سرکار انگلشیہ سے اس خفیہ سازش کی شکایت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''سب کو یقین تھا کہ گورنمنٹ علانیہ مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کرے گی البتہ خفیہ تدبیریں کر کے جس طرح عربی اور سنسکرت کو فنا کر دیا اسی طرح ملک کو مفلس اور جاہل بنا کر اور اپنے مذہب کی کتابیں اور وعظ وتبلیغ کو پھیلا کر نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دے گی۔

اس جدید نظام تعلیم کے بارے میں مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کا یہ تجزیہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے وہ لکھتا ہے کہ:

''اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن اسکولوں بلکہ سرکاری مدارس میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں گے۔''

اور بقول خود اس کا یہ لازمی نتیجہ کچھ دنوں میں برآمد ہو گیا، وہ اس سلسلے میں لکھتا ہے:

''یورپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جا رہا ہے اسی قدر لوگ ہماری تہذیب وتمدن اور ہمارے اصول مذہبی سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں، ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کو کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔''

(ترجمہ خطبات گارساں ص ۴۰۷-۴۰۸)

**پاسبانِ ملّت!**

یہ تھے قوم کے حالات کہ حکومت وسلطنت ایک قصہ پارینہ ہو چکی تھی، جاہ ومنصب خواب وخیال بن چکے تھے، دولت وثروت کے خزانوں پر افلاس و ناداری کا پہرہ تھا قومی وملّی رہنماؤں کی اکثریت موت کے گھاٹ اُتار دی گئی تھی یا جیل کی سلاخوں اور انڈومان کے جزیرے میں محبوس کر دی گئی تھی، قسمت سے بچے کھچے افراد بتقاضائے مصلحتِ وقت ہجرت کر گئے تھے، یا اپنے اپنے زاویوں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے، اس لاچاری وکسمپرسی میں قوم وملت کے لیے اگر کوئی سہارا تھا تو وہ صرف ایمان واعتقاد کا سہارا تھا۔ مگر اب اس پر بھی غارتگراں افرنگ ڈاکہ ڈالنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے:

گردش وقت وہ بھی چھین نہ لے
اِک تیری یاد کا سہارا ہے

تحریک ولی اللٰہی کا مرکز ''مدرسہ شاہ عبدالعزیز'' جہاں سے ملت کو علم و معرفت، عزم وحوصلہ اور جرأت واستقامت کا درس ملتا تھا، تباہ کیا جا چکا تھا جبکہ ولی اللٰہی تحریک کی رگوں میں خوں اسی مدرسہ سے پہنچایا جاتا تھا، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ نے اسی مدرسہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا، اور اسی میں بیٹھ کر قوم کی علمی، ذہنی، فکری تعمیر وتشکیل کی خدمات انجام دی تھیں۔ سقوط سلطنت اور دہلی کی تباہی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو بقول مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد اسحاق کی مرکزی جمعیت نے جو اب حجاز میں مقیم تھی اور امیر حاجی امداد اللہ کی رہنمائی میں ہندوستانی کام کرتی تھی، فیصلہ کیا کہ اطرافِ دہلی میں امام عبدالعزیز کے مدرسہ کے نمونہ پر ایک مدرسہ بنایا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم (نانوتوی قدس سرہٗ) اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سات سال تک کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ یعنی ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء میں سقوط دہلی کے ۹؍سال بعد مدرسہ دیوبند کی تاسیس ہو سکی۔''

مولانا سندھی کہنا چاہتے ہیں کہ ''دارالعلوم دیوبند'' کا قیام کسی وقتی جذبہ یا شخصی حوصلہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی تاسیس طے شدہ منصوبہ، اور ایک جماعت کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آئی تھی، جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ''قیام دارالعلوم کے بعد جب شاہ رفع الدین دیوبندی حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو وہاں سیّدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ ''ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا فرمائیے'' حضرت حاجی صاحبؒ نے دلچسپ انداز میں فرمایا:

''سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے، یہ دیوبند کی قسمت ہے، اس دولت گراں قدر کو یہ سرزمین لے اُڑی۔'' (علماءِ حق ص ۱۷، ج ۱)

''مدرسہ عربی اسلامی'' یعنی دارالعلوم دیوبند کے قیام سے حضرت حاجی صاحب کو کس قدر مسرت وشادمانی ہوئی تھی، اس کا اندازہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا یعقوب صاحب رحمہما اللہ کے نام ان کے مکتوب کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''واز اجراء مدرسہ علم دین بسعی آں عزیزاں وعزیزم حافظ عابد حسین صاحب چہ خویشہا رونمود کہ بیان نمی آید، خدائے تعالیٰ ایں امر خیر را مدام جاری دارد وساعیاں وباعثان ایں را جزائے خیر دہد۔''

قیام دارالعلوم کے بعد حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء کی دوڑ دُھوپ سے اسی طرز پر سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم، مراد آباد میں، مدرسہ شاہی، گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں منبع العلوم کی تاسیس عمل میں آئی پھر چراغ سے چراغ

روشن ہوتے گئے، اور ظلمت کدۂ ہند میں علم و عرفان کی ضیا پاشیاں پھر سے ہونے لگیں۔

**کتاب و سنت کے پاسبانو!**

یہ ہے ''مدرسہ عربی اسلامی دیوبند'' یعنی ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس طرز و منہاج پر قائم مدارس دینیہ دراصل اسی شجر طوبیٰ کی شاخیں ہیں جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بافیض مقدس ہاتھوں سے نصب کیا تھا، کہ شرک و بدعت، جہل و معصیت کی بادِسموم سے نڈھال درماندگانِ راہ اس کے حیات بخش، خنک سائے میں آکر تازگی و توانائی حاصل کرسکیں:

کعبہ را دیراں مکن اے عشق کانجا یک نفس
گاہ گہہ درماندگانِ راہ منزل می کنند

**مدارس کا نصب العین:**

مدارس، دینیہ کے اس تاریخی پس منظر سے ان کے اغراض و مقاصد کی نشاندہی بھی ہوجاتی ہے یعنی دینی تعلیمات کے تحفظ، کتاب وسنت کی اشاعت اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وحفاظت کے لیے یہ اسلامی گروکل تعمیر کئے گئے ہیں، بالفاظ دگر علم و عرفان کی یہ چھاؤنیاں اس غرض سے قائم کی گئی ہیں کہ ان سے دین کے سچے ومخلص خادم اور اسلام کے جانباز، جرأت مند سپاہی تیار کئے جائیں جو اسلامی عقائد و شعائر اور دینی اخلاق و روایات کے داعی ونقیب بنیں، اور باطل طاقتوں کی فتنہ سازیوں سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کریں، اسی لیے ان مدارس کا نظام تعلیم و تربیت امام الہندؒ کی تحریک دعوت و اصلاح کی بنیادوں پر قائم کیا گیا، اور نصابِ تعلیم خالص دینی رکھا گیا، اور ان کا مقصدِ تاسیس، نصب العین اور مطمح نظر دین اور صرف دین ہے اور وہ اسلامی تعلیمات کی تدریس و ترویج اور دینی عقائد و مآثر کے احیاء کے لیے قائم کئے گئے ہیں۔

**مدارس دینیہ اور عصری علوم:**

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر اور نصب العین کا مختصر جائزہ مظہر ہے، کہ ان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی معاشرہ کی دینی ضروریات کی تکمیل ہے، ان کا قیام اس لیے عمل میں نہیں آیا ہے کہ یہ سماج کو سائنس داں، ڈاکٹر انجینئر وغیرہ فراہم کریں۔

میری گذارش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلم سماج کو ان عصری علوم اور ان کے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے، بلاشبہ ایسے ادارے ہونے چاہئیں جو ان بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کریں اور بحمد للہ ملک میں ایسے ادارے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، جو ان ضرورتوں کی تکمیل میں سرگرم عمل ہیں، اس لیے دینی مدارس کے نصب العین اور بنیادی مقاصد کو نظر انداز کر کے انھیں عصری علوم کی تعلیم و تدریس کا مکلّف بنانا بظاہر تحصیل حاصل ہے، البتہ اس سلسلے کی اتنی معلومات جو ایک انسان کی بنیادی ضرورت ہیں ان کے لیے مدرسہ ابتدائیہ کے نصاب میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، جسے نصاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مدارس دینیہ کے عربی نصاب کے ساتھ علوم عصریہ کو جوڑنے کی تجویز نظری طور پر اگر چہ بڑی خوشنما اور سودمند معلوم ہوتی ہے مگر تاریخ اور مشاہدہ دونوں گواہ ہیں کہ یہ تجربہ کبھی کامیاب اور بارآور نہیں ہوا ہے اور آزمودہ کو بار بار آزمانا کہاں کی دانش مندی ہے، بعض دانشورانِ قوم کا یہ خیال کہ علم ایک ناقابلِ تقسیم اکائی ہے اسے دین و دنیا کے الگ الگ خانوں میں منقسم کرنا صحیح نہیں مسلمان اپنے اقبال مندی کے دور میں دونوں علوم کے سالار کارواں رہے ہیں۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مسلمانوں کی اقبال مندی کا دور بھی دینی اور دنیوی علوم کی تفریق سے خالی نہیں رہا، بجز چند مستثنیات کے دونوں علوم کے حاملین الگ الگ جماعتوں میں منقسم رہے ہیں، قرآن وسنت کے نصوص میں بھی اس تفریق کے واضح اشارے موجود ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''انتم اعلم بامور دنیاکم'' اور ''من یرد اللّٰہ بہٖ خیرا یفقھہ فی الدین'' فرماکر علم کو دو خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ ''الدنیا مطی الآخرۃ'' کا ارشاد بھی اس تقسیم کی جانب مشیر ہے اس لیے کہ سوار اور سواری کے فرق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، پھر علوم دنیوی کا افادی پہلو اپنی تمام ترقیات کے باوجود اس فانی زندگی تک محدود ہے جبکہ دینی علوم حیات اخروی کی ابدی و سرمدی زندگی کی سعادتوں اور کامرانیوں کا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں بیک وقت مختلف زبانوں اور متضاد علوم کی تحصیل کا بار علمی صلاحیتوں کو اُبھارنے کی بجائے ان کو دبا دیتا ہے، چنانچہ میر کارواں حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہٗ نے ابتداء کار ہی میں اس دو عملی اور مخلوط نصابِ درس کو بایں الفاظ رد فرما دیا تھا:

''زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل اب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد ہے۔'' (از تقریر حضرت نانوتوی مطبوعہ روداد مدرسہ عربی اسلامی ص ۱۲۹۰ھ)

پھر تجربہ بھی بتاتا ہے کہ جس طرح آدھا تیتر آدھا بٹیر، نہ اچھا تیتر ہوتا ہے نہ اچھا بٹیر، اسی طرح علوم دینیہ کے ساتھ علوم عصریہ کی پیوند کاری سے نہ اچھا مولوی بنتا ہے، نہ اچھا مسٹر، کیونکہ دونوں علوم کی سمت سفر اور منزل الگ الگ ہیں، نتیجتاً دو مخالف راستوں پر چلنے والا مسافر درمیان میں پھنس کر رہ جاتا ہے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اُدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

علامہ اقبال لاہوری، جو ایک شاعر ہی نہیں بلکہ مفکر اور فلسفی کی حیثیت

سے بھی علمی حلقوں میں شہرت رکھتے ہیں، جن کی نشو ونما کالجوں اور یونیورسٹیوں ہی میں ہوئی تھی اور آج کل کے دانشوروں کے مقابلہ میں علوم عصریہ پر ان کی نظر وسیع تر تھی، قوم وملت کی اصلاح وترقی کا جذبہ خیر بھی آج کے ہمدردانِ قوم سے ان میں کم نہیں تھا، بایں ہمہ وہ مدارس دینیہ کے نظامِ تعلیم میں تبدیلی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم احمد شجاع (جو مدارس کے نصاب میں علوم عصریہ کی شمولیت پر بہت زور دیتے تھے) کے جواب میں لکھتے ہیں۔

''ان مکتبوں (مدرسوں) کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انھی مدارس میں پڑھنے دو اگر یہ ملاّ اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، میں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا، جس طرح اندلس میں مسلمانوں میں آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرووں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے کے سواء مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''

میری ان گذارشات کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں انگلش زبان یا علوم عصریہ کی افادیت کا سرے سے انکار کر رہا ہوں بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے مدارس دینیہ کا عربی نصابِ تعلیم اکابر رحمہم اللہ کے طرز پر خالص دینی علوم پر مشتمل رہنا چاہیے دیگر غیر متعلق علوم کی اس میں آمیزش طلبہ کی ذہنی کشاکش کا سبب بنے گی اور ہمارا یہ نظامِ تعلیم طلب الکل کا مصداق ہو کر غیر مفید و بے حیثیت ہو جائے گا۔

**تجدید و احیاء دین میں مدارس کا کردار:**

جس طرح درخت پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ایک ادارے یا تنظیم کے پرکھنے کی کسوٹی فقط یہی ہے کہ اس نے عملی کام کیا کیا ہے؟ اور اس کے جہد وعمل سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دارالعلوم اور اس کے نظامِ تعلیم سے مربوط دینی درسگاہوں نے برصغیر میں اپنی خدمات کے ایسے واضح روشن اور تابناک نقوش ثبت کردیئے ہیں کہ مستقبل کا مؤرخ ان کا تذکرہ کئے بغیر اپنی تاریخ مکمل نہیں کرسکتا، ہمارے مدارس دینیہ کا یہ پہلو ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس پر ثبوت و شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں ''عیاں راچہ بیاں'' توضیح موضوع کے طور پر تین شہادتیں پیش کی جارہی ہیں، عصر حاضر کے مشہور صاحب نظر مصنّف مولانا ابوالحسن ندوی کے الفاظ ہیں:

''فضلائے دارالعلوم کا جمہور وعوام سے جو ربط ہے وہ کسی دینی جماعت کا نہیں ہے سارے ہندوستان میں مدارس عربیہ کا جال بچھا ہوا ہے اور اس درسگاہ کے علماء فضلاء وہاں مسند تدریس پر متمکن ہیں وہ عام مسلمانوں میں ذی اعتبار اور مساجد و محلوں میں بااثر ہیں۔'' (عصر جدید کا چیلنج ص ۳۶)

پیام ندوۃ العلماء کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''تاہم اس حقیقت سے کوئی ہوشمند انسان انکار نہیں کرسکتا کہ (دارالعلوم) دیوبند کے فضلاء نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین خالص کی جس طرح حفاظت کی ہے اور اس کو بدعت، تحریف اور تاویل سے محفوظ رکھا ہے اس سے ہندوستان میں اسلامی زندگی کے قیام و بقاء اور استحکام میں بیش قیمت مدد ملی ہے، اور آج جو صحیح اسلامی عقائد، دینی علوم، اہل دین کی وقعت اور صحیح روحانیت اس ملک میں نظر آتی ہے اس میں بلاشبہ اس کا نمایاں اور بنیادی حصہ ہے۔

''عصر جدید'' کلکتہ نے دارالعلوم اور اس کے فضلاء کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دارالعلوم دیوبند اسلام کی جو مذہبی خدمات انجام دے رہا ہے اور مغربی تہذیب وتمدن کے سیلاب سے جس طرح اس نے اسلامی ہند کی روحانی عمارت کو محفوظ رکھا ہے ہندوستان کے طویل و عریض براعظم کا ایک ایک گوشہ اس کی گواہی دے سکتا ہے، ایسے وقت میں جبکہ علوم جدیدہ کی روشنی نے ظاہر بیں نظروں کو خیرہ کردیا تھا، جبکہ دنیوی عزت اور مناصب کی کشش اچھے اچھے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی، جبکہ لوگ مذہب سے بے پرواہ اور مذہبی تعلیم سے غافل ہوچکے تھے، اور قال اللہ وقال الرسول کی مقدس آواز نئی تعلیم کے نقار خانہ میں دب گئی تھی اور مغربی تعلیم وتمدن کے شور وغوغا سے مغلوب ہوچکی تھی۔

اس نازک وقت میں دیوبند اور صرف دیوبند تھا جو قرآن وحدیث کے علم کو سنبھالے ہوئے کھڑا رہا، حوادث کی آندھی نے رہ رہ کر اس کو گرانا چاہا مگر وہ پہاڑ کی طرح قائم رہا فاتح تہذیب کی خندہ زنی اس کو اپنی قدامت سے منحرف نہ کرسکی، نئی تعلیم کے سیلاب نے چاہا کہ اپنی رو میں اسے بہالے جائے مگر کسمپرسی کے باوجود ایک طرف اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا اور دوسری طرف اپنی روحانیت کی روشنی ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچاتا رہا، یہاں تک کہ مسلسل جدوجہد کے بعد آج نہ صرف پشاور اور رنگوں بلکہ قفقاز، موصل بخارا اور اسلامی دنیا کے ہر حصہ سے فدائیان قرآن و حدیث آآ کر پروانہ وار اس کے گرد جمع ہیں۔''

(عصر جدید ۳؍اکتوبر ۱۹۳۶ء بحوالہ ماہنامہ دارالعلوم، اگست ۱۹۹۴ء)

یہ مذکورہ حوالے بیانگ دہل شہادت دے رہے ہیں کہ دارالعلوم اور اس

کے فضلاء کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے جس کا ایک زمانہ معترف ہے اور اپنے و پرائے سب مانتے ہیں کہ دارالعلوم اور اس کی مربوط دینی درسگاہیں اپنے قیام کے مقاصد کو پورا کرنے میں کامیاب و کامراں ہیں۔ اب اگر کسی جانب سے گرد و غبار اُڑا کر ان کی روشن خدمات کو دھندلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو اس سے چیں بہ جبیں ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے آپ اپنا سفر جاری رکھئے انشاء اللہ یہ غبار از خود فضاؤں میں تحلیل ہو کر فنا ہو جائیں گے:

عنوان ترقی ہے یہ تیرہ فضائی بھی
کچھ گرد سی اٹھتی ہے جب قافلہ چلتا ہے

البتہ ماضی کی ان فتح مندیوں پر غیر متوازن اعتماد سے اگر ہماری قوت عمل میں اضمحلال پیدا ہو جائے تو یہ صورتِ حال ضرور پریشان کن ہے، ماضی میں بہت سی کامیاب شخصیتیں اور فتح مند جماعتیں اس مزمن مرض میں مبتلا ہو کر کارگاہ حیات میں اپنا اعتبار و وقار کھو چکی ہیں، اس لیے ہوش مندی اور بیدار مغزی کا تقاضا یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے شاندار ماضی کو چراغ راہ بنا کر ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کی فکر کریں، آج ان مدارس کی تمام تر ذمہ داری ہمارے اوپر ہے خدانخواستہ ہماری غفلت اور بے اعتنائی سے ان میں فتور آ گیا تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔

**علمائے ذی مرتبت!**

یہ خدائے بزرگ و برتر کا کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں توفیق بخشی کہ ایک جگہ سر جوڑ کر مدارس دینیہ کی تعمیر و ترقی کے بارے میں غور و فکر بحث و تحقیق کر رہے ہیں، لہٰذا اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش کریں۔

**حضرات!**

ہمارے مدارس دینیہ کا نظام عمل چار اجزاء پر مشتمل ہے:

(۱) طلبہ (۲) اساتذہ (۳) نصاب (۴) انتظامیہ

جس طرح جسمانی صحت کے لیے اخلاط اربعہ میں اعتدال ضروری ہے اسی طرح مدارس کے بارآور اور نفع بخش ہونے کے لیے لازم ہے کہ اس کے چاروں اجزاء، درست، صحیح، اور معتدل ہوں۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ مناسب نہ ہوگا کہ ان اجزاء میں سے کسی ایک جز پر اپنا سارا زور اور پورا وقت صرف کر دیں، بلکہ ہمارا دائرۂ فکر و نظر چاروں اجزاء پر محیط ہونا چاہیے۔

**اصلاح و تربیت:**

مادیت کے فروغ اور مغربیت کے عروج سے آج ہمارا پورا معاشرہ زوال کی زد میں ہے، اس لیے اصلاح و تربیت کی اہمیت و ضرورت پہلے سے اب بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، طلبہ کے مزاج و مذاق جس تیزی کے ساتھ تغیر پذیر ہیں اس سے کون ناواقف ہوگا، اس لیے یہ مسئلہ نہایت دل سوزی و بالغ نظری کے ساتھ غور و فکر کا طالب ہے، اس سلسلہ کا ابتدائی خاکہ آپ کے ملاحظہ میں آئے گا، اس پر بحث و نظر کے بعد قرارداد منظور کریں اور اپنے اپنے مدرسوں میں اس کا نفاذ فرمائیں۔

**اصلاح نصاب:**

اس مشینی دور میں عام طور پر طبعیتیں محنت و مشقت کی بجائے سہولت پسند ہو گئی ہیں، جس سے مدارس کے طلبہ مستثنیٰ نہیں ہیں، علاوہ ازیں نہ اب پہلے جیسے دل و دماغ ہیں، نہ پُرسکون ماحول، اس لیے عرصہ سے یہ مطالبہ تھا کہ فن کی بعض وہ کتابیں جو ذہنی ریاضت چاہتی ہیں، ان کی متبادل آسان کتابیں تلاش کی جائیں فن تاریخ و سیرت جو خالص اسلامی فن ہے ہمارا نصاب اس سے خالی تھا، کسی طرح اسے نصاب میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے، اسی طرح کی بعض جزوی اصلاحات کی گئی ہیں، نصاب تعلیم ہمارے نظام کا اہم ترین جز ہے لہٰذا اس میں بھی مستعدی کے ساتھ غور و فکر کی ضرورت ہے اگر اس کل ہند اجتماع میں نصاب کی یکسانیت پر ہم متفق ہو جائیں تو یہ ہماری بڑی کامیابی ہوگی۔

**مدارس کا باھمی رابطہ:**

ہمارے مدارس دینیہ کے اکثر اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے سلسلہ اسناد رکھنے کی بناء پر علمی طور پر دارالعلوم سے مربوط ہیں، ہمارا یہ عہد اجتماعیت کا عہد ہے، آج سیاست، تجارت، ملازمت، صنعت وغیرہ سب شعبے تنظیم کے دائرے میں اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں اگر مدارس دینیہ بھی باہم مربوط ہو جائیں تو ان کا یہ باہمی رابطہ اخذ و استفادہ میں مفید ہوگا اور اس رابطہ سے تعاون و تناصر کی فضا ہموار ہوگی، مدارس کے اساتذہ میں علمی افادہ و استفادہ کا ماحول بن جائے اور مدارس میں باہمی رقابت کی جگہ ایک دوسرے کی اعانت و نصرت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو مدارس کے علمی و انتظامی مسائل کے حل میں بڑی مدد ملے گی اور عوام پر بھی اس کا اچھا اثر پڑے گا ''رابطہ مدارس عربیہ'' کا ایک ابتدائی دستوری خاکہ حسبِ تجویز نمائندہ اجتماع مورخہ ۲۰/۲۱ محرم ۱۴۱۵ھ آپ کے سامنے آئے گا، اس خاکہ میں رنگ بھرنا آپ حضرات کا کام ہے۔

**مہمانانِ عالی منزلت:**

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری درازنفسی و سمع خراشی کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت فرمالیا۔

**فجزاکم اللّٰہ احسن الجزا واللّٰہ معکم اینما کنتم واٰخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین و محبیہ واتباعہ اجمعین۔**

# خطبہ صدارت

## بموقع کل ہند اجتماع رابطہ مدارسِ عربیہ دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۲۰؍رجب ۱۴۱۶ھ، مطابق ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۵ء بروز جمعرات

**الحمدللّٰہ نحمدہ، ونستعینہ، و نستغفرہ، ونومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئآت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وان سیّدنا ومولانا محمداً عبدہ، ورسولہٖ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً. امابعد!**

خداوندرحمٰن ورحیم کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ اس نے ہم سب کو ایک جگہ جمع ہوکر مدارسِ عربیہ کے مسائل پر غور وفکر کرنے اور ان کے لیے صحیح راہ تلاش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے صحیح راہ اختیار کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین!

بزرگانِ محترم! میں اس مبارک ومسعود موقع پر اپنی اور اپنے تمام رفقاء دارالعلوم کی طرف سے آپ کی خدمت میں جذباتِ تشکر پیش کرنا اپنی سعادت اور فرض منصبی سمجھتا ہوں کہ آپ نے تکلیف دِہ سرد موسم کے باوجود زحمتِ سفر برداشت کی اور اپنی تعلیم سے متعلق مسائل پر غور وفکر کے لیے قیمتی وقت عطا فرمایا اور یہ کہ یہاں آپ کی تشریف آوری میں جو محبت کے مخلصانہ دواعی کارفرما ہوتے ہیں وہ نہایت قابلِ قدر وتکریم ہیں، اس لیے میں صمیمِ قلب سے واجباتِ ضیافت میں کوتاہی پر معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مادرِ علمی کے قابلِ احترام فرزند ہونے کے رشتے سے آپ ان کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں گے۔

علماء ذی وقار! آپ حضرات عصرِ حاضر کے بدلتے ہوئے حالات کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ شاید وہ زمانہ قریب آ گیا ہے جس کے بارے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا **یاتی علی الناس زمانٌ، الصابرُ فیھم علیٰ دینہ کا لقابض علی الجمر**. (مشکوۃ باب تغیر الناس) یعنی ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں اپنے دین پر عمل کرنے والا اپنے ہاتھوں میں انگارے لینے والے کی طرح ہوجائے گا، مراد یہ ہے کہ جس طرح انسان کے لیے انگارے کی تکلیف برداشت کرنا ناممکن ہے، اسی طرح دین پر عمل پیرا ہونے والوں کو پیش آنے والے زبردست ابتلاء کو برداشت کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ آزمائش کا یہ دور شروع ہو چکا ہے، مذہب کے خلاف سازشیں مرتب ہورہی ہیں اور انسان کو فکری ارتداد کی طرف لانے کی منصوبہ بند جدوجہد کی جارہی ہے، ابھی ماضی قریب میں چند اصطلاحات وضع کی گئی ہیں جیسے بنیاد پرستی۔ اور اس طرح مذہب کے خلاف جو سرد جنگ چھیڑی گئی ہے اس میں مدارس عربیہ سرِ فہرست ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ امانت کو دنیا میں عام کرنے والے دنیا کو امن و محبت کا پیغام دینے والے، اور ہر ملک کو سچے ایماندار، فرض شناس اور امن پسند شہری دینے والے مدارسِ عربیہ تو بنیاد پرستی کا مرکز کہلائیں اور خداوند ذوالجلال والاکرام سے بغاوت کرنے والے دنیا میں ظلم وتشدد کی پشت پناہی کرنے والے، انسانیت کو بے چینی کی جہنم میں جھونکنے کی برملا کوشش کرنے والے امن کے علم بردار بن جائیں، اکبرالہ آبادی مرحوم نے کہا تھا:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے یہ جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

محترم بزرگو! اس طرح کے حالات نے مدارس عربیہ کے اتحاد واتفاق تعاونِ باہمی، اور ان کے درمیان رابطہ کے قیام کی شدید ضرورت پیدا کردی ہے اور اسی لیے سالِ گذشتہ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ میں کل ہند اجتماع مدارسِ عربیہ نے رابطۃ المدارس العربیہ کے نام سے ایک اچھے کام کی بنیاد ڈالی تھی اور اس کے مرکزی دفتر کے قیام کے لیے دارالعلوم دیوبند کو منتخب کیا گیا تھا اور ہر سال رابطہ مدارس عربیہ کے سالانہ اجلاس بلانے کی تجویز منظور کی گئی تھی۔

چنانچہ یہ اجلاس جس نے ہم سب کو ایک جگہ بیٹھ کر غور وفکر کرنے کا موقع فراہم کیا اسی رابطۃ المدارس العربیہ کا پہلا اجلاس ہے، دعوت نامہ میں ان موضوعات کی وضاحت کردی گئی تھی جو اجلاس میں زیر بحث آیا کریں گے۔ اور میں بھی عرض کردوں کہ رابطۃ المدارس العربیہ کے مجوزہ اصول میں یہ تحریر ہے کہ سالانہ اجتماع میں مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث آئیں گے۔

(۱) نظامِ تعلیم وتربیت (۲) نصابِ تعلیم (۳) مسلم معاشرہ کی اصلاح اور اسلام کی حفاظت میں مدارس کا کردار (۴) ربطِ باہمی کے استحکام کی تجاویز۔ (۵) مدارس کے لیے ضابطۂ اخلاق۔

اب اس اجلاس میں ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ ہماری کارگزاری کیا رہی، کام میں کتنی پیش رفت ہوئی، مجوزہ نصابِ تعلیم اور نظام تربیت پر کتنا عمل ہوا، ہماری ضروریات کیا ہیں اور مقصد اور نصب العین کی طرف پیش رفت میں کیا مشکلات ہیں، نیز یہ کہ ان کا کیا حل ہونا چاہیے وغیرہ۔

**قابلِ احترام فضلاء:**

سالِ گذشتہ مدارسِ عربیہ کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے مطالبہ پر سنجیدگی

سے غور کیا گیا تھا، اور بہت زیادہ غور وفکر کے بعد مقصد سے ہم آہنگ جزوی تبدیلیاں کی گئیں تھیں، کچھ کتابیں حذف کی گئی تھیں، کچھ کتابوں کا اضافہ کیا گیا تھا، چند فنون کی ابتدائی تعلیم کے لیے آسان رسالوں کی تربیت کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی اور تاریخ کی کچھ کتابوں کو ہر سال کے مطالعہ میں شامل کیا گیا تھا وغیرہ۔ چنانچہ سالِ رواں کے آغاز میں یہ ترمیم شدہ نصاب نافذ کر دیا گیا اور اسی کے مطابق یہ سال اختتام تک پہنچ رہا ہے۔ البتہ جو کتابیں بازار میں دستیاب نہیں تھیں، ان کے حصول میں دشواری ہوئی، ان میں سے اکثر کتابیں طبع ہوگئیں اور طلبہ تک پہنچا دی گئیں، اس طرح مختلف فنون کے ابتدائی رسالے تیار نہیں ہو سکے، ان میں سے بعض کی تربیت مکمل ہوگئی ہے اور بعض ابھی زیر تربیت ہیں، امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال یہ سب کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔ نیز یہ کہ نئے نصاب کے اجراء میں کچھ دشواریاں بھی پیش آرہی ہیں ان دشواریوں کا احساس دیگر مدارس میں بھی ہے، اس اجلاس کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور جو مشکلات پیش آرہی ہیں ان کا حل تلاش کریں۔

**عالی مرتبت اساتذہ!**

رابطہ المدارس الاسلامیہ کے اجلاس میں زیر بحث آنے والے موضوعات آپ کے علم میں ہیں، آپ ان پر غور وفکر کر رہے ہیں اور ان پر گفتگو بھی ہوگی اور خدا نے چاہا تو اس کے بہتر نتائج بھی ہمارے لیے مفید ہوں گے، انھی کے موضوعات کے تعلّق سے جو بات ہم سب کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی طالب ہے وہ یہ ہے کہ نصابِ تعلیم اور نظام تربیت میں تین چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، ایک طلبہ کی استعداد سازی، دوسرے ان کے سیرت وکردار کی تعمیر اور تیسرے اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے تقریر وتحریر کی مشق وتمرین، اور ان تینوں چیزوں کی طرف تمام مدارس اپنی توجہات مبذول کئے ہوئے ہیں۔ مجھے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ان تینوں بنیادی چیزوں میں توازن و اعتدال کی رعایت بھی بہت زیادہ اہمیت کی طالب ہے، اور اگر ہم استعداد سازی پر پوری توجہ صرف کر دیں اور دوسری چیزوں کا حق ادا نہ کر سکیں یا تربیت پر پورا زور دیں اور استعداد سازی کی طرف توجہ نہ رہے، یا تقریر وتحریر کا سلیقہ پیدا کرنے کی طرف زیادہ توجہات مبذول ہو جائیں استعداد اور تربیت کی طرف خصوصی توجہ نہ رہے تو جو مقاصد مدارس عربیہ کا نصب العین ہیں ان کو بروئے کار نہیں لایا جا سکے گا، تعلیم و تربیت کا کام کرنے والے اساتذۂ کرام ان تینوں بنیادی چیزوں کے درمیان اعتدال قائم رکھنے کی افادیت اور ضرورت سے بخوبی واقف ہیں اور اپنا فرض منصبی ادا فرما رہے ہیں، میری گذارش کا مقصد انھی حضرات کے تجربات کو آپ کے سامنے رکھ دینا ہے۔ اسی طرح اپنے مقاصد اور نصب العین کو آگے بڑھانے میں ہمارا باہمی تعاون اور مضبوط رابطہ بھی بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، قطروں سے دریا اور دانوں سے خرمن تیار ہوتے ہیں، اس لیے ہماری جدوجہد میں جس کی سمت اور نصب العین ایک ہے۔ اگر رابطہ کی قوت بھی موجود رہے گی تو اس سے خیر کی بڑی امید کی جا سکتی ہے۔

خدا ہماری صفوں میں اتحاد پیدا فرمائے اور ہماری مساعی میں اپنے فضل وکرم سے اسلاف واکابر کے عمل کی روح عطا فرمائے اور ہماری محنتوں کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مفید تر بنائے اپنی بارگاہ میں قبولیت کے لائق بنا دے۔ آمین!

میں آخر میں پھر آپ حضرات کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی پر معذرت کر کے درگزر کا امیدوار ہوں۔

والحمد لِلّٰہ اولاً و آخراً

# خطبہ استقبالیہ

## بموقع تحفظ سنت کانفرنس دہلی

منعقدہ ۲-۳ر مئی ۲۰۰۱ء

الحمدللّٰہ نحمدہ، ونستعینہ، و نستغفرہ، ونومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئآت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ، ونشھدان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ، ورسولہ. امابعد!

**مہمانانِ گرامی قدر اور معزز حاضرین!**

خداوند رحمٰن ورحیم کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل کیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ اس کی ایسی آسان عملی صورت معین کر دی کہ بندوں کے لیے صراط مستقیم پر قائم رہنا آسان ہو گیا اور آج اسی صراط مستقیم کے تحفظ کے لیے آپ حضرات جمعیۃ علماء کی دعوت پر جمع ہیں۔

اس موقع پر میرا سب سے خوشگوار فریضہ یہ ہے کہ میں آپ حضرات کی تشریف آوری کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کروں، گرمی کے موسم میں سفر کی تکلیف برداشت کرنا اور اپنی علمی ودینی مصروفیات میں سے اس کام کے لیے وقت نکالنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ دین ابراہیمی، شریعت اسلامی اور

حریم حنفیت کی پاسبانی کا حق ادا کررہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو دین حنیف کی سربلندی کا ذریعہ بنائے اور آپ کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا کرے، اس لیے میں آپ حضرات کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں اور مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں۔

**پاسبانانِ ملت!**

آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق خدانے انسانیت کے لیے وہ دین مقرر فرمایا ہے جس کی بنیادی دفعات کا پچھلے پیغمبروں کو بھی تاکیدی حکم دیا گیا تھا۔ارشاد ہے: **شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسٰی ان اقیموا الدین ولاتتفرقوا فیہ.** (شوریٰ آیت ۱۳)

اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم نوح کو دیا گیا تھا اور وہی دین وحی کے ذریعہ آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اسی کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو تاکیدی حکم دیا گیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

ان بنیادی دفعات میں الوہیت، توحید، رسالت، آخرت اور کتب سماویہ پر ایمان وغیرہ ہیں۔ان بنیادی واقعات کے بعد عملی احکام ہیں جیسے زہد وعبادت صدق ودیانت، عدل وسخاوت اور احسان وغیرہ کہ اصولی طور پر یہ تمام مذاہب میں مشترک ہیں، لیکن ان پر عمل درآمد کے طریقوں میں ہر دور کے تقاضوں کی رعایت سے اختلاف رہا ہے، جیسے قرآن کریم کی زبان میں:

**لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا.** (مائدہ آیت ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور طریق عمل مقرر کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ پیغمبران کرام کے لائے ہوئے اسلامی مذاہب کے درمیان جو اختلاف ہے وہ منہاج یعنی طریق کار کا اختلاف ہے کہ اس اختلاف کے باوجود سب کو برحق تسلیم کیا گیا ہے اور اگر ان ادیان سابقہ میں تحریف نہ ہوگئی ہوتی تو اس کا سمجھنا بہت آسان تھا۔

اسی طرح یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ہماری شریعت میں غیر منسوخ اور غیر متعارض نصوص صریحہ کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان کے علاوہ دیگر مقامات پر تدارک اجتہاد کی وجہ سے نصوص فہمی میں جو اختلاف رائے ہوا ہے وہ درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے اور اگر اس کو اختلاف کہا جائے تو منہاج کا اختلاف ہے جس میں کوئی تنگی نہیں۔ بلکہ اختلاف کرنے والے تمام اہل علم کا مقصد چونکہ صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے اس لیے اس طرح کے اختلاف کو پسندیدہ توسیع پیدا کرنے کی وجہ سے رحمت قرار دیا جائے گا۔ البتہ اگر منہاج کے اس ضروری اور پسندیدہ اختلاف کو کچھ لوگ حدود سے بڑھا کر ضد اور عناد کی صورت میں تبدیل کردیں تو یہ قابلِ مذمت ہیں اور قرآن کریم کی زبان میں اس کو بغیاً بینھم فرمایا گیا ہے:

**وماختلف فیہ الاالذین اوتوہ من بعد ماجاء ھم البینات بغیاً بینھم.** (سورۃ البقرۃ ۲۱۳)

اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انھی لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی اس کے بعد کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے، صرف آپس کی ضد کی وجہ سے۔

چنانچہ امت کا سوادِ اعظم بنیادی واقعات میں مکمل اتفاق اور اصول احکام میں فریق کار کے اختلاف کے باوجود صراط مستقیم پر قائم رہا، لیکن اسی کے ساتھ ناپسندیدہ اختلاف پیدا کرنے والے معدودے چند افراد، یا اقل قلیل تعداد پر مشتمل کچھ فرقے بھی پیدا ہوتے رہے اور امت کے مستند اہل علم ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے رہے نیز یہ کہ دیانت داری سے غور کرنے والے اپنی غلطی کا ادراک کرکے رجوع الی اللہ کی نعمت سے ہم کنار ہوتے رہے اور جن لوگوں نے ضد کا راستہ اختیار کیا وہ اللہ کی سنت کے مطابق اپنی غلط روش کی وجہ سے صفحۂ ہستی پر اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکے۔

**عالی مقام علماء کرام!**

دارالعلوم دیوبند اپنے قیام کے ابتدائی ایام سے دین کے تحفظ کے لیے دو باتوں پر زور دیتا رہا ہے، طلبہ کے لیے دین کی تعلیم وتربیت کا انتظام تاکہ رجال کار تیار ہوتے رہیں اور عام مسلمانوں کے لیے ایسے معاشرے اور ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش جن میں زیغ وضلال کو راستہ نہ ملے اور عام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر عمل پیرا ہونا آسان رہے۔

چنانچہ جن افراد اور جماعتوں نے اسلام پر حملہ کیا، یا دعوتی اسلام کے ساتھ ناپسندیدہ اور مذموم اختلاف کو ہوا دی، دارالعلوم نے پوری قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، عیسائیت کے فروغ کی کوشش کا فتنہ آریہ سماج اور شدھی سنگھٹن کا فتنہ اہل قرآن کا فتنہ، قادیانیت کا فتنہ اور اسلاف کرام سے اعتماد کو متزلزل کرنے کا فتنہ وہ موضوعات ہیں جن کے لیے اکابر دارالعلوم اور فرزندانِ دارالعلوم کی مساعی جمیلہ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، مگر یہاں نہ تفصیل کی ضرورت ہے نہ اس کا موقع ہے۔ پھر اب چند سالوں سے یہ فتنہ نیا لباس پہن کر سامنے آیا ہے، صرف برصغیر نہیں پورے عالم اسلام میں ان کی جارحیت سے بے چینی محسوس کی جارہی ہے، جن افکار ونظریات کی صحت پر امت کا اجماع ہے اور جن اولوالعزم اکابر کی صداقت دیانت مسلم ہے غیر مقلد حضرات ان کے بارے میں تکلیف دِہ اور دل آزار ہرزہ سرائی کررہے ہیں، اس لیے ضرورت اور شدید ضرورت ہے کہ حق کی سربلندی کے لیے اپنی مساعی کو تیز تر

کردیا جائے اور واضح کیا جائے کہ جن مسائل کو ان حضرات نے حق و باطل کا معیار بنادیا ہے ان میں اختلاف کی کیا نوعیت ہے اور ان اختلافات میں کہاں تک امتی رحمة کا مصداق ہے اور کہاں تک جانا بغیا بینھم کا مصداق ہے۔

جمعیۃ علماء ہند نے ''تحفظ سنت کانفرنس'' منعقد کرکے ایک اہم ملی اور دینی ضرورت کو پورا کیا ہے، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے تمام فرزندوں اور ان کے ذریعہ قائم ہونے والی انجمنوں اور مدرسوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عدل اعتدال کے دائرے میں رہتے ہوئے اس فتنہ کا سدباب کریں اور عام مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لیے اختلاف کی نوعیت کو اس طرح واضح کریں کہ جس اختلاف کو یہ حضرات گمراہی بتارہے ہیں وہ عین رحمت ہے اور اس اختلاف کے بارے میں زیغ و ضلال اور کفر و شرک کے الفاظ استعمال کرنا، اس طرح کا اختلاف رائے کرنے والوں کو مباح الدم قرار دینا خارجیت کا مذموم طریقہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے، محمد بن ابی ذئب نے کسی موقع پر ایک بڑے محدث کو ان کی اپنے زعم میں ایک غلطی پر مباح الدم کہہ دیا تھا تو علامہ ذہبی نے ان کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھا تھا: انما یری السیف علی من اخطانی من اجتھدہ الحروریة. خطا اجتہادی کرنے والوں کے لیے قتل کو جائز سمجھنا صرف خوارج کے یہاں ہے۔ پھر یہ کہ یہاں تو خطا اجتہادی کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ غیر مقلدین ان مسائل میں یہ جارحیت اختیار کررہے ہیں جن کا سنت کے مطابق ہونا امت کے سوادِ اعظم کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔

**مہمانانِ ذی الاحترام!**

یہ موضوع بہت طویل ہے اور خطبۂ صدارت میں اس پر سیر حاصل بحث ہے، اس لیے میں اختصار کے ساتھ عرضِ حال کے بعد تشریف لانے والے علماء اور اربابِ مدارس کی خدمت میں تشکر و امتنان کے جذبات پیش کرتا ہوں اور خدمت کی بجاآوری میں تقصیرات سے معافی کا خواستگار ہوں۔

دعا ہے کہ پروردگار تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم و دائم رکھے، مسلک صحیح کی حفاظت کے لیے آپ کی مساعی جلیلہ کو کامیاب کرے اور غلط کاروں کو قبولِ حق کی توفیق دے۔ آمین

**و آخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمین**

# خطبہ افتتاحیہ

## بموقع اجلاس ششم مجلس عاملہ کل ہند رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند

منعقدہ ۱۲/ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۴/دسمبر ۲۰۰۶ء بروز پیر، بمقام مہمان خانہ دارالعلوم دیوبند

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

**الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین و بعد:**

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور اسلام کی حفاظت و اشاعت، علوم اسلامیہ کی تعلیم و ترویج کے مراکز اور دین مبین کے روشن میناروں یعنی مدارس اسلامیہ کی خدمت کی سعادت بخشی اور ان ہی دینی مدارس اور تعلیم گاہوں کے مسائل پر باہمی تبادلۂ خیالات، غور و خوض اور فیصلے کے لیے ہم سب کو یہاں جمع ہونے کا موقع میسر فرمایا، اس پرمسرت موقع پر بندہ اپنی اور خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے آپ حضرات کا صمیم قلب سے خیر مقدم کرتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے جذبات تشکر پیش کرتا ہے کہ آپ حضرات نے رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم کی مجلس عاملہ کے اس اہم اجلاس میں شرکت کے لیے اپنا قیمتی وقت فارغ فرمایا اور زحمت سفر برداشت کرکے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ بندہ اس موقع پر معذرت خواہ بھی ہے کہ ہم خدام دارالعلوم کوشش کے باوجود آپ کا حق خدمت ادا نہ کرسکے۔

**حضرات گرامی قدر!**

آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ کے قیام کی تحریک بڑے صبرآزما اور پُرآشوب حالات میں برپا کی تھی۔ ان مدارس کے قیام کے مقاصد میں اسلام کی حفاظت و صیانت، علوم کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت، سرمایۂ ملت کی نگہبانی، اسلام کا تحفظ و دفاع، باطل تحریکات اور فتنوں کی سرکوبی، ملت اسلامیہ کی دینی قیادت، ملک و ملت کی تعمیر و ترقی اور دینی و ملّی ضروریات کی تکمیل کے لیے رجال کار اور مخلص افراد کی تیاری شامل تھی۔ ان مدارس اسلامیہ کی کوکھ سے قابل قدر اور لائق فخر فرزندوں اور سپوتوں نے جنم لیا اور ایسے نفوس قدسیہ تیار ہوئے جنھوں نے بے سروسامانی اور حالات کی تمام تر نامساعدت اور سنگینی کے باوجود ایسی زرّیں خدمات انجام دیں جو تاریخ کا روشن باب ہے۔ یہ حضرات علوم اسلامیہ میں رسوخ و مہارت، مسلک حق کے بارے میں وسعت نظر کے ساتھ مومنانہ فراست، الہامی بصیرت، خلوص وللّٰہیت، تواضع و

فروتنی اور اتباع سنت کا پیکر تھے اور ملک وملت کی بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔فضلاء مدارس کی انھی مختلف النوع، ہمہ جہت اور گونا گوں خدمات کا فیض ہے کہ ملک کے چپے چپے میں مدارس ومکاتب سرگرم ہیں۔مسلمانوں میں اسلام اور تعلیمات اسلام سے وابستگی اور شیفتگی میں اضافہ ہورہا ہے۔اسلامی بیداری فروغ پارہی ہے۔قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صدائیں بلند ہورہی ہیں۔دعوت وتبلیغ کی مساعیٔ جمیلہ بارآور ہورہی ہیں،نوجوانوں میں دینی جذبات پروان چڑھ رہے ہیں اور مدارس اسلامیہ اپنی بے سروسامانی اور بعض کمزوریوں کے باوجود نئی نسل کی آب یاری میں مصروف ہیں۔دینی اقدار وشعائر کا احترام عوام میں بڑھ رہا ہے اور فرزندان توحید کے نام پر مرمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ کی اسی اہمیت اور ملک میں حقیقی اسلامی روح اور اسپرٹ کی بقاء وتحفظ کے سلسلہ میں مدارس اسلامیہ کے اسی روشن اور مؤثر ترین کردار اور اسلامیانِ ہند میں ان کی بے حد اثر انگیزی کی وجہ سے ہی اسلام اور مسلم دشمن طاقتیں دینی مدارس کو برداشت نہیں کرپارہی ہیں۔سابقہ فرقہ پرست مرکزی حکومت کے دور میں مدارس اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کچھ زیادہ ہی کیا گیا لیکن اس کے بعد بھی حالات یکسر تبدیل نہیں ہوئے، بلکہ عالمی حالات سے حوصلہ پاکر ملک کی فرقہ پرست طاقتوں اور فسطائی عناصر نے مدارس کے خلاف اپنی منصوبہ بند مہم پھر تیز کردی ہے۔تعلیم وتربیت کے ان مراکز اور محبّ وطن، جمہوریت پسند اور امن اور یکجہتی کو فروغ دینے والے ان دینی مدارس کے قومی ودینی کردار اور وقار کو مجروح کرنے کی مذموم کوششیں جاری ہیں۔مفتیانِ کرام اور مدارس دینیہ سے وابستہ علماء کرام کے وقار و معتبریت کو داغ دار کرنے کے لیے ٹی وی چینل کا منصوبہ بند فتویٰ آپریشن اور سرکاری رپورٹ میں امارت شرعیہ بہار واُڑیسہ کو دہشت گردوں کا محفوظ مسکن ومرکز قرار دینا اس کی تازہ مثال ہے۔

پاسبانِ ملّت! موجودہ حالات پوری ملّت اسلامیہ کے لیے عموماً اور مدارس اسلامیہ کے لیے خصوصاً بڑے اندوہ ناک اور ہمّت شکن ہیں۔مدارس کی جدید کاری کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔نصابِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی اور عصری علوم کی شمولیت کا آوازہ پھر بلند کیا جانے لگا ہے۔اخباری اطلاعات کے مطابق مرکزی حکومت مرکزی مدرسہ بورڈ قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ حقیقیت میں مدارس اسلامیہ کی امداد اور علماء مدارس کی معاشی حالت کو سدھارنے کے خوبصورت عنوان کے بہانے قومی ودینی مدارس کو حکومت کے زیرِ کنٹرول لانے اور ان کے نظام اور نصاب میں اہم تبدیلیاں کرنے کی سمت ایک اہم قدم ہے،جس کے نہایت دُوررس اثرات ہوسکتے ہیں،آج کی اس نشست میں مرکزی حکومت کی اس تجویز کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ بھی لینا ہے۔

علماء عالی وقار! رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں مدارس اسلامیہ عربیہ کے معیار تعلیم وتربیت کو بہتر بنانا، باہمی ربط و اتحاد کو فروغ دینا، مدارس اسلامیہ کی بقاء وترقی کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا اور مدارس اسلامیہ کو درپیش داخلی وخارجی مسائل ومشکلات کے ازالہ کی کوشش کرنا شامل تھا۔بحمد للہ رابطہ کے زیرِ اہتمام منعقد مدارس اسلامیہ کے متعدد اجتماعات میں مذکورہ موضوعات زیرِ بحث آئے، اجتماعی تبادلۂ خیال ہوا،اور مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کی سمت پیش رفت بھی ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ضرورت ہے کہ مدارس کے اندرونی نظام میں اصلاح کی جائے اور مقررہ نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتظامی، تعلیمی،تربیتی امور پر خصوصی توجہ دی جائے۔خامیوں کو دُور کیا جائے،نظام چست اور باضابطہ بنانے کے لیے ضابطۂ اخلاق کی پابندی بھی ضروری ہے۔ رابطہ کے دستور العمل میں اس کا ذکر موجود ہے آج کی مجلس میں ضابطہ اخلاق بھی طے کیا جانا ہے اور اس کے نفاذ کے بارے میں بھی غور خوض ہونا ہے۔

اسی طرح مدارس اسلامیہ کے زیرِ انتظام دینی مکاتب کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔بہت سے علاقے اب بھی ایسے ہیں جہاں بنیادی دینی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا جاسکا ہے اور عیسائی مشنریاں،قادیانی مبلغین اور دیگر باطل جماعتیں ان علاقوں میں سرگرم ہیں اور عوام کی جہالت اور تنگ دستی سے فائدہ اٹھا کر ان کو اپنے دام فریب میں اُلجھانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔اس صورتِ حال کے مقابلہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

دانش مندانِ ملّت! رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے کام میں وسعت پیدا کرنے اور اس کے اغراض ومقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے رابطہ کی مجلس عاملہ نے صوبائی شاخوں کے قیام اور ان کو فعال بنانے پر اپنے سابقہ اجلاسوں میں زور دیا ہے۔چنانچہ بعض صوبوں میں رابطہ کا کام بڑے منظّم انداز میں ہورہا ہے،لیکن کئی صوبوں میں ابھی تک کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔صوبائی ذمہ داران حضرات سے میری گزارش ہے کہ براہِ کرم اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں،صوبائی رابطہ کی تشکیل کرکے کام کو آگے بڑھایا جائے تاکہ رابطہ کے فوائد کو عام کیا جاسکے۔صوبائی رابطہ کو فعال بنانے کے طریقۂ کار پر غور بھی ایجنڈے میں شامل ہے۔

مدارس اسلامیہ کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں میں اضافہ ہورہا ہے، دینی تعلیم کے یہ ادارے ان کی آنکھوں میں بُری طرح کھٹک رہے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ مدارس اسلامیہ کو ان کے نصب العین سے پھیر دیا جائے اوران کے نصاب اور نظام میں ایسی بنیادی تبدیلی کردی جائے کہ ان کا بنیادی مقصد فوت ہوجائے، ورنہ ان مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی اور بنیاد پرستی کا مرکز قرار دے کران پر پابندی عائد کردی جائے۔ ان کرب ناک حالات میں ہم خدام مدارس کو پوری بیدار مغزی اور تیقظ کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر مدارس اسلامیہ کے تحفظ اور ترقی کے لیے جامع لائحۂ عمل تیار کرنا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران حضرات اپنے اپنے مدارس میں طلبہ عزیز کو فرق باطلہ کے تعاقب اور تردید کے لیے تربیت کا انتظام فرمائیں تاکہ طلبہ عزیز مسلک حق (دیوبندیت) کے خدوخال سے واقف ہوسکیں اور قرآن وسنت سے ماخوذ اس مسلک کے افکار وعقائد اوران کے دلائل پر ان کی وسیع نظر ہو اور وہ باطل فرقوں کا بھرپور تعاقب کرسکیں۔

مجلسِ عاملہ کے آج کے اجلاس میں ہم حضرت فدائے ملت امیرالہند مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی کمی شدت سے محسوس کررہے ہیں۔ مدارس اسلامیہ کے تحفظ وترقی اوران کو درپیش مسائل ومشکلات کے حل سے حضرۃ المرحوم کو خاص دلچسپی تھی، مدارس کی تعمیر وترقی سے ان کو بے حد لگاؤ تھا۔ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے قیام واستحکام میں ان کے نمایاں کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انھوں نے ملک وملت کی تعمیر وترقی، مسلمانانِ ہند کے حقوق کی بازیابی، امن وسلامتی کے استحکام، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، بابری مسجد کی بازیابی، مسلم پرسنل لاء کے تحفظ، مکاتب اسلامیہ کے قیام وانتظام، مدارس اسلامیہ اور اوقاف کی حفاظت و صیانت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی زریں خدمات کے لازوال نقوش تاریخِ ہند کی پیشانی پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات اور کارناموں کو قبول فرمائے، اوران کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو مدارس اسلامیہ کے تحفظ اور تعمیر وترقی کے لیے باہمی مشورے اور غور وخوض کے ذریعہ مفید اور نتیجہ خیز فیصلوں تک پہنچنے اور درپیش مسائل ومشکلات کے ازالے کے لیے جامع لائحۂ عمل تیار کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

---

# خطبہ صدارت

## بموقع دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس

منعقدہ ۱۷رصفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵رفروری ۲۰۰۸ء

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے زیراہتمام ۱۷رصفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵رفروری ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ مدرسہ ثانویہ دارالعلوم دیوبند کے وسیع میدان میں ''دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس'' کا انعقادِ عمل میں آیا جس میں ملک کے تقریباً تمام مسلک ومذہب کے نمائندوں نے بذات خود یا اپنے پیغامات کے ذریعہ شرکت کی اس موقع پر صدر کانفرنس والامراتب حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے جو وقیع ترین اوراپنے موضوع پر ہمہ گیر تاریخی خطبۂ صدارت پیش فرمایا تھا اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہدیۂ ناظرین ہے۔ (مدیر)

---

**الحمدللّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. امابعد!**

اللہ رب العزت کا بے پایاں احسان وکرم ہے کہ اس نے ہم سب کو اپنے سچے دین کا پیروکار بنایا اور خاتم النّبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرماکر ہم پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی، نیز صراطِ مستقیم پر گامزن، سلف صالحین کے کاروانِ رشد وہدایت میں شمولیت کی توفیق سے بہرہ ور فرمایا، مزید یہ کہ ہمیں اسلامی مدارس کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا جو دین مبین کی صحیح وبے غبار تعلیم وتشریح کے حامل، پاسبان ہیں، بلاشبہ یہ سب حق تعالیٰ کے الطاف وعنایات ہیں جن کے لیے ہم اس کی بارگاہِ عزت وکرم میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں اور دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حیات مستعار کے ہر لحہ میں خیر کی توفیق سے نواز کر حسن خاتمہ کی دولت سے مالامال فرمائے آمین۔

مہمانانِ عالی وقار! بارگاہِ الٰہی میں ہدیۂ شکر وسپاس پیش کرنے کے بعد میرا خوشگوار اخلاقی فریضہ ہے کہ میں آپ حضرات کی خدمت میں اپنی اور تمام خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے نذرانۂ تشکر پیش کروں کہ آپ نے اپنی اہم اور قیمتی مصروفیات سے صرف نظر فرماکر ہماری حقیر دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا اور زحمت سفر برداشت کی۔ اسی کے ساتھ میں دل کی گہرائی

سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ ہم آپ جیسے موقر مہمانوں کے شایان شان ضیافت کا اہتمام نہ کرسکے، ہمیں امید ہے کہ جس جذبۂ خلوص اور احساس ذمہ داری نے آپ کو آمادۂ سفر کیا ہے وہی آپ کے لیے حسن جزاء کا ضامن بھی ہوگا۔ خدا را آپ حق ضیافت میں ہماری کوتاہی کو معاف فرمائیں اور دعاء فرمائیں کہ رب کریم اس کانفرنس کو حسن قبول کی دولت اور مقصد میں کامیابی سے ہمکنار فرمائے، آمین۔

حضرات گرامی! جہاں تک اس عظیم الشان دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس کے مقصد کا تعلق ہے وہ اجمالی طور پر دعوت نامہ سے آپ کے علم میں آچکا ہے، دعوت نامہ میں نہایت اختصار کے ساتھ جس صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کی سنگینی آپ جیسے ارباب بصیرت سے مخفی نہیں ہوسکتی۔ دہشت گردی اور اس کے تعلق سے پیدا ہونے والے حالات آج عمومی طور پر ہر امن پسند انسان کے لیے تشویش کا باعث ہیں، لیکن مدارس اسلامیہ اور دینی فکر سے وابستہ لوگوں کے لیے یہ ایک خطرناک چیلنج کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں، ایک طرف دہشت گردوں کی سرگرمیاں اور تخریبی کارروائیاں ہیں جن سے امن پسند عوام کا سکون غارت ہوتا رہتا ہے اور بے گناہوں کی جانیں قربان ہوتی ہیں، دوسری طرف قانون وانتظام کے رکھوالوں کا غیر ذمہ دارانہ کردار ہے جو ہر دہشت گردانہ واقعہ کے بعد بغیر سوچے سمجھے شک کی سوئی، مسلمانوں کی طرف پھیر دیتے ہیں اور حقیقی مجرموں تک رسائی کی سنجیدہ کوشش کئے بغیر کچھ بےقصوروں کو مورد الزام قرار دے کر فرض منصبی کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ ان حالات نے مدارس اسلامیہ کی ذمہ داریوں کو دوچند کردیا ہے اس لیے کہ آج بھی امت مسلمہ صحیح رہنمائی کے لیے انھی مدارس کی طرف دیکھتی ہے اور انھی کا موقف خاص طور پر ہندوستان جیسے ممالک میں امت مسلمہ کے نمائندہ موقف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے وقت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مدارس اسلامیہ کو اس محاذ پر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ دہشت گردی کے بارے میں اپنے متوازن نظریہ کا واضح اعلان و اظہار کرکے دشمنانِ دین وایمان کا منہ بند کرنا ہوگا، ساتھ ہی مسلمانوں اور مدارس سے وابستہ افراد کے خلاف مسلسل جاری ناروا طرزِ عمل کے مقابلہ کے لیے لائحۂ عمل تیار کرنا ہوگا۔

دانشورانِ قوم! اس سلسلے میں سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں مدارس اسلامیہ کے اس طے شدہ متفقہ موقف کا واضح اعلان کردیا جائے کہ ہمارا دہشت گردی سے کوئی واسطہ نہیں، ہم ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی تفریق کو قطعاً روا نہیں رکھتے۔ دہشت گردی کلی طور پر ایک غلط اور عاقبت نااندیشانہ عمل ہے خواہ اس کا مرتکب کسی بھی مذہب وملت سے وابستہ ہو اور معاشرہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو، دہشت گردی، اسلامی تعلیمات کے بھی سراسر منافی ہے، اسلام دین رحمت ہے، دین امن ہے اس لیے دہشت گردی کی ہر ایسی کارروائی جس کا نشانہ بےقصور افراد بنتے ہوں اسلام کے تصور امن سے متصادم ہے۔

اس بارے میں اسلامی تعلیمات اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ ان کی روشنی میں بلاخوف تردید، یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آج اگر دنیا کے پاس امن و سلامتی اور صلح وآشتی کا کوئی جامع، بامقصد اور ہمہ گیر تصور موجود ہے تو وہ فقط اسلام کا عطیہ ہے۔ اسلام نے ایک بےقصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا، ارشاد ہے:

''جس نے کسی انسان کو بغیر جان کے عوض یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۳۲)

اسلام نے صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت دی کہ اگر دیگر اقوام کی جانب سے تمھارے جان و مال اور امن وامان کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو تو ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا معاملہ کرو، ارشاد ہے:

''اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی کرو جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (سورہ ممتحنہ: ۸)

اسلام نے عہد کی پابندی کو لازم کیا:

''اور عہد کو پورا کرو، بیشک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

(بنی اسرائیل، آیت: ۳۴)

اسلام نے صلح کو بہتر قرار دیا: **الصلح خیر** ۔ (نساء آیت ۱۲۸) اور صلح بہترین چیز ہے۔

اسلام نے تمام انسانوں کی برابری کا اعلان کیا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف گروں اور قبیلوں میں کردیا تا کہ آپس میں پہچان ہوسکے۔'' (حجرات، آیت: ۱۳)

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق انسانی کے اولین اور جامع ترین عالمی منشور (خطبۂ حجۃ الوداع) میں ارشاد فرمایا:

''کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت نہیں ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔''

اسلام نے بدلہ لینے میں بھی برابری کی تلقین کی، زیادتی کی اجازت نہیں دی، ارشاد ہے: ''اگر بدلہ لوتو اسی قدر بدلہ لو جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہو۔''
(النحل، آیت:۱۲۶)

اسلام نے دوستی یا دشمنی دونوں صورتوں میں عدل وانصاف پر کار بند رہنے کی تلقین کی: ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ کی مرضی کے مطابق گواہی دینے والے بنو خواہ اس میں تمھارا یا ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہو۔ (نساء، آیت:۱۳۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں انصاف سے ہٹانے کا باعث نہ بن جائے۔'' (سورہ مائدہ، آیت ۸)

اسلام نے تمام انسانوں پر رحمت وشفقت کی تلقین کی، ارشاد نبوی ہے: ''رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔''

اسلام نے تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا، ارشاد نبوی ہے:

**الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ**

اسی مضمون کو حالی مرحوم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا
کہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے ہر حال میں امن وانصاف اور رحمت وشفقت کی تلقین کی اور فرد و جماعت کو حدود کا پابند بنایا، اسلام کسی بھی حال میں فتنہ و فساد کو روا نہیں رکھتا۔ اس لیے دہشت گردی کی کسی بھی صورت کا تعلق اسلام سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا مدارس اسلامیہ جو اسلامی تعلیمات کے حقیقی علمبردار ہیں، کسی تحفظ کے بغیر دہشت گردی سے بیزاری کا واضح لفظوں میں اعلان کرتے ہیں۔

پاسبانانِ ملّت! دہشت گردی کے بارے میں اپنے اس واضح موقف کے اظہار کے بعد دوسری قابلِ غور چیز وہ صورتِ حال ہے جو اس حوالے سے خاص طور پر ہمارے ملک میں پیدا کردی گئی ہے جس کا نشانہ عمومی طور پر تمام ہی مسلمان ہیں اور خاص طور پر دیندار مسلمان یا مدارس اسلامیہ کے علماء فضلاء اور ان سے وابستہ طبقہ، کہ ان میں سے کسی کو بھی دہشت گردانہ کارروائی کے سلسلے میں ملزم یا کم از کم مشتبہ قرار دینے کے لیے نہ تو کسی غور وفکر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے نہ کسی احتیاط کو کام میں لایا جاتا ہے اور نہ قرائن وشواہد جمع کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے، بلکہ ان کے سر الزام ڈالنے کے لیے اتنا کافی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں یا ان کا تعلق مدارس یا کسی دینی جماعت سے ہے اور اب تو صورت حال اس حد تک سنگین ہوگئی ہے کہ فرقہ پرست طاقتیں تمام دہشت گردوں کا تعلق مدارس اسلامیہ سے منسلک کررہی ہیں، بلکہ بعض دریدہ دہن لوگوں نے تو مذہبی تعلیم ہی کو دہشت گردی کی اساس اور منبع قرار دے دیا ہے جیسا کہ اخباری اطلاعات کے مطابق حال ہی میں ''اسلامک مدرسے بے نقاب'' نامی کتاب میں کہا گیا ہے جس میں دینی مدارس اور دین اسلام کے متعلق بہت سی بے بنیاد، اشتعال انگیز باتیں اور بھی مذکور ہیں۔

اور یہ ساری افترا پردازی اس حال میں ہورہی ہے کہ مسلمانوں کا امن پسندانہ کردار، وطن عزیز سے ان کی بے غبار وفاداری اور تحریک آزادی میں تمام مسلمانوں اور خاص طور پر مدارس کے علماء کی بے مثال قربانیاں تاریخ ہند کی ایسی روشن حقیقت کی حیثیت رکھتی ہیں، جس پر ایوان عدالت سے زندان عقوبت تک اس سرزمین کا ذرّہ ذرّہ گواہ ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ مدارس اسلامیہ اور ان کے بوریہ نشین علماء کی جدوجہد کے بغیر برطانوی استعمار کے شکنجہ سے وطن کی آزادی کا خوابِ شرمندۂ تعبیر ہوسکتا تھا؟ ان بزرگوں نے پسینہ کی جگہ خون بہایا اور وطن کی عزت وسربلندی کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور پھر یہ حقیقت بھی تاریخ میں آب زر سے لکھی جانے کے لائق ہے کہ یہ ساری قربانیاں ستائش کی تمنّا اور صلے کی پروا سے بے نیاز ہوکر پیش کی گئیں، اسی لیے حصولِ آزادی کے بعد یہی علماء مدارس جو دار ورسن کی ہر آزمائش میں سب سے آگے تھے، ہر انعام وجزاء سے دست کش ہوکر یکسوئی کے ساتھ تعمیر انسانیت کے کام میں مشغول ہوئے۔

یہی کام ان مدارس اسلامیہ کا نصب العین ہے جن کو آج دہشت گردی کا مرکز یا ملک دشمن سرگرمیوں کی آماجگاہ بتایا جارہا ہے۔ جبکہ حقیقت صرف اور صرف یہ ہے کہ یہ مدارس ملک وملت اور انسانیت کے لیے خیر وفلاح کے سرچشمے ہیں، یہ ملک کو امن پسند ایماندار اور فرض شناس شہری فراہم کرتے ہیں، یہ انسان دوستی اور صلح وآشتی کا درس دیتے ہیں، یہاں نفرت نہیں محبت سکھائی جاتی ہے، یہاں پڑھنے والے کا فکری خمیر، امن وسلامتی، دردمندی، خیر خواہی غریب پروری، وطن دوستی اور احترام انسانیت کے جذبات سے تیار ہوتا ہے۔ اور یہ وطن دوستانہ، امن پسندانہ کردار صرف دارالعلوم دیوبند یا چند بڑے مدارس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تمام مدارس اسی طرزِ فکر کے حامل ہیں اس لیے کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مرکزی مدارس سے جو رجال کار تیار ہوئے انھوں نے اپنے اکابر کی اسی فکر کو اپنایا اور پورے ملک میں چراغ سے چراغ جلانے کا کام کیا اور اپنی

مثبت سوچ اور اعلیٰ ترین کردار سے چپے چپے کو منور کر دیا اور اپنے بزرگوں کے پیغام امن و انسانیت کو گاؤں گاؤں پھیلا دیا اس لیے اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ مدارس اسلامیہ دہشت گردی کی راہ میں سد سکندری کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا ایک قوی ترین شاہد یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ مدارس صدیوں سے اپنے اسی دینی نصاب و نظام کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، لیکن کبھی بھی ان کے کردار پر حرف نہیں آیا، بلکہ ان سے جمہوریت پسند محبّ وطن، امن پرور اور ملک وقوم کے وفادار علماء دین تیار ہوتے رہے ہیں جن کی وطن دوستی ہر شک شبہ سے بالاتر رہی اور وہ اپنے بلند کردار اور اعلیٰ تعلیمات کے ذریعہ ہر قسم کی تفریق پسندانہ ذہنیت کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ ان کے اسی کردار نے ہمارے وزیر اعظم کو اس کا موقع فراہم کیا کہ وہ اقوام متحدہ میں فخر کے ساتھ کہہ سکیں کہ ہندوستانی مسلمان دہشت گردی میں ملوث نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کا کردار بالکل آئینہ کی طرح صاف ہے، یہاں کے نظام میں کوئی چیز راز نہیں ہے سب کچھ کھلا ہوا ہے ایسے شفاف کردار پر جب کیچڑ اچھالی جاتی ہے تو قلب و دماغ ایک حیرتناک اذیت سے دوچار ہوتے ہیں:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں

علماء ذی وقار! اس تاریخی موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے نازک مسئلہ پر اپنی حکومت، برادرانِ وطن اور اربابِ مدارس کی خدمت میں کچھ صاف صاف باتیں عرض کر دی جائیں۔

جہاں تک حکومت اور اس کے انتظامی اداروں کا تعلق ہے تو ان سے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ:

(۱) امن واستحکام کے قیام اور بدامنی کے خاتمہ کے لیے عدل وانصاف پر مبنی مساویانہ سلوک کی ضرورت کو آپ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟ اگر آپ دہشت گردی کی لعنت کا مقابلہ کرنے میں سنجیدہ ہیں تو نہایت پختگی اور مضبوطی کے ساتھ انصاف کا دامن تھام کر کام کیجیے اور عقیدہ و مذہب کی بنیاد پر کسی بھی تفریق سے کلی اجتناب کیجیے، حقیقی مجرموں کو تلاش کر کے کیفر کردار تک پہنچائیے اور بےقصوروں کی آہوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیجیے تاکہ ملک کی وحدت وسالمیت برقرار رہے اور وہ تیزی کے ساتھ ترقی کی راہ پر آگے بڑھتا رہے۔

(۲) دہشت گردی کی حقیقت اور اس کے پس منظر کو سمجھئے، واقعہ یہ ہے کہ دہشت گردی، بنیادی طور پر ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ ان عالمی طاقتوں کی تقسیم کردہ لعنت ہے جن کے نظریات کی بنیاد صہیونیت پر ہے، جن کا واحد ایجنڈہ صہیونی عزائم کی تکمیل ہے اور وہ فساد فی الارض کے علمبردار ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ اربوں ڈالر اور لاکھوں فوجی دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے جھونک دینے کے باوجود آج تک کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، بلکہ ان کی ناکامی کی انتہا تو یہ ہے کہ آج تک وہ دہشت گردی کا مفہوم ہی طے نہیں کر پائے۔ ان کے طرزِ عمل سے تو فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذموم توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں حائل ہونے یا ہو سکنے والا ہر شخص دہشت گرد ہے، جبکہ زمانہ واقف ہے کہ آج دنیا میں دہشت گردی کی لعنت صہیونی طاقتوں کے ہی دم سے زندہ ہے اسی لیے ان کے طریقۂ کار پر نظر رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ ہمارے وطن عزیز میں پیش آنے والی دہشت گردانہ کارروائیوں کی جانچ بہت گہرائی سے کیا جانا ضروری ہے کیونکہ بعض واقعات میں طریقۂ کار کی مماثلت محسوس ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری ادھوری یا غلط رُخ پر ہونے والی تحقیقات اصل مجرموں کی پردہ پوشی اور بےقصوروں کو مجرم قرار دینے کی ناانصافی کا ذریعہ بنتی رہیں۔

(۳) حکومت کو دہشت گردی کے مسئلے سے نمٹنے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ حکومتوں کے مجرم قوموں کے ہیرو کہلائے ہیں، خاص طور پر وہ جن کے شدت پسندانہ رویہ کا سبب حکومت کی ناانصافی اور ظلم ہو۔ اس تاریخی حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے کوشش ہونی چاہیے کہ ہر ایسا عمل ترک کر دیا جائے جس کا ردعمل دہشت گردی کی شکل میں سامنے آسکتا ہے۔

(۴) کسی ایک فرد یا چند افراد کے طرزِ عمل کے لیے پوری قوم کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا، ورنہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب اور تمام معزز قوموں کو دہشت گرد قرار دینا پڑے گا، جو یقیناً ایک غلط بات ہوگی۔ یہی بات مسلمانوں پر بھی منطبق سمجھئے، مسلمان اس ملک کی تاریخ وثقافت کا اٹوٹ حصہ ہیں ان کو غیر مطمئن کر دینا ملک وقوم کے حق میں کسی بھی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔

(۵) اس پر بھی غور کیا جائے کہ مسلمان آج ہی کس طرح دہشت گرد بن جائیں گے جبکہ آزادی کے بعد سے اب تک ہر قسم کے مشکلات ومصائب جھیلنے اور امتیازی سلوک کا نشانہ بننے کے باوجود انھوں نے اپنے وطن کے دوستانہ کردار کو برقرار رکھا، اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے ہمیشہ جمہوری اور آئینی طرزِ عمل اختیار کیا، شدت پسندانہ رویہ سے احتراز کیا، کبھی کسی طرح کی ملک دشمن سرگرمی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی ملک کے مختلف علاقوں میں سرگرم شدت پسند تنظیموں سے کوئی رابطہ رکھا، آخر وہ اپنے اس ملک کو کیوں نقصان پہنچائیں گے جس کی آزادی کے لیے انھوں نے اپنی ہر عزیز متاع کو داؤ پر لگایا، خاص طور پر جبکہ کسی بھی دہشت گردانہ کارروائی کا نقصان دوسروں سے

پہلے خود انھیں کو پہنچنا یقینی ہے، ان نکات پر غور کر کے ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کا دہشت گرد ہونا واقعۃً بھی ہے اور ناممکن بھی۔

دوسری بات ہمیں برادرانِ وطن سے کہنی ہے کہ ہم اور آپ بھائی بھائی ہیں اور صدیوں سے اس ملک میں اچھے پڑوسیوں کی طرح رہتے آئے ہیں، ہماری مشترکہ قربانیوں سے وہ تہذیب وجود میں آئی ہے جسے گنگا جمنی تہذیب کہا جاتا ہے، ہم نے ملک کی ہر لڑائی شانہ بشانہ لڑی ہے، اگر آپ نے فرقہ پرست طاقتوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کو حقیقت سمجھ لیا اور مسلمانوں کی تابناک تاریخ کو نظر انداز کر دیا تو یہ ہماری ہی نہیں آپ کی اور اس ملک کی بھی بدقسمتی ہوگی، اس لیے آپ ہمارے قریب آ کر ہمیں دیکھئے اور ملک کے من وامان اور وحدت وسالمیت کی حفاظت میں مشترکہ جدوجہد جاری رکھئے۔

اکابر ملک وملت! بندے کا یہ مقام ہرگز نہیں ہے کہ وہ آپ سے بات کرتے ہوئے ناصحانہ طرزِ کلام اختیار کرے اور نہ ہی آپ اس کے محتاج ہیں لیکن وقت کے تقاضے کے تحت ایک بھائی کی حیثیت سے چند ضروری باتیں عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سب سے اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ ہمارے ہاتھ میں ہمارے اسلاف اور ملت اسلامیہ کی نہایت قیمتی امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، اس امانت کی ہر پہلو سے حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا ہمارا سب سے اہم فریضہ ہے۔

اس فریضہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت مدارس کے نصب العین کو سامنے رکھیں، ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے شریعت اسلامی کے علمی ورثہ کو اس کے مخصوص مزاج اور متوارث منہاج کے مطابق اس کی صحیح شکل میں محفوظ رکھنے کے لیے یہ مدارس قائم کئے تھے۔ ان کے پیشِ نظر ایسے رجال کار تیار کرنا تھا جو اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور اعلیٰ اسلامی اخلاق وکردار کے حامل ہوں، جو اپنی علمی مہارت، فکری گہرائی وگیرائی اور کردار کی پختگی سے ملت اسلامیہ کی باشعور نمائندگی اور ہوش مندانہ قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ایسے افراد کی تیاری کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو ہر قسم کے مضر خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کریں، ان کو مادیت کی لہر اور مغربی تہذیب کی لعنت سے بچائیں، ان کی ٹھوس ذہنی تربیت کا اہتمام کریں جس کے نتیجے میں وہ نہ تو کسی اسلام دشمن تحریک کی زد میں آ سکیں اور نہ ہی ان کو اسلام کے نام پر کسی غیر قانونی سرگرمی کے لیے آلۂ کار بنایا جا سکے۔

دوسری نہایت ضروری بات یہ ہے کہ مدارس کے حالات امن پسندانہ کردار اور تعلیمی سرگرمیوں سے اپنے ماحول کو واقف کرایا جائے، بہت ہی غلط فہمیوں کی بنیاد ناواقفیت ہوتی ہے اگر ہمارا رابطہ اپنے ماحول سے مسلسل رہے گا، اور ہماری سرگرمیاں حکومت اور اس کے نمائندوں کے سامنے آتی رہیں گی تو فرقہ پرستوں کے پروپیگنڈے کا ایک مؤثر جواب ہو جائے گا ہمیں کسی کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنے پیغامِ محبت کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

اور آخر میں نہایت دردمندی کے ساتھ ایک گذارش ملت کے تمام ہی مکاتب فکر کے اکابر کی خدمت میں کرنا چاہوں گا اور وہ یہ کہ آج کے پرآشوب حالات میں امت مسلمہ کا اتحاد گذشتہ ہر دور سے زیادہ ضروری ہو گیا ہے، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو اپنے گھر تک محدود رکھیں اور دشمنوں کے مقابلے میں ایک متحد امت کا کردار پیش کریں؟ کیا ہمارے لیے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بہترین اسوہ نہیں؟ کہ انھوں نے عین اس زمانہ میں جب وہ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار تھے روم کے بادشاہ کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی دعوت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور ملت میں تفریق کے اُس داعی کو یا کلب الروم کے الفاظ سے مخاطب کر کے ٹھوس لفظوں میں بتا دیا کہ اگر اُس نے حضرت علیؓ کے زیر حکومت علاقوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تو حضرت علیؓ کے لشکر کے سب سے پہلے سپاہی کا نام معاویہ ہوگا۔ آج اس کردار کو زندہ کرنا وقت کی آواز ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس آواز کو سنیں اور اسی کے مطابق اپنا لائحۂ عمل تیار کریں۔

اسی کے ساتھ اپنے داخلی نظام کو بہتر بنانا از بس ضروری ہے، ہمارا مالیاتی نظام آئینہ کی طرح شفاف ہونا چاہیے، اسی طرح ہمارے مدارس کے ماحول کو ایک بہترین معیاری اسلامی ماحول کا نمونہ ہونا چاہیے، جس میں حسن اخلاق، دیانت، امانت، ادائے حقوق، اتباع سنت اور خوف خدا کی حکمرانی ہو، اگر ہم اپنے معاشرہ کو ان خطوط پر ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے تو ان شاء اللہ خطرات کے تمام بادل چھٹ جائیں گے اور مدارس کے خلاف ہونے والی سازشیں اپنی موت آپ مر جائیں گی۔

آخر میں ایک بار پھر صمیم قلب سے آپ سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور حق ضیافت میں کوتاہی پر معذرت پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو تمام مدارس اور ملت اسلامیہ کے لیے مثمر خیرات وبرکات فرمائے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

**وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين**

□□

اشتہار (سیاہ)

مدرسہ نورالاسلام رانیکا

اور

فیض الاسلام سونکھ

# اشتہار (سیاہ)

## زید بن ثابت

اور

## فیض عام ہتھین

## امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر

# ملک کی اہم اور موقر تنظیموں و اداروں کا

# خراجِ عقیدت

**امیرالہندؒ کے سانحۂ ارتحال پر ملک کی سب ہی اہم اور موقر تنظیموں اور اداروں نے اظہارِ تعزیت کیا ہے جن میں بعض مخصوص اداروں کے تاثرات ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔**

### دفتر جمعیۃ علماء ہند میں تعزیتی جلسہ

نئی دہلی، ۱۰؍دسمبر: آج یہاں نمازِ جمعہ سے قبل مسجد عبدالنبی دفتر جمعیۃ علماء ہند میں امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا جسے خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے نائب ناظم مولانا شاہ عالم گورکھپوری نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''اے مسلمانو! ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے چلے جائیں گے اور جیسے چھٹائی کے بعد ردّی اور ناکارہ جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں ایسے ہی امت کے ناکارہ افراد رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرے گا۔'' یہ حدیث شریف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری میں کتاب الفرقان میں درج فرمائی ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ رکھتی ہے اور حضرت مرداس اسلمیؓ سے مروی ہے کہ حدیث شریف کا معنی و مفہوم اس طرح واضح ہے کہ اس میں کسی تشریح وتفصیل کی حاجت نہیں۔ ایک دوسری حدیث شریف میں جو ابن ماجہ میں باب شدۃ الزمان میں ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''جس طرح اچھی کھجوریں ردّی کھجوروں سے چھانٹ لی جاتی ہیں ایسے ہی چھانٹ لیا جائے گا، تمھارے درمیان سے اچھے اور نیک لوگ اُٹھتے چلے جائیں گے اور بدترین لوگ رہ جائیں گے۔ ان حالات میں تم سے کیا ہوسکتا ہے بس یہی ہوسکتا ہے کہ غم سے گھٹ گھٹ کر اگر مرسکتے ہو تو مرجاؤ۔ یہ دونوں حدیثیں ہر مومن کو اپنے اندر جھانکنے اور اپنے نفس پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں کہ ہم جو باقی ہیں انہی ردّی کھجوروں کے انبار تو نہیں ہیں جن کی ایک کسان بھی پرواہ نہیں کرتا۔ کہیں ہمارا شمار دھان گیہوں اور جو کے بھوس اور ردّی کے ٹوکروں میں تو نہیں کہ جن کی کوئی حیثیت وقعت انسان کی نظر میں نہیں ہوتی۔ ابھی دو ماہ قبل ۸؍اکتوبر کو حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحبؒ ہم سے جدا ہوگئے اور ٹھیک دو ماہ بعد ۸؍دسمبر کو دارالعلوم دیوبند کے روحِ رواں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ داغِ مفارقت دے گئے۔ اُن سے قبل بھی آپ نظر اُٹھا کر دیکھیں تو ایک تسلسل نظر آرہا ہے، نیک لوگ ہم میں سے چھانٹ چھانٹ کر اُٹھا لیے جارہے ہیں جن کے متعلق امت کا اجتماعی تصور یہ ہوتا ہے کہ ان نیک لوگوں کے جانے کی تلافی ناممکن نظر آتی ہے۔ یوں تو یہ دنیا کا نظام جب سے قائم ہے نہ معلوم کیسے کیسے نامور آئے اور چلے گئے لیکن ہر جانے والا بعد میں رہنے والوں کو حدیث شریف کے مطابق اپنے احوال کی اصلاح کی طرف ضرور متوجہ کرتا جارہا ہے کہ صلاح وتقویٰ، امانت و دیانت کا دامن کسی بھی حال میں ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے ورنہ اللہ تعالیٰ ناکارہ لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اور ہم تہہ و بالا کردیئے جائیں گے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو جن آندھیوں میں سنبھالا اور جس طرح اپنی وسعت ظرفی اور حکمت و دانائی سے نہ صرف یہ کہ اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کردیا بلکہ رواں دواں کردیا، یہ ایک لمبا باب ہے جو سنہرے حروف سے تاریخ میں درج کیا جائے گا۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے امیرالہند کے عہدے پر بھی فائز تھے۔ علمی اور سیاسی دونوں باب میں اپنے اکابر کے امین تھے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے ہر فرد کو نیکی اور اصلاح وتقویٰ کے راستے پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے مرحومین حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ کی مغفرت فرمائے، آمین۔ مولانا شاہ عالم کی تقریر کے بعد ایک تجویز تعزیت منظور کی گئی جس میں مرحومین کے اوصافِ جمیلہ کے ذکر کے بعد ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی ہے۔

# تجویز تعزیت مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند

## بروفات امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمنؒ

### مہتمم دار العلوم دیوبند

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کا وجود پوری ملت اسلامیہ کے لیے باعث خیر وبرکت اور ایک ایسے شجرۂ سایہ دار کی حیثیت رکھتا تھا جس کی ٹھنڈی چھاؤں سے اسلامیانِ ہند بالخصوص وابستگانِ دارالعلوم دیوبند فیضیاب ہورہے تھے۔ وہ حضرات اکابر کی بہترین یادگار اور تقویٰ، دیانت داری اور نظام کے اعتبار سے قابل تقلید نمونہ تھے۔

انھوں نے جس ذمہ داری اور خلوص کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے فریضہ کو انجام دیا وہ خدمت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ان کی فہم وبصیرت کے سب ہی معترف تھی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی ذمہ داری ایسے وقت میں لی تھی جب دارالعلوم دیوبند انتہائی مشکل حالات سے گزر رہا تھا۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فضلاء میں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طویل عرصہ سے اس کی مجلس شوریٰ کے ایک موقر رکن بھی تھے۔ وہ تادم واپسیں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے موقر رکن بھی رہے۔ امیر الہند ثانی حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد ۲۸ر فروری ۲۰۰۶ء میں امیر الہند ثالث کے منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے، جس کا پر ہونا آسان نہیں ہے۔ ان کا ہم سے ایسے وقت جدا ہونا جب ان کی شدید ضرورت تھی پوری ملت اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات کو حسن قبولیت سے نواز کر ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت کا معاملہ فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مرحومؒ کے صاحبزادہ گرامی مولانا انوار الرحمٰن صاحب زید مجدہم اور تمام پسماندگان ومتعلقین کے لیے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین!

# دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ۹/دسمبر ۲۰۱۰ء دارالعلوم کی مسجد رشید دیوبند میں ایک تعزیتی جلسے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت دارالعلوم کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث مفتی سعید احمد پالن پوری اور نظامت کے فرائض مولانا سلمان بجنوری نے انجام دیئے۔ تعزیتی جلسے کا آغاز قاری محمد آفتاب کی تلاوت پاک سے ہوا۔ اس موقع پر استاذ حدیث مولانا قمرالدین، مولانا ریاست علی بجنوری، رکن شوریٰ مفتی ابوالقاسم بنارسی، مولانا بدرالدین اجمل وغیرہ نے حضرت مہتمم صاحب کی خدمات عالیہ پر روشنی ڈالی اور آپ کی وفات حسرت آیات کو ملک وقوم کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ مولانا ریاست علی بجنوری نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن نے دارالعلوم میں انتظام و انصرام ایک ایسے وقت سنبھالا تھا جبکہ اس ادارہ کے لیے ایک بہت نازک گھڑی تھی لیکن انھوں نے اپنی بے پناہ حکمت عملی سے یہاں کا نظام چلایا اور بلاشبہ اپنے اندازِ فکر سے یہاں کے ہنگاموں پر کامیابی کے ساتھ قابو پایا، آپ نے کہا کہ دارالعلوم کا مقصد ہے طلبہ کو تعلیم دینا۔ چنانچہ مہتمم صاحب مرحوم نے اپنے ۳۰ سالہ دور اہتمام میں ایک گھنٹہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا اور تمام رفقائے کار کو ساتھ لے کر چلے اور ان کو مطمئن رکھا، یہ ان کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ آپ کی مہمان نوازی، تواضع ضرب المثل رہی۔ موصوف دیانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا ریاست علی نے آپ کی زندگی کے واقعات کے حوالے سے آپ کی دیانت، محنت، ایمانداری اور اسلامی طریقۂ کار کو آپ کی صفات حسنہ سے تعبیر کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ آپ کی زندگی کامیاب وکامران رہی اور اس کا راز یہ تھا کہ آپ کا طریق کار، اخلاقی اقدار، مروّت اور لوگوں کے ساتھ احسانات جیسے اعلیٰ اصولوں پر مبنی تھا۔ مولانا نے کہا کہ آپ کے دور میں نہ تو انتظامیہ میں کوئی خرابی دیکھنے کو ملی نہ کسی کو کسی قسم کی شکایت ہوئی۔ نہ طلبہ کو شکایت ہوئی بلکہ دوسروں پر شفقت کا معاملہ کر کے دلوں پر حکمرانی کی۔ مولانا مرغوب الرحمٰن کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ارکان شوریٰ کی رائے کو صائب مانتے تھے۔ مفتی ابوالقاسم بنارسی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم نے کہا کہ ابھی کارگزار مہتمم مولانا غلام رسول خاموش کی جانشینی کا مسئلہ بھی حل نہیں ہو پایا تھا کہ مہتمم صاحب کی وفات سے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے کہا کہ مہتمم صاحب نے اس منصب کو سنبھالنے سے قبل کہیں اور انتظامی تجربہ حاصل نہیں کیا تھا مگر پھر بھی اس منصب کو بے حد کامیابی کے ساتھ سنبھال لیا۔ اس لیے وہ طبقہ علماء اور دیوبند کے اطراف میں بے حد مقبول رہے۔ رکن شوریٰ مولانا بدرالدین اجمل قاسمی (ایم پی) نے اپنے تاثرات میں مولانا مرغوب الرحمٰن کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ ایک عملی انسان تھے اور دارالعلوم کی خدمت کو فرض عین سمجھتے تھے اور اس مشن کو پورا کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔ مفتی سعید احمد پالن پوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے کہا مولانا مرغوب الرحمٰن کی سب سے بڑی خوبی ان کی زندہ دلی تھی۔ انھوں نے کہا کہ انسانی رشتوں کے حوالے سے وہ پائیدار اصولوں کو مانتے تھے اور تعلقات کو خوشگوار رکھنے کی خاطر وہ استاذوں سے بے تکلف باتیں کیا کرتے تھے، یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ انسانی رشتوں کے حوالے سے ان کے اصولوں میں ایک خاص اصول یہ تھا کہ وہ دارالعلوم کے پیسے میں انتہائی بخیل اور اپنے اخراجات میں حاتم طائی تھے۔ قوم کے مال کو امانت سمجھتے تھے اور اس کے استعمال میں انتہائی محتاط تھے۔ جب کوئی صحت کے حوالے سے ان کی مزاج پرسی کرتا تو جواب میں کہتے کہ میں بڑھاپے کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ بہر حال آپ کو دارالعلوم سے عشق تھا اور دارالعلوم سے محبت ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھی۔ تعزیتی جلسے کا اختتام دُعا پر ہوا۔

ان کے انتقال پر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے ایک تعزیتی تجویز بھی پڑھی گئی جس میں کہا گیا کہ ''دارالعلوم دیوبند کا یہ تعزیتی جلسہ اپنے سالار کارواں امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال پر قلبی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ اپنی خاص رحمت کا معاملہ فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) مولانا مرغوب الرحمٰن کا وجود پوری ملت کے لیے باعث برکت تھا۔ برصغیر اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ اور وابستگان دیوبند کے لیے ان کی ذات ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ اکابر دیوبند کی بہترین یادگار اور نمونہ تھے۔ ان کو رب العزت نے جن اوصاف وخصوصیات سے نوازا تھا وہ آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ مولانا مرحوم نے جس نازک دور میں دارالعلوم کی قیادت سنبھالی اور جس تدبر، جس انتظام اور خلوص کے ساتھ خدمات انجام دیں وہ ایک کرامت سے کم نہیں۔ ان کے دور میں دارالعلوم نے ہر پہلو سے بے مثال تعلیمی وتعمیری ترقی کی۔ طلبہ کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہوگئی، بہت سے تعلیمی وتربیتی شعبوں کا اضافہ ہوا، بے شمار تعمیرات وجود میں آئیں، امت کی اصلاح اور حق کے دفاع کے لیے مساعی عمل میں آئی، مجموعی اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کے مقاصد تاسیس پر سنجیدگی کے ساتھ عمل ہوا۔ اس کے نتیجے میں دارالعلوم کے وقار واعتبار میں اضافہ ہوا اور بین الاقوامی سطح پر

دارالعلوم کا وزن بڑھا اوراس کی آواز سنی گئی۔ یہ سارے اموران کی خاموش قیادت میں انجام پائے۔مولانا مرحوم کی دیانت وامانت،اصابت رائے،تحمل وتدبر،معاملہ فہمی ودوراندیشی اوردارالعلوم کے لیےان کا بےنظیرخلوص ہرشک وشبہ سے بالاتر ہے۔ دنیاوی وجاہت کے باوجود ان کے تواضع اورحسن اخلاق کا ہرشخص معترف ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے اوصاف وکردار کے اعتبار سے ان اسلاف واکابر کاعکس جمیل تھے جن کا قدرت نے ان کو جانشین بنایا تھا۔ آج ان کی رحلت پردارالعلوم اور پوری ملت سوگوار ہے۔دارالعلوم کے منتظمین، اساتذہ،کارکنان اورطلبہ غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اوریتیمی کا احساس کررہے ہیں۔اس نازک وقت میں تعزیتی اجلاس کے تمام شرکاء اپنے شکستہ دلوں کے ساتھ دُعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت مرحوم کی خدمات کو حسن قبول سے نوازے،ان کی بال بال مغفرت فرمائے،ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص کا معاملہ فرمائے اور دارالعلوم دیوبند اورملت اسلامیہ کوان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ان ہی الفاظ کے ساتھ یہ اجلاس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے مولانا انوارالرحمٰن اورتمام پسماندگان ومتعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہےاور دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوصبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

## جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی

نئی دہلی: مولانا مرغوب الرحمٰن اس زمانے میں یادگارِسلف تھے۔ان کا سانحۂ ارتحال ملک وملت کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ان خیالات کا اظہار نجیب جنگ، شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے یہاں مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پرملال پر منعقدایک تعزیتی نشست میں کیا۔انھوں نے کہا کہ جامعہ میں میں مدارس کے بچوں کو بہت ہی ہونہار پاتا ہوں۔اگران پرتھوڑی سی توجہ دی جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ وہ دیگر طلبہ کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مولانا نے بطور مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔انھوں نے دارالعلوم کا اہتمام ایک ایسے دور میں سنبھالا جب وہ اپنی تاریخ کے ایک انتہائی نازک دور سے گزر رہا تھا۔ ان کے زمانے میں دارالعلوم میں بڑے پیمانے پر تعمیرات ہوئیں۔مسجد رشید جیسا اسلامی فن تعمیر کا بہترین شاہکار وجود میں آیا۔صرف تعمیرات ہی نہیں انھوں نے تعلیم وتربیت پربھی خاص توجہ دی۔ان کی سرپرستی میں ہی دارالعلوم نے کمپیوٹر کی تعلیم اورجدید تعلیم کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ سابق صدر شعبۂ عربی پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی نے حج کے سفر میں مولانا کے ساتھ اپنی رفاقت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ سنن ونوافل کی پابندی میں ان جیسا میں نے کسی دوسرے کونہیں پایا۔اس کے ساتھ ہی مولانا اعتدال وتوازن میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ناظم دینیات ڈاکٹر رضی احمد کمال نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خدمات اورحسن سلوک کا ذکر کیا۔مولانا وارث مظہری نے تعزیتی قرارداد پڑھی جس میں مولانا کے انتقال کوعظیم خسارہ قراردیتے ہوئے اللہ سے دعا کی گئی کہ وہ متعلقین ومتوسلین کوصبر جمیل اور دارالعلوم دیوبند کوحسن بدل عطا کرے اورانھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

## باشندگانِ دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال کے سلسلہ میں ۱۰ردسمبر کو بعدنماز جمعہ باشندگان دیوبند کی جانب سے محمود ہال(احاطہ اعظمی منزل) میں ایک تعزیتی جلسہ عام منعقد کیا گیا۔جس کی صدارت نگر پالیکا پریشد دیوبند کے چیئرمین مولانا حسیب صدیقی نے کی۔ اس موقع پرشہر کے سرکردہ افراد نے بلا امتیاز مذہب وملت کثیر تعداد میں شرکت کی۔اس موقع پررکن اسمبلی منوج چودھری نے اپنے خطاب میں مولانا مرغوب الرحمٰن کوایک عبقری شخصیت قراردیا اوراس بات کا اعتراف کیا کہ ان کے دوراقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے بے مثال ترقی کی ہے۔محکمہ جنگلات کے نائب صدر (درجہ وزیر جنگلات) ونود تیجیان نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن ایک نہایت خوددار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے،انھوں نے کبھی بھی حکومت وانتظامیہ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا،انھوں نے دارالعلوم کے وقار کا اس حد تک خیال رکھا کہ اگرحکومت کچھ دینا بھی چاہتی تھی توانھوں نے اس کوقبول نہیں کیا۔تنظیم علماء ہند کے قومی صدر مولانا احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ مولانا مرحوم جیسے باکمال لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔انھوں نے مولانا مرغوب الرحمٰن کی صفات اوراعلیٰ ظرفی کو بے مثال قراردیتے ہوئے کہا کہ مرحوم ایک عملی انسان تھے اور دارالعلوم کی خدمت کوفرض عین سمجھتے تھے۔ انھوں نے امانتداری کو ہمیشہ ترجیح دی ہے یہی ان کی مقبولیت اوردارالعلوم دیوبند کی ترقی کا راز ہے۔جین انٹر کالج کے سابق پرنسپل مہندر پال کامبوج نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن جس انداز میں پورے شہر کے عوام سے تعلق رکھتے تھے وہ مثالی ہے۔انھوں نے ہمیشہ ملک کی بھلائی کے سلسلہ میں دارالعلوم کے لیے اہم فیصلے لیے ہیں،جس میں ایک اہم فیصلہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف فتویٰ

جاری کرنا بھی ہے۔ معروف صحافی سریندر سنگھل نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن بیباک بیانات دینے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کا شمار دنیا کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے، دنیا ان کی بات سنتی بھی تھی اور اس پر عمل بھی کرتی تھی اس کے باوجود وہ سادگی کا ایک پیکر تھے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے کہا کہ مولانا مرغوب کی وفات پوری ملت اسلامیہ اور ارباب مدارس کے لیے ایک سانحہ عظیم ہے اور پوری علمی دنیا کے لیے ناقابل تلافی نقصان۔ دیوبند کے سابق چیئرمین نریش کمار بنسل نے مولانا مرغوب الرحمٰن کو ایک آہنی شخصیت قرار دیا اور کہا کہ ان کے دورِ اقتدار میں دارالعلوم دیوبند نے ترقی کی وہ منزلیں طے کی ہیں جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دارالعلوم وقف کے استاذ مفتی عارف قاسمی نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے پوری علمی دنیا میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے۔ مولانا مرحوم اکابر علماء دیوبند کی ان برگزیدہ شخصیات میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی دولت کے ساتھ ساتھ اخلاص عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ اجلاس کی صدارت کررہے نگر پالیکا پریشد دیوبند کے چیئرمین مولانا حسیب صدیقی نے باشندگان دیوبند کی جانب سے تعزیتی قرارپیش کی جس میں کہا گیا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن نے دارالعلوم دیوبند کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے تعلیمی اور تعمیری ترقی کے ساتھ ساتھ فرق باطلہ کا بھی جم کر مقابلہ کیا اور دارالعلوم کا دفاع کیا۔ مسجد رشید جیسی شاہکار عمارت انھیں کی دین ہے۔ ان کے تیس سال دور اقتدار میں انتظام و انصرام اور حسن تدبیر کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ انھوں نے ہر موقع پر اہالیان دیوبند کو اپنے ساتھ لے کر کام کیا ہے۔

## جمعیۃ علماء مہاراشٹر

ممبئی ۱۱؍دسمبر: حج ہاؤس کے عظیم الشان وسیع ہال میں ملت اسلامیہ ہند کے سرخیل امیر الہند ثالث دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جمعیۃ علماء مہاراشٹر کی جانب سے ۱۱؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو پروقار تعزیتی جلسہ کا انعقاد مولانا حافظ ندیم احمد صدیقی (صدر جمعیۃ علماء مہاراشٹر) کی صدارت میں قاری بدر عالم کی تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوا، ابتداء میں نعت پاک کے بعد ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے مبلغ حضرت مولانا محمد عرفان قاسمی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اس دنیا میں ایک صدی گذاری ہے موصوف کی شخصیت بڑی قابلِ احترام تھی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ ہند کی بھی بڑی خدمت انجام دی ہے، مرحوم کی عملی زندگی قابلِ رشک تھی، مولانا محمد عرفان نے موصوف کے حسن معاملات و تدبیر اور فراست و دیانت داری کے کئی واقعات کا تذکرہ کیا، مہاراشٹر کے نامور عالم دین مولانا ابوظفر حسان ندوی نے اپنی تفصیلی تقریر میں مرحوم کے دورِ اہتمام کے ابتدائی ایام کے دوران کے واقعات اور ان کے تدبر وفہم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اہل علم کا اختلاف رحمت ہوتا ہے مرحومؒ کے لیے اہل ممبئی ومہاراشٹر کی طرف سے زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم نے جس نازک دور اور جن سنگین حالات میں دارالعلوم کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لیا جبکہ اس وقت علماء دیوبند کی بڑی بڑی شخصیات لرز رہی تھیں یہ ان کا جگر تھا کہ انھوں نے دارالعلوم کا تحفظ کرکے صحیح راہ پر لگا دیا اس میں ان کی بلند ہمتی استقلال اور للہیت کا کمال تھا۔ مولانا مرحوم زمانہ اہتمام میں جدید دور کے مطابق اپنی پوری اسلامی ومذہبی شان و شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے دارالعلوم کو حالات سے ہم آہنگ کرتے رہے، مہتمم صاحب کا یہ کارنامہ سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا، اس جلسے کے مقرر خصوصی جمعیۃ علماء ہند کے قائد ممبر پارلیمنٹ مولانا سیّد محمود اسعد مدنی نے اپنے خطاب میں موصوف کی کئی خصوصیات اور اپنے ساتھ مشفقانہ تعلقات کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا کہ سادگی، تواضع، انکساری اور شفافیت حضرت کی زندگی کا اہم گوشہ ہے۔ مولانا سیّد محمود مدنی نے مرحوم کی ذاتی زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ خاندانی رئیس اور بڑے ناز ونعم میں پلے بڑھے اور دارالعلوم کے زمانہ طالب علمی میں بھی انھیں گھر کا کھانا نصیب ہوا اور پھر اہتمام کے منصب پر آنے سے قبل تک جس نظافت ونزاکت کی زندگی گزاری وہ بہت اعلیٰ قسم کی تھی لیکن مہتمم بننے کے بعد جب اللہ پاک نے انھیں قبول کرلیا تو ان میں ایسی صفات پیدا ہوئیں کہ اس پر رشک آتا ہے، مرحوم کی دیانت داری کا یہ حال ہے کہ بہت سارے ان کے مخالفین ہیں لیکن آج تک کسی نے ان کی دیانت پر انگلی نہیں اٹھائی، مولانا مدنی نے اپنی ذات کے ساتھ مشفقانہ معاملات کا بھی تذکرہ کیا۔ مولانا مدنی کے بعد مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم کے خلیفہ ومجاز مشہور عالم دین حضرت مولانا سیّد محمد طلحہ قاسمی (رکن جمعیۃ علماء مہاراشٹر) نے اپنی پرمغز اور مفصل تقریر میں مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا اور شریعت اسلامیہ کی پاسداری کرتے ہوئے زندگی گزارنے کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا، جلسے سے مفتی سیّد حذیفہ قاسمی (ناظم تنظیم جمعیۃ علماء مہاراشٹر) مولانا صغیر احمد نظامی (نائب صدر جمعیۃ علماء گونڈی) مولانا محمد ہارون رسولپوری (مؤمن نگر جوگیشوری) مولانا محمود احمد خان دریا بادی (جنرل سکریٹری علماء کونسل ممبئی)

مولانا عبدالقدوس شاکر حکیمی (سکریٹری جمعیۃ علماء مہاراشٹر) مولانا یوسف جمال قاسمی (صدر جمعیۃ علماء امبر ناتھ) مولانا برہان الدین قاسمی (ڈائریکٹر مرکز المعارف بمبئی) نے خطاب کیا اور حضرت مہتمم صاحب کے انتقال کو ملت اسلامیہ کا نقصان قرار دیا۔ صدر جلسہ مولانا حافظ ندیم احمد صدیقی (صدر جمعیۃ علماء مہاراشٹر) نے اخیر میں ایک تعزیتی تجویز پیش کی جس میں کہا کہ عالم اسلام کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کی صبح زندگی کے تقریباً ایک سو سال مکمل فرما کر دار فانی کی طرف کوچ کر گئے۔ مرحوم خاندانی مذہبی شخصیت تھے موصوف کا تعلق جمعیۃ علماء ہند سے ان کے والد مرحوم کی وصیّت کے مطابق تھا آپ کے والد مرحوم مولانا مشیت اللہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ ساری عمر جمعیۃ سے وابستہ رہنا جسے موصوف نے تمام تر حالات کے باوجود نبھایا مرحوم کل ہند رابطہ مدارس دینیہ کے صدر تھے، رابطہ عالم اسلامی، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن بھی تھے، مولانا مرغوب ہمیشہ دارالعلوم دیوبند جمعیۃ علماء ہند اور تبلیغی جماعت کی بے لوث خدمت اپنے والد مرحوم اور اکابر و اسلاف کے طریقہ پر انجام دیتے تھے۔ امیر الہند ثانی، جانشین شیخ الاسلام فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیۃ علماء ہند) کے وصال کے بعد آپ ہی کو بالاتفاق امارت شرعیہ ہند کا امیر بنا کر امیر الہند ثالث مقرر کیا گیا تھا۔ اجلاس کا اختتام سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا غلام رسول خاموش رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حافظ احمد مدظلہٗ کی پُرسوز دُعاء پر عمل میں آیا۔

## جمعیۃ علماء آندھرا پردیش

حیدرآباد ۱۲؍ دسمبر: یہاں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر جمعیۃ علماء آندھرا پردیش کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تعزیتی اجلاس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کی شخصیت اور ان کے کارناموں، اُن کی دینی و علمی خدمات اور اُن کی ذاتی خصوصیات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے مقررین نے کہا کہ انھوں نے دیانت داری، امانت کی حفاظت، معاملات کی صفائی، کفایت شعاری، سخاوت و مہمان نوازی اور اصول پسندی کی جو روایات قائم کی ہیں تمام مسلمانوں کو اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مولانا محمد عبدالعزیز رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند و سرپرست ریاستی جمعیۃ علماء نے اس جلسہ کی صدارت کی، جس میں تمام اضلاع سے علمائے دین و جمعیتی عہدیداروں نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں مولانا مرغوب الرحمٰن کے خادم خاص مولانا محمد سلمان بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا ممدوح کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ انھوں نے مولانا مرغوب الرحمٰن کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان کا تعلق بجنور کے زمیندار گھرانہ سے تھا، جن کے پاس ایک ہزار ایکڑ سے زائد زرعی اراضی موجود تھی۔ وہ رئیسانہ زندگی گزارنے کے باوجود ابتداء سے ہی زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ ان کو ۵۰ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کا رکن نامزد کیا گیا۔

اس کے بعد حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے دور میں مددگار مہتمم مقرر کیے گئے اور ۷۰ سال کی عمر میں جبکہ لوگ عملی زندگی سے رٹائر ہوجاتے ہیں ان کو اس ادارہ کا ایک ایسے وقت مہتمم مقرر کیا گیا جب دارالعلوم ایک آزمائشی دور سے گزر رہا تھا لیکن انھوں نے انتظامی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے اس ادارہ کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ کئی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور کئی نئے شعبے کھلے۔ اپنے تقرر کے بعد انتہائی سادہ زندگی گزارنے لگے۔ اپنی ذات پر ایک پیسہ صرف نہیں کیا، بلکہ کمرہ کا کرایہ، کھانے کا خرچ وغیرہ بھی ادا کردیا کرتے تھے۔ ان جیسا باکردار فرد پیدا ہونا بہت ہی دشوار ہے۔ دارالعلوم کے مبلغ مولانا محمد یامین نے حضرت ممدوح کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان کو دارالعلوم کی ترقی اور کارکردگی سے بے انتہاء دلچسپی تھی۔

صدر ریاستی جمعیۃ علماء مولانا حافظ پیر شبیر احمد ایم ایل سی نے کہا کہ انھیں جب بھی ممدوح سے ملاقات کا موقع ملا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ مہمانوں کی خود ہی خاطر تواضع کرکے بہت خوش ہوا کرتے تھے اور اپنی ذات سے ہی پیسے خرچ کرتے۔ حافظ محمد انصار کی قرأت کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ آخر میں مولانا محمد عبدالعزیز نے دعا کرائی۔

## جمعیۃ علماء ہریانہ، پنجاب، ہماچل و چنڈی گڑھ

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کے انتقال کی خبر نے جہاں دنیا بھر میں بسے مسلمانوں کو سوگوار کردیا ہے وہیں متحدہ پنجاب میں بھی ان کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہریانہ، پنجاب و ہماچل کے صدر مولانا علی حسن مظاہری نے ان کے انتقال کو مسلمانانِ ہند خصوصاً متعلقین دیوبند کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ ایک تعزیتی نشست کو خطاب کرتے ہوئے مولانا علی حسن نے فرمایا کہ موصوف ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک اور نہایت بزرگ شخص تھے۔ ان

کے دورانِ اہتمام ادارہ نے بہت ہی کامیابی کے ساتھ تیس سال کا عرصہ پورا کیا جو دارالعلوم کی زندگی میں نہایت اہم اور کلیدی حیثیت کے ساتھ ساتھ تاریخی بھی ہوگیا۔ خدا ادارہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

سرپرست جمعیۃ ہٰذا مولانا محمد الیاس مفتاحی مہتمم جامعہ بیت العلوم پیپلی مزرعہ نے حضرت کی وفات حسرت آیات کو از ہر ہند کے دوبارہ یتیم ہونے سے تعبیر کیا اور کہا کہ مولانا کی شخصیت ایک منفرد شخصیت تھی کہ وہ دارالعلوم دیوبند کی نشاۃِ ثانیہ کے معمار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ان کی شخصیت پر کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا۔

## جمعیۃ علماء میرٹھ

مورخہ ۱۲؍دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق ۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز اتوار بوقت ۱۰ بجے دن بمقام فیض عام انٹر کالج میرٹھ میں جمعیۃ علماء ضلع وشہر میرٹھ کا مشترکہ تعزیتی اجلاسِ عام منعقد ہوا جس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کے مبلغ مولانا مصطفیٰ صاحب نے فرمائی اور فرائض نظامت قاری محمد امیر اعظم اسعدی نے انجام دیئے۔ تعزیتی اجلاس میں ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ اُمّ المدارس دارالعلوم دیوبند کے مہتمم و امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو جن کا حال ہی میں یکم محرم الحرام کو انتقال ہوا، کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ملت اسلامیہ کے اس خلا کو پر فرمائے اور مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

## جمعیۃ علماء ضلع گوڑگانوہ

میوات ۱۱؍دسمبر: گذشتہ روز یہاں موضع تر واڑہ میں جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد تر واڑہ میں جمعیۃ علماء ضلع گوڑگانوہ میوات کے ذمہ داران وتمام حلقہ جات کے صدور ونظماء نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پر ملال پر برائے ایصالِ ثواب ایک تعزیتی اجلاس مولانا عبدالرحیم صاحب بڈیڈوی کی صدارت میں منعقد کیا جس میں میوات کے ذمہ داران مدارس وذمہ داران تبلیغی جماعت ومعزز حضرت کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کریمی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا کریمی نے اپنے نظامتی بیان میں فرمایا کہ حضرات رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۰ سال قبل جب دارالعلوم کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت کے حالات کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہر نیک دل انسان دارالعلوم کے ناساز حالات کو دیکھ کر اپنے دل ہی دل میں رو رہا تھا اور باری تعالیٰ سے دعا گو تھا کہ یا اللہ دارالعلوم کی ذمّہ داری کے لیے اپنے خزانہ سے کوئی صاحب فراست و ذہانت اور ولی صفت انسان مرحمت فرما۔ جس سے دارالعلوم وملت اسلامیہ کا وقار بحال ہو۔ پھر باری تعالیٰ نے ان لاکھوں انسانوں کی دعا کو قبول فرما کر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کی شکل میں مرحمت فرمایا۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے وہ کار ہائے نمایا انجام دلائے جو کام شاید کہ کسی مجدد کے ذریعہ سے ہی انجام پا سکتے ہیں۔ مثلاً تحفظ ختم نبوت کا قیام، مسجد رشید کی تعلیم اور عصری تعلیم کا اجراء، دارالعلوم کی ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت اور مزید یہ کہ حضرت کے تیس سالہ دور اہتمام میں طلباء نے دارالعلوم کے نظام تعلیم سے لے کر قیام، طعام تک کے معاملوں میں ماضی کی طرح کوئی اسٹرائیک نہیں کی اور شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک تمام ملازمین اور ذمہ داران حضرت مولانا کے انتظام وانصرام سے مکمل مطمئن رہے۔ مولانا عبدالمجید صاحب ناظم تنظیم جمعیۃ علماء ضلع گوڑگانوہ نے فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کی ذمہ داری کو اپنا فرض عین سمجھا اور شب وروز دارالعلوم کی ترقی کی فکر لاحق رہتی تھی۔ قاری محمد علی صاحب ناظم اصلاح معاشرہ نے فرمایا کہ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے دارالعلوم کے مبلغین حضرات کو اصلاح معاشرہ کے اوپر بیان کرنے کے جو احکامات جاری فرمائے اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت مولانا نہ صرف ایک مدرسہ کے مہتمم تھے بلکہ ملت اسلامیہ کی اصلاح کی فکر میں بھی ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ مولانا محمد عثمان صاحب ناظم تعلیمات نے بھی اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ مولانا قدس سرہٗ نہایت متحمل مزاج، متواضع شخصیت کے حامل تھے۔ مولانا قمر الدین صاحب صدر جمعیۃ علماء فیروز پور جھرکہ نے اظہارِ افسوس فرماتے ہوئے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ مولانا سلیم احمد صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء ساکرس نے قرآن خوانی و دعائے مغفرت کے لیے اپیل فرمائی اور فرمایا کہ حضرت مولانا نے دارالعلوم کو تنظیمی اعتبار سے مضبوط ترین بنیاد عطا کی۔ مولانا طیب صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء کنسالی نے حضرت امیر الہند نے امارت شرعیہ کو جو تنظیمی استحکام بخشا اس پر مفصل روشنی ڈالی۔ ماسٹر محمد قاسم نے بھی حضرت مولانا کی وفات کو امت مسلمہ کے لیے اور خصوصاً قاسمی برادری کیلئے ایک عظیم خسارہ قرار دیا۔ مولانا محمد اسرائیل صاحب خازن جمعیۃ علماء ضلع گوڑگانوہ نے کلمہ خوانی اور قرآن خوانی کا اہتمام کرایا۔ اخیر میں مولانا عبدالرحیم صاحب صدر اجلاس نے اپنے صدارتی خطبہ میں تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ دارالعلوم

کی نشاۃ ثانیہ میں حضرت مولانا کا کردار قابلِ قدر ہے اور مولانا کی رحلت کو ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان قرار دیا اور فرمایا کہ حضرت مولانا علم دوست اور خادم دین اوران کی پوری زندگی علم کے فروغ اور دین کے پیغام کو عام کرنے میں گزری۔ حضرت بڈیڈوی نے مزید فرمایا کہ حضرت فدائے ملت رحمت اللہ علیہ کی بھی خداداد فراست قابلِ تعریف ہے کہ حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر انتخاب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن پر پڑی جو دارالعلوم کی ذمہ داری سے قبل نہ کسی ادارے کے ذمہ دار تھے، نہ کسی تنظیم کے نگہبان، پھر اچانک جو ذمہ داری ڈالی اس کو خوش اسلوبی کے ساتھ ہر اعتبار سے اپنی ذمہ داری کا کما حقہٗ حق پورا فرمایا اور مولانا نے تقریباً تیس سال تک دارالعلوم کے مہتمم کے عہدہ پر فائز رہ کر اسلاف کی اس یادگار کو روشن اور تابناک بنایا۔ اس کو حضرت فدائے ملت کی کرامات ہی کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ اخیر میں حضرت بڈیڈوی کی رقت آمیز دُعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

## جمعیۃ علماء کشن گنج، بہار

از ہر ہند مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر مورخہ ۱۲؍دسمبر ۲۰۱۰ء کو جمعیۃ علماء ضلع کشن گنج کی جانب سے تعزیتی نشست مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج میں منعقد ہوئی جس میں کثیر تعداد میں علماء، ائمہ و دانشوران اور طلبہ نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز مدرسہ تجوید القرآن کے طالب علم ثاقب انور کی تلاوت سے ہوا اور دوسرے طالب علم ابوناظر نے نعت پاک پیش کی۔ نظامت کے فرائض مدرسہ انجم اسلامیہ کے پرنسپل اور جمعیۃ علماء ضلع کشن گنج کے صدر جناب مولانا مفتی جاوید اقبال صاحب نے انجام دیئے اور صدارت قاضی محمد ارشد قاسمی نے فرمائی۔ مفتی جاوید اقبال صاحب نے افتتاحی گفتگو میں حضرت مہتمم صاحب کی رحلت پر اپنے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ملت اسلامیہ اپنے مدبر عالم دین سے محروم ہوگئی۔ انھوں نے دارالعلوم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہمیشہ مسند اہتمام اور صدارت پر ایسی شخصیات رہی ہیں جو جید عالم دین، متقی پرہیزگار اور متواضع ہوا کرتی ہیں جن کے ذریعہ دارالعلوم کا وقار بلند ہوتا ہے اور ملک وملت کی صحیح رہنمائی کی جاتی ہے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ بھی انھیں شخصیات میں سے تھے۔ مفتی صاحب نے مزید فرمایا کہ آج پوری دنیا میں دارالعلوم کا فیض جاری ہے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ لوگ مستفیض ہورہے ہیں اس لیے ہم سب کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ دارالعلوم سے اپنے رشتہ کو مضبوط رکھنے کے ساتھ اس کی ترقی میں کوشاں رہیں اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمات کی قبولیت اور درجات کی بلندی کی دعا کریں۔ قاضی محمد ارشد قاسمی نے بتایا کہ حضرت مہتمم صاحبؒ اپنے تمام ماتحتوں کا ہمیشہ خیال فرماتے تھے اور اپنی طرف سے کسی شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے۔ جناب زاہد الرحمٰن نے علمائے کرام کی خدمات کو سراہتے ہوئے مولانا مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔ مولانا عبدالوحید صاحب نے کہا کہ موت تو برحق ہے لیکن بعض شخصیات کے گزرنے سے موت العالم موت العالم کی مصداق بن جاتی ہے۔ مفتی امیر حمزہ نے حضرت مہتمم صاحبؒ کی پیدائش اور ان کے تعلیمی دور کا تذکرہ کیا اور کہا کہ دارالعلوم دیوبند اپنے ایک اہم مخلص فرد سے محروم ہوگیا۔ مولانا غلام مصطفی نے مہتمم صاحبؒ کا طلبہ دارالعلوم کے ساتھ ایک شفیق باپ کا رشتہ بتایا اور کہا کہ وہ ہمیشہ ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے اور دیگر ضروریات کی نگرانی فرماتے اور کبھی کوئی کمی محسوس کرتے تو اس سے متعلق ذمہ دار کو ہدایت فرماتے۔ مولانا عبدالواسط، مولانا رئیس احمد مبلغ امارت شرعیہ، مولانا فضل الرحمٰن وغیرہ نے بھی اپنے اپنے تاثرات بیان کیے اور حضرت مہتمم صاحبؒ کیلئے دعائے مغفرت کی۔ آخر میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کے صدر مولانا محمد ادریس نے مہتمم صاحبؒ کے دورِ اہتمام کو یاد کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی اور تعمیری ترقی کے سلسلہ میں بیان فرمایا اور کہا کہ مسجد رشید طلبہ کے لیے مختلف دارالاقامہ اور درسگاہوں کی تعمیر کا ہونا یادگار ہیں۔ صدرِ محترمہ کی رقت آمیز دعاؤں کے ساتھ نشست کا اختتام بھی ہوا۔

## مسلم فنڈ بجنور

بجنور، ۱۳؍دسمبر: دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور بجنور مسلم فنڈ بجنور کے تاحیات صدر رہے مولانا مرغوب الرحمٰن کی رحلت کے سلسلے میں بجنور مسلم فنڈ کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس میں موصوف مرحوم کی سادگی، ایمانداری اور دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں جذبات انگیز خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ مقامی رحیمیہ پبلک اسکول میں منعقدہ جلسے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے شہر کی معزز ہستی شرد گہلوت نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن کو سچا خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ہم ان کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ جلسے کی صدارت کررہے کنور اُدین ویرا نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن ہندو مسلم اتحاد اور اخوت کے حامی تھے۔ وہ ہمیشہ سیاست سے دور رہے اور دین کی خدمت میں لگے رہے۔ قاری ارشد محمود قاسمی نے کہا کہ مولانا سادگی اور ایمانداری کے پیکر تھے۔

انھوں نے تاعمر دارالعلوم سے نہ تنخواہ لی اور نہ ہی کوئی دیگر خرچ لیا بلکہ اپنے پاس سے غریب اور یتیم طلباء کی مدد کرتے رہے۔ پروگرام کا آغاز قاری مشہود احمد نے تلاوت کلام پاک سے کیا جبکہ شفق بجنوری نے نعت پاک پیش کی۔ بجنور مسلم فنڈ کے سیکریٹری خلیل الرحمٰن نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ضلع میں چند ہی ہستیاں ایسی تھیں جو تعلیم، ترقی اور عوام کی فلاح کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ انھوں نے رحیمیہ پبلک اسکول کی نوتعمیر شدہ عمارت کو ''مولانا مرغوب الرحمٰن بلاک'' کے نام سے منسوب کرنے کی تجویز رکھی جسے اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا۔ شاعر منصور بجنوری کی نظامت میں منعقدہ تعزیتی جلسے میں حکیم نسیم الرحمٰن، مولانا انوارالرحمٰن ظفر سلطان، قاضی ناصر علی، قاضی غفران علی، ارشاد حسین ایڈوکیٹ، جاوید آفتاب صدیقی ایڈوکیٹ، زاہد حسن ٹھیکیدار، وسیم الرحمٰن، ڈاکٹر راشد الخیری، مولانا ارشد رضا، رضوان اللہ خاں سمیت شہر کے متعدد حضرات نے شرکت کی اور مرحوم مولانا مرغوب الرحمٰن کی مغفرت اور جنت الفردوس میں موصوف کے درجات بلند کرنے کی بارگاہِ ایزدی میں دعاء کی۔

## فتح پوری مسلم سینئر سیکنڈری اسکول

فتح پوری مسلم سینئر سیکنڈری اسکول میں بھی مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال پر دعاء کرائی گئی اور غم کا اظہار کیا گیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا سیّد صادق حسین قاسمی امروہوی نے دارالعلوم دیوبند کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی قرار دیتے ہوئے اس کے مہتمم کے انتقال کو ایک عظیم ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ اس موقع پر سینکڑوں طلباء واساتذہ نے قرآن خوانی کر کے مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔

## مولانا سیّد احمد ہاشمی میموریل ٹرسٹ

مولانا سیّد احمد ہاشمی میموریل ٹرسٹ کے زیر اہتمام مولانا عزیزالحسن صدیقی، مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور، اتر پردیش کی صدارت میں مولانا سیّد احمد ہاشمی میموریل ٹرسٹ کے آفس ذاکر نگر، اوکھلا میں تعزیتی میٹنگ کا اہتمام کیا گیا، جس میں مولانا نے کہا کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نے اپنے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کو شرور وفتن سے محفوظ رکھا اور دیوبند کو ایک نئی جلا بخشی۔ مولانا قومی اور بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ وہ خوش اخلاقی کے پیکر تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ سب سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے تھے۔ ان کے دارِ فانی سے کوچ کرنے پر علومِ دینیہ کا ہی نہیں بلکہ پورے ملک کا نقصان ہے۔

□□

# حکومت کے سیکولر کردار پر سوالیہ نشان؟

## دارالعلوم میں دہشت گردی مخالف اجلاس میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا اظہارِ خیال

ہمارا یہ عظیم ملک غیر جانب داری بلکہ اخلاقی وروحانی قدروں کے حوالے سے دنیا میں جانا جاتا رہا ہے اور اب تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہندوستان مسلمانی، خاص کر دینی مدارس سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جو جرائم سے دور اور پاک صاف زندگی کے سلسلے میں عدیم المثال ریکارڈ رکھتا ہے، ہر وقت اس دہشت میں مبتلا رہتا ہے کہ انتظامیہ کے ہاتھ اس کے گریبان تک کب پہنچ جائیں اور نہ جانے کتنے لوگ آج جیلوں میں بند، ناحق طرح طرح کی کربناک اذیتیں برداشت کرنے پر مجبور ہیں جبکہ واقعتاً دہشت گردی پھیلانے والے، تھانوں کو لوٹنے والے، برسرِ عام پولیس افسران کو قتل کرنے والے، آتشیں اسلحوں کی نمائش کرنے والے عناصر آزاد گھوم رہے ہیں اور ان کے اس دہشت گردانہ عمل پر بندش لگانے کی کوئی معقول ومؤثر تدبیر اختیار نہیں کی جارہی ہے جس نے حکومت کے سیکولر کردار پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، جو بلاشبہ ملک وقوم کے لیے انتہائی خطرناک امر ہے۔ اس لیے یہ کل مسلکی متحدہ دہشت گردی مخالف کانفرنس اس رویہ کی پرزور مذمت کرتی ہے اور سرکاری اہل کاروں کی اس جانب داری پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ ملک میں قانون وانصاف اور سیکولر نظام کی بالادستی باقی رکھنے کے لیے اپنی متحدہ جدوجہد جاری رکھے گی۔

## امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال پر

# اہم دینی مدارس کا اظہارِ تعزیت

**ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں دینی مدارس میں امیر الہندؒ کے سانحۂ ارتحال پر اظہارِ تعزیت کیا گیا جن کی اطلاعات برابر مل رہی ہیں۔ ذیل میں ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ کے طور پر کچھ موقر اداروں کے اجلاسہائے تعزیت کا اختصار پیش کیا جارہا ہے۔**

## جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، ضلع سہارنپور

امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن کی شخصیت دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک عظیم نعمت اور مثالی سربراہ کا درجہ رکھتی تھی۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ۱۹۸۲ء کے بعد پیدا ہوئے سخت ترین حالات اور عبوری دور سے باہر نکالا۔ ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے مثالی ترقی کی ہے۔ انھوں نے ایشیا کی سب سے بڑی مسجد رشید تعمیر کرائی اور ان کے ہی دور میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں معیاری انگلش، کمپیوٹر اور صحافت جیسے موضوعات شامل کیے گئے اور ان کے لیے باضابطہ شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ تحفظ ختم نبوت اور رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مہم مولانا مرغوب الرحمٰن کے اہم کارناموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کی توسیع ان کے دورِ اہتمام میں چار گنا ہوئی ہے۔ ان کے دورِ اہتمام کی خاص بات یہ رہی کہ طلباء و ملازمین ان سے ہر طرح مطمئن رہے اور ان کے کم وبیش تیس سالہ دورِ اہتمام میں کسی قسم کی کوئی ہڑتال یا طلباء کی جانب سے شورش نہیں ہوئی۔ مولانا کے بارے میں یہ سب جانتے ہیں کہ وہ مفادِ دارالعلوم میں جو فیصلہ لیتے تھے وہ حتمی ہوتا تھا۔ ان کے سامنے دارالعلوم کے مفاد کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہوتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ ایامِ طفلی سے ہی بے شمار خوبیوں اور ہمہ صفت و ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی خاندانی نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتی ہے۔ مولانا کا پورا خانوادہ علم پرور رہا ہے۔ مولانا کو رئیسِ بجنور و صاحبِ ثروت ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ ۱۹۱۴ء میں بجنور شہر کے علمی خانوادہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ رحیمیہ بجنور میں حاصل کی۔ تعلیم کے باقی تمام مراحل انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں طے کیے۔ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کو انھوں نے دارالعلوم میں باضابطہ داخلہ لیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے خاص تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے تکمیل الافتاء تک کی تعلیم حاصل کی۔ وہ خود ایک جید عالم اور مفتی تھے تاہم انھوں نے درس وتدریس کے بجائے انتظامی امور کو زیادہ فوقیت دی۔ آپ کے خانوادہ کا تعلق ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے رہا ہے۔ اراکینِ شوریٰ نے اسی دیرینہ خاندانی تعلق اور مولانا کی دوراندیشی اور اصابتِ رائے کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔

یہ ہیں وہ الفاظ جن کے ذریعہ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے جلسہ تعزیت میں حضرت مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ جامعہ کے مہتمم مولانا محمد اختر صاحب نے فرمایا کہ تعزیتی جلسہ میں ایک تجویز بھی منظور کی گئی جس میں حضرتؒ کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے بارگاہِ ربّ العزت میں حضرت مرحوم کے لیے رفعِ درجات کی دعا کی گئی۔

## مدرسہ مدینۃ العلوم، غازی آباد

غازی آباد، سیکٹر۲۳، سنجے نگر کے مدرسہ مدینۃ العلوم میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے سانحۂ ارتحال پر تعزیتی مجلس منعقد ہوئی۔ صدر مجلس مولانا مشتاق احمد صاحب حامد الحسینی نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی خدماتِ جلیلہ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ حضرت مولانا اپنی فہم وفراست، ذہانت وذکاوت، سنجیدگی ومتانت میں ممتاز تھے۔ تدبر وتفکر اور دوراندیشی کے ساتھ جملہ امور کی انجام دہی میں آپ کے کارہائے لائقہ قابل تقلید ہیں۔ حضرت مولانا تقویٰ وطہارت، امانت و دیانت داری میں اسلاف کے یادگار نمونہ تھے۔ دارالعلوم کے انتظام وانصرام کو اخلاص وللّٰہیت فکر وبصیرت سے سنبھالا وہ بجائے خود دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ حضرت مولانا دارالعلوم کی خدمات کو تمام امور پر فوقیت کا درجہ دیتے تھے، آپ عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ حضرت مولانا محمد واصف نفیس

صاحب مظاہری مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو امت کی حق نمائی اور دردمندی انھیں ہمیشہ متفکر رکھتی تھی۔ آج دارالعلوم اپنی کامیابی کے جس مقام پر اپنے فیوض و برکات سے عالم اسلام کو فیض یاب کر رہا ہے اس میں حضرت مولانا کے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مسلسل جدوجہد بھری زندگی کے ناقابل فراموش کردار وعمل کے تاریخ ساز کارنامے ہمہ جہت نمایاں ہیں۔اس دورِ قحط الرجال میں حضرت مولانا کی ذاتِ گرامی نعمت تھی۔آپ کی وفات حسرت آیات ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے بڑا ہی خسارے کا سبب ہے جس کی تلافی دیر تک ممکن نہیں۔حق سبحانہ و تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو نعم البدل عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔آمین ثم آمین۔

## مدرسہ فیض العلوم بوڑیہ

جیسے ہی اُمّ المدارس دارالعلوم دیوبند کے مہتمم معروف بزرگ عالم دین مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی وفات کی خبر ملی ضلع بھر کے مدارس، مختلف سماجی وملّی تنظیموں کے دفاتر میں تعزیتی جلسوں اور ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہریانہ کے سب سے بڑے دینی ادارہ مدرسہ فیض العلوم بوڑیہ میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک بڑے تعزیتی جلسہ اور دعائیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں ادارہ کے اساتذہ وطلباء کی بڑی تعداد کے علاوہ قرب وجوار کے سینکڑوں متعلقین نے شرکت کی۔تعزیتی اجلاس میں ادارہ کے مفتی ناصر ایوب ندوی ومفتی محمد اخلاق قاسمی نے مولانا مرحوم کے سانحۂ ارتحال کو موت العالِم موت العالَم سے تعبیر کرتے ہوئے اسے پوری اسلامی دنیا کے لیے ایک عظیم دینی وملّی خسارہ قرار دیا۔ مدرسہ کے ناظم اعلیٰ پیرجی حسین احمد قادری نے مدینہ منورہ سے اپنے ای میل پیغام میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اچانک سانحۂ وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا مرحوم بڑی خوبیوں اور گوناگوں صفات والے عالم تھے جن کا شمار صدی کے بڑے علماء میں ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم کی دارالعلوم دیوبند اور اسلامی دنیا کے لیے عظیم خدمات ہیں، ان کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔آپ کے اچانک سانحۂ وفات سے برصغیر میں جو علمی خلا واقع ہوا ہے مستقبل قریب میں اس کی بھرپائی مشکل ہے۔اللہ پاک مرحوم کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، آمین!

## جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ

جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ میں اساتذہ، طلبہ اور عمائدین قصبہ کے ذریعہ قرآن خوانی کی گئی اور اس کے بعد تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ جامعہ کے مہتمم مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی کی صدارت میں منعقدہ تعزیتی جلسہ میں مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مفتی عبدالمالک قاسمی، مولانا خلیق الرحمٰن ندوی، مولانا عبدالرزّاق قاسمی، قاری ضیاء الرحمٰن قاسمی، مولانا مرتضیٰ ندوی اور دیگر اساتذہ نے مرحوم کی علمی، دینی، سماجی اور ملکی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔مقررین نے مرحوم کے اوصافِ حسنہ شمار کراتے ہوئے کہا کہ مولانا ایک دوراندیش، سنجیدہ، متین، ہوشمند اور علمی شخصیت کے مالک تھے۔انھوں نے اپنے علم سے ہزاروں دلوں کو سیراب کیا اور وہ ایک طویل مدت تک تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ہزاروں طلبہ کے لیے شرعی ترسیل کا بہترین ذریعہ بنے رہے۔مفتی جمیل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ مولانا کی وفات سے دینی حلقہ میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کی بھرپائی بہت مشکل ہے۔

## مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

گنگوہ: دارالعلوم دیوبند کے بزرگ مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ کے اچانک سانحۂ ارتحال پر ممتاز دینی وعلمی درسگاہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی نے اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔اخبارات کو بھیجے ایک بیان میں انھوں نے کہا کہ مولانا کی وفات سے ایک عہد اور ایک تاریخ کا خاتمہ ہوگیا۔انھوں نے دارالعلوم کی تعمیر وترقی میں جو بے لوث خدمات انجام دی ہیں اس کے لیے انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔دارالعلوم کے لیے ان کی خدمات نقشِ دوام کی حیثیت اختیار کرگئی ہیں جو ان کے لیے آخرت میں بھی سرمایۂ نجات ثابت ہوں گی۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں مہتمم دارالعلوم کے لیے ایصالِ ثواب کر کے دعائے مغفرت کی گئی اور مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔اس موقع پر تمام اساتذہ وطلبہ موجود تھے۔

## جامعہ حسینیہ کیلی ضلع میرٹھ

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً دور تک پھیل گئی۔ ہندستان کے علمی و دینی اداروں وحلقوں میں غم کا ماحول پیدا ہوگیا۔آپ کے انتقال پرملال پر جامعہ حسینیہ کیلی کی مدنی مسجد میں ایک تعزیتی نشست جامعہ کے ناظم اعلیٰ حضرت الحاج قاری عبیدالرحمٰن صاحب عزیز القاسمی کی زیرصدارت منعقد کی گئی جس میں حضرت ناظم صاحب نے کہا کہ عالم اسلام ایک باوقار اور سنجیدہ

صفات عالم سے محروم ہوگیا۔ عزیز قاسمی نے مولانا کی انتظامی صلاحیتوں کی بابت کہا کہ مولانا نے اپنی خداداد دینی و ایمانی بصیرت سے دارالعلوم دیوبند کو ترقی کی منزلوں پر پہنچادیا۔ مولانا کا سانحۂ ارتحال اکیلے کسی ایک ادارہ کا سانحہ نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا ایسا سانحہ ہے جس کی بھرپائی مستقبل قریب میں شاید ہی ممکن ہو۔ مولانا ہمارے بڑے محسن تھے۔ آپ ذاتی طور پر اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ ان کے جانے سے ہمیں بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ ان کی ذات سے دین کے بہت سے شعبے وابستہ تھے۔ ان کی وفات کا صدمہ پورے ملک کی بے بسی و محرومی کا موجب بن گیا ہے۔ زبان وقلم اس کے اظہار سے قاصر ہیں۔ ایک عالم کی موت پورے عالَم کی موت ہے اس لیے کہ عالم کا وجود دنیا کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے۔ حضرتؒ کی رحلت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک بزم ویران ہوگئی۔ ایک محفل اُجڑ گئی۔ ایک عہد ختم ہوگیا، ایک روایت نے دم توڑ دیا، زندگی کو حرکتِ عمل دینے والے مصیبت زدہ اور بیماروں کا مسیحا آسمانِ علم وعمل کا ایک درخشندہ آفتاب متعلّمین و احباب کو روتا بلکتا چھوڑ کر غروب ہوگیا۔

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا
اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رہے گا رواں مگر
ہائے وہ میرِ کارواں نہ رہا

آپؒ نے تقریباً ۹۶ سال کی عمر پائی اور تقریباً تیس سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔ آپ شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ یہاں اجتماعی طور پر جامعہ حسینیہ میں قرآن خوانی کے بعد ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں طلباء، اساتذہ ومصلیانِ عظام نے شرکت کی۔

## مدرسہ اُبی بن کعب گھاسیڑہ

گھاسیڑہ، میوات، ۹؍دسمبر: آج مدرسہ اُبی بن کعب تحفیظ القرآن الکریم قصبہ گھاسیڑہ میں امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پرملال پر ایصالِ ثواب کے لیے ایک تعزیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس میں مدرسہ ہٰذا کے طلبا واساتذہ کرام اور قرب و جوار کی اہم اور معزز شخصیات نے شرکت کی۔ مولانا شیر محمد امینی مہتمم مدرسہ اُبی بن کعب گھاسیڑہ نے مولانا موصوف کے انتقال پرملال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مرحوم کی زندگی اور کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

مولانا امینی نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا انتقال ملت اسلامیہ کا عظیم ترین نقصان ہے اور اس کی تلافی مشکل ہے۔ مولانا مرحوم نے ۱۹۲۹ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ان کے نامور اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان وغیرہ ہیں۔ مولانا مرحوم نے ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر ۱۹۸۲ء میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد ہی منصب اہتمام پر فائز ہوگئے۔ مولانا موصوف نے اس منصب پر رہ کر انتظام و انصرام کا عمدہ مظاہرہ کیا۔

مولانا ایک دیانت دار، سادگی پسند، رقیق القلب، صالح، نیک سیرت، فیاض اور کم گو انسان تھے۔ عہدۂ اہتمام پر رہتے ہوئے انھوں نے ہر شعبہ پر گہری نظر رکھی اور خدمت کے جذبہ سے پوری زندگی گزاری اور ان کا دورِ اہتمام دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک حصہ ہے۔ ان کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند نے بے مثال ہمہ جہت ترقی کی۔ تعلیمی وتعمیری اعتبار سے دارالعلوم کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور دارالعلوم میں بہت سے نئے تعلیمی شعبے قائم کیے جو ہندستان کے مدارس و مکاتب کے لیے ایک مثال اور نمونہ ہے۔ مولانا شیر محمد امینی صاحب کی دعا پر تعزیتی جلسہ کا اختتام ہوا۔

## جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال پرملال پر ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت مولانا ڈاکٹر محمد طارق صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ منعقد ہوا جسے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد طارق صاحب نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی پیدائش شمالی اتر پردیش کے معروف ضلع بجنور میں ۱۳۳۲ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے جدامجد بڑے زمیندار تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مقامی طور پر ہوئی۔ آپ کے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت اور جذبہ تھا، سوحصولِ تعلیم کی خواہش میں آپ نے ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا۔ اپنی قابلیت اور لیاقت کے بل پر ۱۳۸۳ھ میں آپ مجلس شوریٰ کے ممبر بنے۔ اپنی ذہانت کے بل پر ادارے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے کام کیے۔ اس طرح ۱۴۰۱ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس وقت آپ مہتمم بنے اُس وقت ادارے کا سالانہ خرچ ۳۷ لاکھ تھا جسے اپنی حکمتِ عملی سے بڑھا کر ادارے کی سالانہ آمدنی اٹھارہ کروڑ تک پہنچانے میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا کرشمہ تھا۔ غالباً ۳۱ سال تک آپ

نے اس عظیم ادارے کی بے دریغ اور بے لوث خدمت کی۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کے بھی رکن رہے۔ جلسہ میں ایک تعزیتی تجویز بھی منظور کی گئی جس میں حضرت مرحوم کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہِ ربّ العزت میں دعائے مغفرت کی گئی۔ اس تعزیتی جلسہ میں مفتی عبدالرزاق، مفتی محمد شاہد، مفتی محمد غفار، مفتی عبدالغفور، مولانا محمد اقبال، قاری حبیب الرحمٰن، ماسٹر محمد ذاکر کاظمی صاحبان بھی موجود تھے۔

## جامعہ گلزارِ حسینیہ اجراڑہ

جامعہ گلزارِ حسینیہ قصبہ اجراڑہ کے مہتمم حکیم مولانا محمد عبداللہ مغیثی کو مولانا مرغوب الرحمٰن کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر شدید صدمہ ہوا۔ خبر ملتے ہی جنازہ میں شرکت کے لیے فوراً روانہ ہوگئے۔ مولانا مغیثی نے اس سانحہ کو نہ صرف دارالعلوم بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حضرت مرحوم اکابر دیوبند کی ایک بے مثال اور بے نظیر شخصیت تھے۔ حق تعالیٰ ان کو آخرت میں بلند مراتب سے سرفراز کرے اور دارالعلوم دیوبند کو اس کا بدل عطا فرمائے۔ یہاں جامعہ گلزارِ حسینیہ اجراڑہ میں اساتذہ وطلبہ نے مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔

## مدرسہ قاسم العلوم میرٹھ

مدرسہ قاسم العلوم کانچ کے پل پر مولانا قاری انوار کی صدارت اور مولانا جبرئیل کی نظامت میں تعزیتی میٹنگ کی گئی۔ اس سے قبل قرآن خوانی اور مغفرت کے لیے دعاء کی گئی۔ اس موقع پر محمد عمر، مولانا اسعد جیلانی، حاجی فیروز، منظور، حافظ عابد، مولانا سراج قاسمی سمیت کثیر تعداد میں لوگوں نے مرحوم کی مغفرت کے لیے دعائیں کیں۔ اس کے علاوہ گدڑی بازار مسجد، خیبر نگر شیر والی مسجد، حوض والی مسجد خیر نگر، بلی کوٹھی مسجد قبرستان، گولا کنواں مسجد، بھیما پل، ڈھوائی نگر، مسجد محمودیہ، املی والی مسجد وسوارسوں میں بھی جلسے منعقد کر کے دعائے مغفرت کی گئی۔

## جامعہ نور الاسلام میرٹھ

جامعہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میں مرحوم کی مغفرت اور ایصالِ ثواب کے لیے تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا حکیم الدین احمد نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا غلام رسول خاموش خاں صاحب کے بعد امیر الہند مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا مرغوب الرحمٰن کا اس دارِ فانی سے رخصت ہوجانا یقیناً بڑے خسارے کی بات ہے۔

## جامعہ ناصر العلوم کانٹھ

جامعہ ناصر العلوم کانٹھ میں ان کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملتے ہی تعطیل کردی گئی نیز ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اس موقع پر منعقد تعزیتی نشست میں جامعہ ناصر العلوم کے صدر مدرس مفتی بلال احمد نے کہا کہ مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی ذات انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ آپ نے مشکل ترین حالات میں اپنی دیانت، فراست اور امانت کے حوالے سے دارالعلوم کا جو اہتمام سنبھالا وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ بعد ازاں مولانا کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔ دیگر مدارس میں بھی ایصالِ ثواب کیا گیا۔

## مدرسہ تحسین القرآن چاندپور

چاندپور: دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور عالمی شہرت یافتہ عالم دین مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال پر ملال کی خبر سے یہاں دینی، علمی، سماجی وسیاسی حلقوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ حرا اسلامک ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے جنرل سکریٹری اور مدرسہ تحسین القرآن کے مہتمم مولانا فاروق نے کہا کہ آج دارالعلوم دیوبند ایک بزرگ رہنما سے محروم ہوگیا۔ مولانا مرحوم کی خدمات کو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ عالمِ اسلام ہمیشہ یاد رکھے گا۔ ان کا انتقال ایک باب کا خاتمہ ہے۔ مدرسہ تحسین القرآن چاندپور میں مولانا کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا بھی اہتمام کیا گیا۔

## جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے انتقال کی خبر جیسے ہی سہارنپور پہنچی یہاں کے دینی اور علمی حلقوں میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ جامعہ مظاہر علوم، جامعہ مظاہر علوم وقف، جمعیۃ علماء، جمعیۃ اہل حدیث اور جماعت اسلامی ہند کی طرف سے اظہارِ تعزیت کیا گیا۔ جامعہ مظاہر علوم، مدرسہ مظاہر علوم وقف اور جمعیۃ علماء کی طرف سے ایصالِ ثواب کرایا گیا اور تعزیتی میٹنگ منعقد کی گئی۔ جامعہ مظاہر علوم کے سکریٹری مولانا سیّد محمد شاہد الحسنی، مدرسہ مظاہر علوم وقف کے ناظم مولانا محمد سعیدی، جمعیۃ علماء کے شہر صدر مولانا فرید مظاہری، حکیم اولیس عثمانی وغیرہ کے علاوہ علماء کی بڑی تعداد جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے دیوبند پہنچی۔ اظہارِ تعزیت کرنے والوں میں مولانا سیّد محمد شاہد الحسنی، مولانا محمد سلمان مظاہری، مولانا محمد اختر قاسمی، مولانا فرید مظاہری، مولانا محمد سعیدی، مولانا

ریاض ندوی، قاضی ندیم اختر، حافظ عبدالغنی، شیخ مشیر عالم، ڈاکٹر جمیل مانوی اور ڈاکٹر عتیق شامل ہیں۔

## جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال پر آج صبح یہاں جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں جامعہ کے تمام اساتذہ وطلباء کے علاوہ کثیر تعداد میں علمی، دینی وسماجی ہستیوں نے شرکت کی۔ جامعہ امدادیہ کے مہتمم مولانا محمد اسجد قاسمی نے کہا کہ مرحوم نے دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے ملت کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

## مدرسہ انوارالعلوم باغپت

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال پر مدرسہ انوارالعلوم باغپت، مدرسہ تعلیم القرآن سنگھاؤلی اہیر سمیت شہر اور اطراف کے دینی اداروں میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ حاجی اکرام اللہ نے ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ملت چیریٹیبل ٹرسٹ کے سربراہ مولانا وسیم الحسن کاندھلوی نے مولانا کے انتقال کو ناقابلِ تلافی نقصان بتایا۔

## جامعۃ القرآن بجنور

جامعۃ القرآن الکریم الخیریہ والسنہ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر فرقان نے ان کی رحلت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ امت مسلمہ کا بہت بھاری نقصان ہے اور تمام عالم اسلام کے لیے افسوس کا مقام ہے۔ مقامی جامع مسجد چاہ شیریں کے پیش امام مولانا انوارالحق قاسمی نے بھی ان کے انتقال پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنی زندگی ہمیشہ سادگی اور دیانتداری کے ساتھ گزاری۔ اس غم میں شہر ہی نہیں بلکہ پورا ملک شریک ہے۔

## مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خانپور

مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال پر موانہ میں اساتذہ اور علماء نے قرآن خوانی کا اہتمام کیا۔ قاضی مولانا نفیس احمد نے کہا کہ مولانا کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ناممکن ہے۔ اس موقع پر مولانا نفیس احمد رضوی، حافظ عرفان، حافظ محمد شاکر، ماسٹر میر محمد، ماسٹر محمد یامین اور قاری محمد عاقل وغیرہ موجود تھے۔ مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خانپور میں بھی تعزیتی میٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر ظفر عالم، مولانا عبیداللہ وغیرہ موجود تھے۔

## دارالعلوم لالپور، رامپور

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال پر دارالعلوم لالپور کلاں میں ایک تعزیتی جلسہ کا انعقاد قاری محمد یٰسین امیری کی صدارت میں ہوا جس میں مولانا مرحوم کے کارناموں سے دارالعلوم کے طلبا اور ان کے سرپرستوں کو گوش گزار کرایا۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا مرغوب الرحمٰن جید عالم، متقی، پرہیزگار اور مسلمانوں کو متحد کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

## مدرسہ تعلیم القرآن، آر کے پورم، دہلی

مدرسہ تعلیم القرآن واقع مسجد حاجی لنگا سیکٹر-۳، آر کے پورم نئی دہلی میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی حیات و خدماتِ جلیلہ پر ناظم وبانی مدرسہ مولانا محمد قاسم صاحب رحیمی نے روشنی ڈالی نیز اس موقع پر تمام اساتذہ وطلبہ نے قرآن خوانی کے بعد ایصالِ ثواب کیا۔

## جامعہ رحیمیہ مہندیان، دہلی

جامعہ رحیمیہ مہندیان، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ میں ایک تعزیتی میٹنگ متولی ومہتمم ولی محمد ولی اللّٰہی کی سرپرستی وزیرصدارت جامعہ رحیمیہ کے شیخ الحدیث مفتی عزیزالرحمٰن چمپارنی منعقد ہوئی، جس میں مرحوم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ مولانا مرحوم کی سوانح حیات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے مولانا محمد صابر علی ظفر قاسمی نے کہا کہ ان کی ذات انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ میٹنگ کی نظامت مولانا نظر عالم قاسمی نے کی جبکہ شرکاء میں مولانا محمد اسماعیل آزاد، مولانا مظہرالدین وغیرہ حضرات خصوصیت سے قابلِ تذکرہ ہیں۔

## مدرسہ حفظ القرآن چھترپور، دہلی

مدرسہ اسلامیہ عربیہ حفظ القرآن بستی حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی میں مدرسہ کے مہتمم قاری جلالی کی صدارت میں ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی جس میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی مرکز نظام الدین کے پرانے خادم خاص بہترین معلم مقررحق کو حضرت مولانا ظہورالدین بازیدپوریؒ کے انتقال پر بھی بہت افسوس اور دُکھ کا اظہار کیا گیا۔

مدرسہ کفایت العلوم حسینیہ کے گلی نمبر۳ نیا مصطفیٰ آباد میں مولانا مرغوب صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ان کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا

اہتمام کیا گیا۔ مہتمم مدرسہ مولانا محمد غفران حسینی نے اپنے تعزیتی بیان میں مرحوم کو دارالعلوم کی مثالی شخصیت بتاتے ہوئے ان کی وفات کو ملک وملت کا ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا۔

## مدرسہ حیات العلوم چھتر پور دہلی

مدرسہ حیات العلوم چھتر پور میں امیر الہند کے سانحۂ ارتحال کے سلسلہ میں ایک تعزیتی جلسہ مہتمم مدرسہ مولانا حبیب اللہ امینی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ قرآن خوانی کے بعد مہتمم مدرسہ نے کہا کہ جن مشکل حالات سے انھوں نے اہتمام کا کام شروع کر کے دارالعلوم دیوبند کو ترقی وشہرت کی بلندی تک پہنچایا اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

## مدرسہ امینیہ، دہلی

مدرسہ امینیہ اسلامیہ عربیہ کشمیری گیٹ دہلی میں بعد نماز ظہر طلباء اور اساتذہ نے قرآن خوانی کی اور مولانا مرحوم کے لیے بلندیٔ درجات اور مغفرت کی دعا کی گئی۔

## مدرسہ حسین بخش، دہلی

مدرسۃ العلوم مدرسہ حسین بخش دہلی میں ایصالِ ثواب کے لیے جلسہ تعزیت منعقد ہوا۔ طلباء اور اساتذہ نے قرآن خوانی کا اہتمام کیا۔

## مدرسہ انوارِ ہدایت، دہلی

مدرسہ اسلامیہ انوارِ ہدایت میں تعزیتی میٹنگ ہوئی جس میں حضرت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا بھی اہتمام کیا گیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔

## جامعہ نور الاسلام سلطانپوری، دہلی

جامعۃ الاصلاح نور الاسلام سلطانپوری دہلی میں اساتذہ، ملازمین، طلباء، ممبران اور ذمہ داران نے حضرت مولانا کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور آپ کے لیے دعائے مغفرت کی گئی اور تعزیتی جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔

## دارالعلوم دہلی

عظیم دینی و مذہبی دانش گاہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے سانحۂ ارتحال سے علمی و دینی حلقوں میں غم واندوہ کا ماحول ہے۔ ان خیالات کا اظہار مرکزی دارالعلوم دہلی کے مہتمم مولانا اشتیاق قاسمی نے ادارہ میں منعقدہ تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت مرحوم زمیندار ہونے کے باوجود ایک متواضع شخص تھے۔ انھیں انتظام وانصرام کا پچاس سالہ تجربہ تھا۔ وہ صلاح وتقویٰ، اخلاق وکردار اور عادات واطوار میں بدرِ کامل تھے۔

## مدرسہ اظہار العلوم، دہلی

اندرا انکلیو کے مدرسہ اظہار العلوم القاسمیہ میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ اہل علاقہ نے بھی شرکت کی۔ مولانا نصیر الدین نے مرحوم کے صفات وکمالات کو بیان کیا اور ان کے انتقال کو مسلمانوں خصوصاً مدارس کے لیے نقصانِ عظیم قرار دیا۔ مدرسہ کے طلباء نے قرآن خوانی کے بعد ایصالِ ثواب کیا۔ مولانا ابوالحسن نے دعا کرائی۔ جلسہ میں مولانا صغیر احمد، مولانا انظار احمد، مشرف عالم، گڈو بھائی، محمد حسین، مونو بھائی بھی شریک تھے۔

## مدرسہ یونسیہ قرآت القرآن

مدرسہ یونسیہ قرأت القرآن میں بھی ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں قاری فیاض، قاری مصطفیٰ، ماسٹر سمیع اختر، ڈاکٹر شمس اور تمام طلبہ شریک ہوئے۔ قاری خورشید عالم مہتمم مدرسہ نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔

## مدرسہ معہد العلوم، دہلی

مدرسہ معہد العلوم شاہین باغ، دہلی میں بھی ایک تعزیتی پروگرام زیر صدارت مولانا منتظر عالم قاسمی منعقد ہوا جس میں مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی اور حضرت کی وفات کو امت مسلمہ خصوصاً قاسمی برادری کے لیے عظیم خسارہ قرار دیا گیا۔ طلبا واساتذۂ معہد العلوم نے ایصالِ ثواب کے لیے کلمہ خوانی وقرآن خوانی کا اہتمام کیا۔ مفتی اختر ندوی القاسمی ومولانا شمیم اختر قاسمی نے مشترکہ بیان میں حضرت کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ پروگرام میں حافظ مزمل حسین، حافظ تنزیل الرحمٰن، مولانا اشفاق، مولانا نعیم الدین قاسمی، مولانا عبدالرحیم قاسمی ودیگر لوگوں نے شرکت کی۔

□□

اشتہار (سیاہ)

مدرسہ قادریہ ریاض العلوم رہکڑہ

اور

دارالعلوم محمودیہ سانجک

# منظوم خراجِ عقیدت

## وہ گلشنِ محمدی کا باغباں چلا گیا

بروفات حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

**شاعرِ ملت قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری**

بلا رہا تھا جس کو مہرِ ضوفشاں چلا گیا
وہ منتظر تھے جس کے ماہ و کہکشاں چلا گیا

بلندیوں پہ جس کی ناز تھا جہانِ عشق کو
وہ جس کے سامنے تھا پست آسماں ، چلا گیا

گلوں سے جس نے بھر دیا تھا دامنِ مراد کو
وہ گلشنِ محمدی کا باغباں چلا گیا

وہ جس کی ہر ادا میں ایک شان تھی ، وقار تھا
قسم خدا کی جو تھا زیبِ آستاں ، چلا گیا

وہ جس کی ذاتِ محترم پہ سب کو فخر و ناز تھا
وہ سارے مومنوں کا میرِ کارواں چلا گیا

عروجِ دیں کی اِک لگن تھی جس کے دل میں ہر گھڑی
جو سازِ حق پہ رات دن تھا نغمہ خواں چلا گیا

وہ جس کے قرب سے ملا سکونِ دل ہر ایک کو
سبھی سمجھ رہے جس کو رازداں ، چلا گیا

وہ جس کی اب مثال ہی نہیں جہان میں
شرافتوں ، نجابتوں کا وہ جہاں چلا گیا

دل و نظر کی بزم میں یہ کیوں اندھیرا چھا گیا
جو جلوہ گر یہاں تھا مہرِ ضوفشاں چلا گیا

چلیں نہ کس طرح سے آج رنج و غم کی آندھیاں
وہ جس کے دَم سے تھی بہارِ گلستاں چلا گیا

حافظؔ شکستہ دل کا تھا بزرگِ محترم
وہ جنتِ نعیم میں رواں دواں چلا گیا

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

**وفات حسرتِ آیات**

## امیرالہند مولانا مرغوب الرحمٰن قاسمی نوراللہ مرقدہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند، یوپی (الھند)

کے سانحۂ ارتحال سے متأثر ہوکر

# منظوم خراج عقیدت

حضرتِ مرغوب[1]، مرغوبِ جہاں رخصت ہوا
وہ امیر الہند ، میرِ کارواں رخصت ہوا
والیٔ گلشن ، وہ مخلص، باغباں رخصت ہوا
وہ انیس ومونس بے چارگاں رخصت ہوا
جس کے دم سے، رقص فرما تھی گلستاں میں بہار
کرکے وہ ویراں چمن کو، باغباں رُخصت ہوا
جو وفا کے طور پر دیتا تھا درسِ آگہی
وہ معلم، وہ مدرس، حرزِ جاں رخصت ہوا
فخر تھا پھولوں کو جس پر، جس پہ نازاں تھی بہار
وہ بہارِ گلستاں کا ، پاسباں رخصت ہوا
بادۂ وحدت پلاتا تھا، جو رندوں کو مدام
ساقیٔ میخانہ، وہ پیرِ مغاں رخصت ہوا
اِس جہاں سے کرکے سامانِ جہانِ آخرت
بن کے وہ مطلوبِ ربِّ دو جہاں رخصت ہوا
کوچۂ فانی سے اُٹھا ، باندھ کر رختِ سفر
موت کی آغوش میں ، وہ شادماں رخصت ہوا
بارِ غم کا وہ دلوں پر ڈال کر کوہِ گراں
دارِ فانی سے ظفؔر وہ جانِ جاں رخصت ہوا

سوگوار وحزیں
علامہ سیّد عبدالعزیز ظفر جنکپوری القاسمی الحسنی غفرلہ
امام وخطیب شاہی مسجد خواجہ پیر، ۵۹ ڈی، فرینڈس کالونی نئی دہلی-۶۵

[1] مراد حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نوراللہ مرقدہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

# تعزیت نامہ بیاد

## حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

آہ! اے مرغوبِ رحماں، آہ! اے روح چمن
حیف! کہ جاتی رہی گلشن سے بوئے یاسمن
ایک عالم ، صاحبِ فکر ونظر جاتا رہا
ایک مصلح ، لائق وفائق بشر جاتا رہا
ایک دانشور ، امیر و راہبر جاتا رہا
رہنمائے قوم وملت ، دیدہ ور جاتا رہا
ہائے! اِس دنیائے فانی کا ہے یہ کیسا چلن
آہ! اے مرغوب رحماں، آہ! اے روح چمن
یوں تو فانی ہے اک شی، اور جہاں کا ہر بشر
پر تیرا جانا تو چھلنی، کرگیا قلب وجگر
ہوک سی اُٹھتی ہے دل میں، ہورہی ہے چشم تر
چاہتا ہے جی کے ہوجائے یہ سب جھوٹی خبر
دل نہیں آمادہ سُن نے کو یہ رودادِ محن
آہ! اے مرغوب رحماں، آہ اے روح چمن
آہ! اب پرکیف نغمے، کیوں فضا گاتی نہیں
کیوں! ضیاءِ ماہ وانجم اب یہاں آتی نہیں
آہ! ہریالی چمن کی، کیوں ہمیں بھاتی نہیں
بوئے گلہائے چمن اب، کیوں یہاں آتی نہیں
لُٹ گئی کیسی بہارِ گلستان وانجمن
آہ! اے مرغوبِ رحماں، آہ اے روح چمن
چشم تر سے کررہا ہے، آج جعفؔر یہ دعا
مغفرت فرما تو ان کی میرے رب میرے خدا
صبر ہم سب کو عطا کر، خالقِ صبح ومسا
کرعطا جنت انہیں اے مالکِ روزِ جزا
اب کہاں سے لائیں گے ایسا بشر شیریں سخن
آہ! اے مرغوب رحماں، آہ اے روح چمن

نتیجہ فکر
**محمد جعفر امام جعفر**، متعلّم ششم عربی دارالعلوم دیوبند

# ذکرِ مرغوب

یادگارِ سلف، تاجدارِ خلف، جناب **حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن** صاحب قاسمی بجنوری علیہ الرحمہ
سابق مہتمم ازہرِ ہند، اُم المدارس، دارالعلوم دیوبند، سہارنپور (یوپی)

حضرتِ مرغوبِ رحماں، دے گئے داغِ فراق ہوگئے جاری لبوں پر نغمہ ہائے ''اَلْفِرَاق''
وہ گئے تو ہوگئی سونی بہارِ دیوبند اس لئے کہ وہ رہے ناز ونگارِ دیوبند
ان کے دم سے تھی منور علم وفن کی کہکشاں ناز فرماتی تھیں ان پر بلبلانِ گلستاں
تیس برسوں تک رہے وہ رکنِ شوریٰ معتبر تھے مدبر اور عالی مرتب بالغ نظر
مہتمم صاحب کے پھر اچھے معاون بن گئے پھر گراں بارِ امانت کے بھی ضامن بن گئے
یعنی کہ بے لوث ٹھہرے خادمِ دارالعلوم تیس برسوں تک رہے وہ ناظمِ دارالعلوم
اختلافی مرحلے میں وہ رہے ثابت قدم گلستانِ قاسمی ان سے بنا رشکِ اِرَم
انقلابِ نو کی تدبیروں میں وہ کامل رہے نشأۃِ ثانی کے معماروں میں وہ شامل رہے
سرفروشوں کے رہے اس دور میں وہ سربراہ مادرِ علمی بنی ان کے لئے جولان گاہ
ان کے سر رکھا گیا خوش رنگ تاجِ اہتمام ان کی زیرِ سرپرستی ٹھیک تھا ہر انتظام
قوتِ فکر وعمل سے بہرہ ور مرغوب تھے آزمودہ اور مردِ دیدہ ور مرغوب تھے
حکمتِ عملی رہی ہے کار فرما شاندار وہ رہے خوددار ومخلص پارسا ایماندار
خوب اصلاحات فرمائی تھیں تعلیمات میں روز افزوں تھی ترقی دورِ تعمیرات میں
فخریہ ہے وہ رشیدیؔ، مسجدِ دارالعلوم مچ گئی ہے جس کی سارے ایشیا میں خوب دھوم
زیرِ سایہ بن رہا تھا ان کے ہی دارِ جدید مادرِ علم وہنر کے وہ تھے معمارِ جدید
ازہرِ ہندوستان کے وہ تھے سچے پاسدار اور اسرارِ دروں کے تھے امین ورازدار
مادرِ علمی ہے ان کی ایک سچی یادگار جابجا روشن ہوئے ان کے نقوشِ تابدار
سارے استاذوں کے تھے وہ دردمند وغمگسار بلبلانِ گلستاں کے سرپرستِ جاں نثار
ذات میں مرغوبِ رحماں کی بہت تھیں خوبیاں چہرۂ خوباں پہ ان کے تھیں عیاں رعنائیاں
سادگی حلم وتواضع کے حسیں پیکر تھے وہ اور کردارِ اکابر کے حسیں مظہر تھے وہ
تھے ملنسار ونرم دل باوفا وخوش چلن بے ریا با فیض تھے سچے نگہبانِ چمن
صاحبِ فہم وفراست مفتی و عالم تھے وہ میکشانِ معرفت کے واسطے قاسم تھے وہ
شفقت والفت کا پتلا حاملِ خلقِ حسن سربراہِ عالماں تھے، ناز بردارِ زمن

غمگسارِ ملک وملت اور تھے مہماں نواز
موجزن دل میں رہا ہے عشقِ حق کا سوز وساز

نتیجہ فکر: **ولی اللہ قاسمی بستوی**
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

# یادِ مرغوب

نتیجہ فکر: **ولی اللہ قاسمی بستوی**
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

یادگارِ سلف، تاجدارِ خلف، جناب **حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن** صاحب قاسمی بجنوری علیہ الرحمہ
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، سہارنپور (یوپی)

وفاتِ حضرتِ مرغوبِ رحماں، آیتِ غم ہے
فراقِ حضرتِ مرغوبِ رحماں، آفتِ غم ہے
وہ رخصت کیا ہوئے کہ گلستاں سونا سا لگتا ہے
وصالِ حضرتِ مرغوبِ رحماں، زحمتِ غم ہے

رئیس بلدۂ بجنور تھے وہ فخرِ دوراں تھے
زعیم ملت اسلامیہ تھے اہلِ عرفاں تھے
امیر الہند تھے وہ سربراہِ قومِ مسلم تھے
بہت سی خوبیوں سے متصف، مرغوبِ رحماں تھے

نگہبانِ چمن تھے اور فخرِ مادرِ علمی
وہ ہمدوشِ گگن تھے اور نازِ مادرِ علمی
وہی تھے سرپرستِ بلبلانِ گلشنِ قاسم
وہ سرخیلِ زمن تھے اور رشکِ مادرِ علمی

فرید دہر تھے ہاں ہاں امیرِ کارواں بھی تھے
امامِ انقلابِ ازہر ہندوستاں بھی تھے
انھی کے دم سے گلشن میں بہارِ علم قائم تھی
وہ زیبِ گلستاں تھے، نوبہارِ گلستاں بھی تھے

وہی تھے جانِ محفل اور شمعِ انجمن وہ تھے
اکابر کے جہاں میں حاملِ طرزِ کہن وہ تھے
نمونہ وہ رہے اسلاف کے حلم وتواضع میں
علمبردارِ حق تھے اور اہلِ فکر وفن وہ تھے

چمن میں جس گھڑی کہ انقلابِ عام آیا تھا
سرفہرست ان کا سر پھروں میں نام آیا تھا
تھا اجڑا میکدہ، روٹھے ہوئے میخوار سارے تھے
انھی کے فیض سے گردش میں دورِ جام آیا تھا

وہی تھے قاسمی میخانے کے قسامِ فرزانہ
انھی کے دم سے تھا آباد وہ حکمت کا میخانہ
جہاں پہنچے وہاں پر اک ہجومِ میکشاں آیا
لئے پھرتے رہے ہاتھوں میں اپنے جام وپیمانہ

وہ لمبی زندگانی یعنی کہ سو سال پائے تھے
خدا کے فضل سے وہ زندگی خوشحال پائے تھے
درِ خلّاقِ عالم سے انھی حاصل تھی فیاضی
مراد وآرزو کا وہ سنہرا لعل پائے تھے

نمونہ طبقۂ اسلاف کا، مرغوب لگتے تھے
محبت کی ہمیں وہ تو مئے مرغوب لگتے تھے
جہاں پہنچے انہیں مسند نشینی ہوگئی حاصل
سر اجلاس یوں سب کو وہی محبوب لگتے تھے

دعا گو ہے ”ولی“ فردوس کا گلزار حاصل ہو
قیامت میں ترا مرغوب کو دیدار حاصل ہو
شبانہ روز تیری رحمتوں کے قافلے آئیں
لحد میں روشنی کو جلوۂ ضوبار حاصل ہو

وہ امیر الہند تھے اور رکنِ جمعیت بھی تھے — حوصلہ عالی تھا ان کا خوب باہمت بھی تھے
وہ تھے سرخیل زمانہ اور میرِ کارواں — ملت اسلامیہ کے تھے وہ سچے پاسباں
تھے مدارس کے بہت سے سرپرست محترم — وہ غنی تھے باصفا تھے صاحبِ مجد وکرم
عیسوی انیس سو چودہ میں وہ پیدا ہوئے — دیکھ کر مرغوب کو چھوٹے بڑے شیدا ہوئے
ان کا آبائی وطن وہ بلدۂ بجنور ہے — علم کے انوار سے جو خطہ معمور ہے
وہ رحیمی مدرسے میں اوّلاً داخل ہوئے — اور سن تیرہ سو سینتالیس میں کامل ہوئے
آئے جب بجنور سے وہ سوئے ارضِ دیوبند — بن گئے اس کے مثالی ایک ابن ہوشمند
مدنی و مفتی شفیع ، اعزاز سے پائے علوم — جن کے فیضانِ نظر سے بن گئے رشک نجوم
بے کراں ان کو فیوضِ علم حاصل ہوگئے — اور علم دین میں مرغوب کامل ہوگئے
ہوکے فارغ وہ ہوئے مصروف کاروبار میں — پر بہت مقبول تھے اللہ کے دربار میں
بن گئے بانسٹھ میں رکنِ مجلس دارالعلوم — تھے بیاسی میں وہ زیب مسند دارالعلوم
عمر طبعی حضرتِ مرغوب کی سو سال تھی — رحمت مولیٰ سے ان کی زندگی خوشحال تھی
چند برسوں سے رہا کرتے رہے بیمار وہ — پیکر زہد وغنا تھے اور تھے خود دار وہ
اک محرم چودہ سو بتیس ہے یومِ وصال — رحلتِ مرغوب سے حاصل ہوا رنج وملال
نوبجے دن میں ہوا مرغوب کا جب انتقال — اس قدر بیمار تھے کہ ہوگیا بچنا محال
آئی مرگِ ناگہانی بلدۂ بجنور میں — یہ خبر ہر سمت پھیلی نالۂ پُرشور میں
کہ جنابِ حضرتِ مرغوب رخصت ہوگئے — وائے ناکامی ہمیں وہ داغِ فرقت دے گئے
یہ خبر جس نے سنی وہ پُتلۂ غم ہوگیا — اور تصویرِ اَلم بادیدۂ نم ہوگیا
ان کی فرقت سے ہوا فق چہرۂ دارالعلوم — ہوگیا بے کیف دیکھو جلوۂ دارالعلوم
بن گیا ماتم کدہ پھر گلشن دارالعلوم — اک ہوا موتی سے خالی دامنِ دارالعلوم
مشورے میں طے ہوا کہ لائیں ان کو دیوبند — کانپتے ہاتھوں سے پھر دفنائیں ان کو دیوبند
شام کو لاشِ مبارک لے کے آئے دیوبند — تاکہ فیض باطنی سے جگمگائے دیوبند
مُلَسَّری میں غمگساروں کا رہا ہے اژدحام — اور انوار الٰہی تھے جنازے کے امام
دس بجے شب میں ہوئی انکے جنازے کی نماز — پھر حوالے ہوگئے وہ سوئے ربِّ بے نیاز
رات میں بارہ بجے تدفین ان کی ہوگئی — یوں لقاءِ خاص کی تسکین ان کی ہوگئی
آخرش مدفن بنا ان کا مزارِ قاسمی — دائمی مسکن بنا ان کا مزارِ قاسمی

ہے ''ولیؔ'' کی یہ دعاء، ہو جنت الماویٰ نصیب
حشر کے میدان میں ہو عرش کا سایہ نصیب

---

پیشکش: جناب حضرت مولانا **غلام محمد وستانوی** صاحب بانی ورئیس جامعہ اسلامیہ
اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر

# نالۂ دل

## بروفات حسرت آیات امیرالہند حضرت مولانا مفتی مرغوب الرحمٰنؒ صاحب بجنوری

نتیجۂ فکر:- **ولی اللہ اختر بجنوری**، تکمیل علوم، دارالعلوم دیوبند

آج ہے ماتم کناں بزم جہاں تیرے بغیر ہوگیا ہے سُونا سُونا گلستاں تیرے بغیر
اے امیر الہند ! ہم جائیں کہاں تیرے بغیر دل نہیں لگتا کہیں اے مہرباں تیرے بغیر
تو گیا تو ہوگئی رخصت بہارِ زندگی
آہ جانے سے گیا تیرے قرارِ زندگی

آج میخانے پہ ہے چھایا ہوا غم کا ہجوم ہوگیا افسردہ تیری یاد میں دارالعلوم
ایسا لگتا ہے کہ ہیں بے نور اب ماہ ونجوم یعنی سب طلاب اور استاذ و اربابِ علوم
کرگیا بیتاب ہم کو تیرا یہ رختِ سفر
ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے غم میں ترے قلب وجگر

تیرے جانے سے گلستاں ایک ویرانہ ہوا یاد میں مرغوبؒ! ہر اک تیرا دیوانہ ہوا
تیرے رخصت ہوتے ہی خالی یہ میخانہ ہوا میکشوں کا بے مزہ اندازِ رِندانہ ہوا
بزم قاسمؒ میں خموشی آج ہے چھائی ہوئی
ہر کلی ہے گلشنِ عابدؒ کی کُملائی ہوئی

تیری خوبی تا قیامت ہم بُھلا سکتے نہیں دل کہیں اب تیری فرقت میں لگا سکتے نہیں
یاد تیری قلب سے ہرگز مٹا سکتے نہیں مثل تیرا ہم کہیں سے آہ لا سکتے نہیں
تو گیا لیکن ! یہاں باقی ترے انوار ہیں
اور چمن کے چپہ چپہ پر ترے آثار ہیں

تو مدبر ، تو مفکر ، تو تھا عالم بے مثال انتہائی عمر میں بھی تو تھا اک روشن خیال
مل نہیں سکتا کہیں بھی تیرے جیسا باکمال دل تڑپ اُٹھے ملی جب آہ ! خبر ارتحال
تیرے جانے کی خبر سے تھرتھرا اُٹھے بدن
چھاگئے ہر چار جانب سنتے ہی رنج ومحن

اس جہاں میں تو امینِ ملّت اسلام تھا دین حق ہر سمت پھیلانا ہی تیرا کام تھا
اوراسی اک کام میں تو مست صبح وشام تھا کتنے دل ہیں دھڑکنوں میں جن کی تیرا نام تھا
تو گیا دنیا سے کتنوں کو تڑپتا چھوڑ کر
کتنے دیوانوں کو روتا اور بلکتا چھوڑ کر

کس پہ ہوں گے اب فدا یہ عندلیبانِ چمن — یہ بتا ! اب ہوگی نازاں کس پہ یہ ارضِ وطن
کس کی خاطر ہوں گی اب نغمہ سرا گنگ وجمن — کسی کی خاطر اب یہاں مہکے گی بوئے یاسمن
کون پوچھے گا ہمارا آکے ہم سے حالِ زار
کون ہوگا اب ہمارے واسطے یوں بے قرار
آہ اب ہم کو رموزِ عشق سمجھائے گا کون — اور سروں پر ابرِ رحمت بن کے اب چھائے گا کون
زندگی کے آہ ! اب آداب سکھلائے گا کون — اور کرم ہم پر امیر الہند ! فرمائے گا کون
ہے فضا بجنور کی بے کیف اب تیرے بغیر
اہلیانِ شہر ہیں افسردہ سب تیرے بغیر
تو گیا کیا آہ ! اس دنیا سے اے فخر زمن — بن گئی ظلمت کدہ افسوس اپنی انجمن
کیا بتائیں ہے جدائی تیری کتنی دل شکن — تیرے غم سے ختم ساری ہوگئی تابِ سخن
تیرا جانا بالیقیں سب کو پریشاں کرگیا
ہنس رہے تھے کل تلک جوان کو گِریاں کرگیا
آج تک نغموں سے تیرے گلستاں معمور ہے — نام تیرا خانہ ، خانہ ، کو بہ کو مشہور ہے
ہوکے بھی ہم سے قریں ، تو آج کتنا دور ہے — ہر کوئی حکم خدا کے سامنے مجبور ہے
گرچہ جانے سے تیرے سُونا ہوا ہے اہتمام
ہے مگر بھی دعاء تجھ کو ملے اونچا مقام
اس جہانِ آب وگل سے جب کیا تو نے سفر — حادثہ سن کر ترا غم سے جھکا ہر ایک سر
جب ملی اختر کو تیرے سانحہ کی یہ خبر — سنتے ہی اس کی زباں پر آگیا قول جگر
جان کر منجملۂ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

# آہ مرغوبِ رحماں

کاوشِ قلم

**محمد راشد بڈیڈوی**

خادم مدرسہ سعادت القرآن اسعدیہ، بڈیڈ، میوات

افسوس آہ مرغوبِ رحماں چلا گیا — ملت کا غم گسار نگہباں چلا گیا
صوفی قسم وہ ولی صفت ایک آدمی — علم و عمل کا آہ گلستاں چلا گیا
چرچہ جہاں میں جن کا تھا ہر سو ہر ایک جگہ — وہ اہلِ نظر اہلِ دل انساں چلا گیا
ملت کا جن پہ ناز تھا بجنور کا حسیں — وہ کامل دیں صاحبِ ایماں چلا گیا
اسلاف کا نمونہ سراپا امیرِ ہند — ایک جاں نثار و مشفقِ دوراں چلا گیا
آنسو نکل پڑے ہیں پھر دارالعلوم کے — افسوس کوئی چھوڑ کر جاناں چلا گیا
ہیں پیڑ اشک بار گل بوٹے اُداس ہیں — ماتم ہے باغ باغ باغباں چلا گیا
ربِّ کریم صبر دے تو ان کی آل کو — یہ چھوڑ کر جو میرِ کارواں چلا گیا
راشدؔ نصیب جنت الفردوس ہو انہیں
دنیا سے یہ جو مردِ عالی شاں چلا گیا

# تعزیت نامہ برسانحۂ رحلت

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

تعزیت نگار

**مولانا نسیم اللہ نسیمؔ مظاہری پرتاپ گڑھی**

مرکزِ دارالعلومِ دیوبند کے تاجدار
قاسمی گلشن رہا جن کی بدولت مرغزار

مسلکِ احناف و علم دین کے تھے پیشوا
پرچمِ اسلام ان کے دَم سے تھا جلوہ نما

گلشنِ اخلاق و شفقت کے تھے وہ تازہ گلاب
آسمانِ علم و حکمت کے درخشاں ماہتاب

مارکر شبخوں اجل ، دنیا سے ان کو لے گئی
ان کی رحلت سے زمینِ دیوبند تھرا گئی

مدرسہ پر ان کے جانے سے یتیمی چھا گئی
مدرسہ کے گوشہ گوشہ کو غمی تڑپا گئی

تیس سالہ حضرتِ والا کا دورِ اہتمام
آفریں صد آفریں نظمِ شہِ عالی مقام

سارے شعبوں کی ترقی کے لیے بے چین تھے
جس طرح امت کے غم میں سرورِ کونین تھے

لب پہ ہو ذکرِ خدا بس اس کے شیدائی تھے آپ
لطفِ جامِ معرفت کا حسن و رعنائی تھے آپ

گلشنِ جنت میں اپنے رب سے رشتہ جوڑ کر
چل دیئے وہ اپنے ماتحتوں کو تنہا چھوڑ کر

خدمتِ مرغوبِ رحماں خوب تابندہ رہے
تا ابد ان کی محبت کا اثر زندہ رہے

کوئی دُنیا میں ہمیشہ تھا نہ رہنے پائے گا
جو بھی آیا ہے یہاں اِک روز واپس جائے گا

ہاں مگر موتیں کبھی ایسی بھی ہوتی ہیں یہاں
ہر بڑے چھوٹے کے دل میں چھوڑ جاتی ہیں نشاں

حضرتِ مرغوب کی جب یاد ہم کو آئے گی
زخمِ دل کی ٹیس رہ رہ کر ہمیں تڑپائے گی

ان سا دل ، ان سا سراپا اب یہاں لائے گا کون
بہرِ مرہم زخمِ دل کو آ کے سہلائے گا کون

اے خدا ! تیرے خزانے میں نہیں ہے کوئی ’کل‘
بھیج دے تو ان کی مسند پر کوئی نعم البدل

اے نسیمؔ ! اپنے خدا سے بس یہی مانگو دُعا
یا الٰہی ! ان کا ثانی پھر کوئی کردے عطا

امیر الہند حضرت مولانا مفتی الحاج مرغوب الرحمان صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر

# اظہارِ تعزیت

ازقلم
قاری محمد شعیب نفیسؔ مہتمم جامعہ عائشہ صدیقہؓ، بھاگووالا، ضلع بجنور

آہ اے مرغوبِ رحمٰن اے اخوت کے امین
تجھ پہ ہے ماتم کناں ہندوستاں کی سرزمیں
تھی محرم کی یکم تاریخ اور وہ بدھ کا دن
چودہ سو بتیس ہجری ، آٹھ بارہ دس کا سن
تیری رحلت کی خبر پاکر ہوا صدمہ عظیم
برقِ غم ہم پر گری اور ہوگئے ہم سب یتیم
تیری فرقت میں ہوئی محسوس اب تیری کمی
دل ہے میرا مضطرب اور آنکھ میں میری نمی
تیرے اوصافِ حمیدہ کو کروں کیسے رقم
نوحہ خواں اوراق ہیں اور رو رہا ہے اب قلم
رو رہے ہیں تجھ پہ خورشید و قمر اور سب نجوم
اب کہاں سے لائے گا تجھ سا بشر دارالعلوم
تھا تیرا کردار احسن اور تھا ارفع مقام
علم کی تاریخ میں زندہ رہے گا تیرا نام
تھی برائے علمی خدمت وقف تیری زندگی
منفرد گفتار و کردار اور طرزِ بندگی
گفتگو کم پر مدلل اور پرتاثیر تھی
تیری خاموشی نصیحت سے بھری تقریر تھی
اس طرح کے تجھ پہ ہیں حالات آئے بالیقین
جب کے بن بیٹھے تھے تیرے دوست مارِ آستین
تو نے پر الفت کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہیں
شیشۂ دل سنگِ نفرت سے کبھی توڑا نہیں
حبِ دُنیا سے بہر لحہ رہا محروم تو
لیکن امن کی تباہی پر رہا مغموم تو
دیکھ کر آجاتی تھی اسلافِ دیوبند کی یاد
آہ اے منظور نعمانی و اسعد کی مراد
عالمِ اسلام کا نقصان بیحد ہوگیا
مہتمم دارالعلومِ دیوبند جو سو گیا

ہے شعیبِؔ ناتواں کی رب سے یہ ہی التجا
خلد میں تیرا ٹھکانہ ہو بہ فیضِ مصطفیؐ

## بہ بہائے جہد قطعہ تاریخ

۱۴۳۲ھ

## ہائے الحاج جناب مولانا مرغوب الرحمٰن کا وصال ہو گیا

۲۰۱۰ء

دیوبند دارالعلوم پہ غم ہے ایک چھایا ہوا
ہے گلشنِ علمی کا ایک ایک پھول مرجھایا ہوا

آہ پھر علم کا ڈوبا ہے کوئی آفتاب
انجم و اختر ہیں غم میں سوگ میں ہے ماہتاب

ہائے امیرالہند کا تیس سالہ دورِ اہتمام
آٹھ دسمبر دو ہزار دس بدھ ہے یومِ اختتام

ایک محرم چودہ سو بتیس میں رحلت پا گئے
بجنور سے دیوبند تک رب کے فرشتے چھا گئے

مدرسہ کو گھر سے لا لا مال و زر دیتے رہے
مفت کی خدمت کیا اور نظم سب کرتے رہے

بارہ بجے شب میں سپردِ خاک دیوبند میں ہو گئے
یہ تھکا ماندہ مجاہد چین سے اب سو گئے

ہے مزارِ قاسمی میں حشر تک ان کا قیام
جنت کا دروازہ وا ہے آتی ہے خوشبو مدام

از سر طاعت تو لکھ دے کامل تاریخِ وفات
۹
دیکھئے مرغوب الرحمٰن جا پہنچے رب کے پاس

۹+۲۰۰۱ء=۲۰۱۰ء

از جہد خامہ الحاج مولانا محمد محی الدین کاملؔ جمروی

۱۴۳۲ھ

## وصال وجیہ زماں جناب مولانا مرغوب الرحمٰنؒ

۱۲۷ ۱۲۲ ۱۸۴ ۱۴۷۷

۲۰۱۰ء

## بگو در خلد بریں شد سال وفات

۱۴۳۲ھ ۵۷۸

۲۰۱۰ء

پیکرِ جود و سخا رخصت ہوا
راہبر راہِ ہدیٰ رخصت ہوا

جو کہ تھا مرغوب رحماں منتظم
فکر و فن کا راہنما رخصت ہوا

تھا مثالی مرتبہ کا مہتمم
صاحب فہم و ذکا رخصت ہوا

رات دن ذکرِ خدا کرتا رہا
راہ گزارِ اتقیا رخصت ہوا

مل گیا حق سے جسے باغِ جناں
جاں نثارِ مصطفیٰ رخصت ہوا

مشعلِ راہِ زندگی تھی بے گماں
مرد آہن باصفا رخصت ہوا

خوش خصال و خوش مزاج و خوش نظر
تھی ادا سب سے جدا رخصت ہوا

بیکسوں پر تھی نگاہِ محترم
ہر گھڑی در تھا کھلا رخصت ہوا

اس کی تربت پہ ہو رحمت ہر گھڑی
کر کے جو ذکرِ خدا رخصت ہوا

سالِ رحلت کہہ دے اختر قاسمی
چشم نم زد پارسا رخصت ہوا

۲۰۱۰ء

بدل مجروح احمد سعید اختر سرونج (ایم.پی)

۲۰۱۰ء

انتقال ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بروز بدھ

بسم اللّٰہ الممیت العزیز الرحمن الرحیم

۱۴۳۲ھ

نحمد المبدئ المغنی ونصلی علی النبی الکریم

۲۰۱۰ء

# تاریخ وفات بادشہ

۲۰۱۰ء

بدیع الزمن مولانا مرغوب الرحمن صاحب

۲۰۱۰ء

امیر الھند مھتمم محکم دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۲ھ

شیریں بیاں مرغوب الرحمٰن

۲۰۱۰ء

صدر عالم خوش کلام

۱۴۳۲ھ

رحمہ الغنی المجید

۱۴۳۲ھ

غفرلہ اللّٰہ الودود

۱۴۳۲ھ

نوّر مرقدہ العدل الستار

۱۴۳۲ھ

أعوذ باللّٰہ القوی الباری من الشیطن الرجیم

۲۰۱۰ء

قال اللّٰہ الودود: وسقاھم ربھم شرابا طھورا

۱۴۳۲ھ

قال الجلیل الصمد: سلام علیکم ادخلو الجنۃ

۱۴۳۲ھ

اکرام الصمد الجلیل علیکم ادخلوا الجنۃ

۱۴۳۲ھ

قال النبی الحکیم المجیب: الموت جسر یوصل الحبیب اِلی الحبیب

۱۴۳۲ھ

بیّن النبی الأحق: تحفۃ المؤمن الموت

۱۴۳۲ھ

موت العالِم الأقدس موت العالَم

۱۴۳۲ھ

واللّٰہِ الواجد الماجد موت العالِم موت العالَم

۱۴۳۲ھ

واللّٰہ البصیر الجلیل لقد وقعت الواقعۃ

۱۴۳۲ھ

کَسْ مثالِ تو نہ نبودہ در نُجوم

۱۴۳۲ھ

کارِ تو تقلید بودہ منفعتُ اھلِ عُلوم

۲۰۱۰ء

سایۂ فضل وفرحت ہو رحمٰن کا

۲۰۱۰ء

فضلِ جوّاد ہو قبر میں دَم بہ دَم

۱۴۳۲ھ

جھکا کر سَرِ سنِ رحلت میں جب ہم غور کرتے ہیں
ندا پہنچی کہ جنت میں یہ نگراں سیر کرتے ہیں

۱۴۳۲ھ

اَز حُزنِ محمد طاھر الاعظمی

۱۴۳۲ھ

غمزدہ در شہرِ کبیر جدّہ

۲۰۱۰ء

## بسم اللہ الممیت العزیز الرحمن الرحیم

۱۴۳۲

## ہدیۂ مقبول بمولانا مرغوب الرحمٰن صاحب

۲۰۱۰

| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | |
| ۲۰۱۰ | رہبر | لائق | سَروَر | فائق | عارف | صادق | مصلح | کامل | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | لائق | سرور | فائق | عارف | صادق | مصلح | کامل | رہبر | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | سرور | فائق | عارف | صادق | مصلح | کامل | رہبر | لائق | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | فائق | عارف | صادق | مصلح | کامل | رہبر | لائق | سرور | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | عارف | صادق | مصلح | کامل | رہبر | لائق | سرور | فائق | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | صادق | مصلح | کامل | رہبر | لائق | سرور | فائق | عارف | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | مصلح | کامل | رہبر | لائق | سرور | فائق | عارف | صادق | ۲۰۱۰ |
| ۲۰۱۰ | کامل | رہبر | لائق | سرور | فائق | عارف | صادق | مصلح | ۲۰۱۰ |
| | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | ۲۰۱۰ | |

یہ مصرعہ چاروں طرف سے پڑھا جا سکتا ہے اور ہر طرف سے جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور مسلمانانِ ہند کے امیر شریعت جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲ر محرم مطابق تقویم سعودی و یکم محرم مطابق تقویم ہندی ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء یوم الاربعاء) کے سالِ رحلت کا عدد ۲۰۱۰ برآمد ہوتا ہے جو ۱۴۳۲ھ کے مطابق ہے۔

**سوز محمد طاہر الاعظمی**
۱۴۳۲ھ

**حزین بگوشۂ عزلت شہر جدہ**
۱۴۳۲

**غمزدہ در شہر کبیر جدہ**
۲۰۱۰م